اصلاحی، انقلابی، پرتاثیر بیانات کا حسین مجموعہ

بزمِ منوّرؔ

جلد: چہارم

خطبات

واعظ شیریں بیاں حضرت مولانا منور حسین ابن عبداللہ صاحب سورتی دامت برکاتہم

امام وخطیب جامع مسجد بالہم، لندن، یوکے

زیر سرپرستی

مفتی محمد طاہر صاحب سورتی دامت برکاتہم

امام وخطیب چوڑگر مسجد وشیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ وقف صوفی باغ، سورت، گجرات، انڈیا

جدید ترتیب وتہذیب

(مفتی) محمد امین اُدھنا غفرلہ

ناشر

حضرت حافظ عبدالغفور بن عبدالمجید شیخ صاحب دامت برکاتہم

مہتمم شیخ جامعہ احمد اللہ ومرکزی دارالعلوم پال، ضلع سورت، گجرات، انڈیا

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام کتاب : بزم منور (جلد: چہارم)

خطبات : واعظ شیریں بیاں حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی دامت برکاتہم

زیر سرپرستی : مفتی محمد طاہر صاحب سورتی دامت برکاتہم

جدید ترتیب وتہذیب : (مفتی) محمد امین اُدھنا غفرلہٗ

ناشر : حضرت حافظ عبد الغفور بن عبد المجید شیخ صاحب دامت برکاتہم

تیسرا ایڈیشن : محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۷ء

صفحات : ۳۸۴

ملنے کے پتے
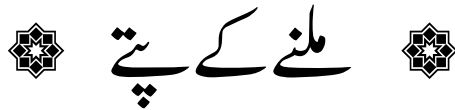
(۱) مرکزی دار العلوم پال، ضلع سورت، گجرات، انڈیا 0091-0261-2840120

(۲) مولانا محمد انور مصری صاحب (اسلامک بک ڈپو) 091 - 9825793711
نزد جامع مسجد، چوک بازار، سورت، گجرات، انڈیا

(۳) **دار الحمد** ریسرچ انسٹیٹیوٹ، سوداگرواڑہ، سورت، گجرات، انڈیا 091 - 9173103824

(۴) (مفتی) محمد امین اُدھنا، امن سوسائٹی، ادھنا، سورت 091 - 9909279863

المحتویات

فہرستِ مضامین

۲ مقام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین

۹ وصیت کی اہمیت اور ترکہ کی تقسیم

(قسط اول)

کچھ صاحبِ کتاب کے بارے میں

از: مولانا محمد یونس سورتی

(خلیفہ عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ، کراچی)

تصدیق از: فقیہ امت

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ، راندیر، سورت

(صاحبِ فتاویٰ رحیمیہ)

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم. اما بعد!

۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۷ء کی بات ہے، حضرت مولانا منور حسین سورتی صاحب مد فیوضہم مجھ سے از راہ تعلق قدیم ان کی تقاریر کی اشاعت کے ابتدائی زمانہ میں بطور مقدمہ کچھ لکھنے کی فرمائش کرتے رہے، مگر اوّلاً تو اپنے اندر عدم اہلیت کی بنا پر ہمت نہ کی، دوسرے یہ کہ بعض اکابر نے کتاب پر تقریظ لکھنے کا حق ادا کر دیا، اس لئے بندہ ان کی گذارش کو ٹالتا رہا، پھر خیال آیا کہ کیوں نہ میں صاحبِ کتاب کا تعارف لکھ دوں تاکہ ان تقاریر کا مطالعہ کرنے والوں کو کتاب پر مزید اعتماد اور کتاب سے دلچسپی پیدا ہو۔

مولانا کا وطن:

حضرت مولانا منور حسین سورتی (ابن عبداللہ شیخ[1] صاحبؒ) ہندوستان کے

(۱) آپ پابند شرع تھے، صاف ستھری زندگی تھی، اخلاق و کردار کے بلند (بقیہ برصفحۂ آئندہ)

صوبۂ گجرات کے شہر سورت میں ۱؍شعبان ۱۳۷۶ھ مطابق ۳؍مارچ ۱۹۵۷ء بروز اتوار پیدا ہوئے، آباء واجداد یہیں کے ہیں، سورت شہر میں محلّہ سگرام پورہ کے رہنے والے ہیں۔

حفظ قرآن کریم:

ابھی آپ نے ناظرہ قرآن کریم بھی ختم نہ کیا تھا کہ سورت شہر کے محلّہ رامپورہ کے دار العلوم میں اس کے بانی اور مہتمم الحاج عبد القادر موسیٰ میر صاحبؒ [۱] نے درجۂ حفظ میں داخل کر دیا، آپ نے بڑے شوق اور دل کی لگن کے ساتھ حفظ مکمل کیا۔

سہارنپور؛ رمضان المبارک میں حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خانقاہ میں:

حفظ کے ساتھ ساتھ اساتذۂ کرام کی خدمت بھی بڑے ذوق وشوق سے کرتے تھے، جس کے نتیجہ میں حفظ کے استاذ حضرت مولانا محمد انور مصری صاحب سورتی [۲] مدظلہ آپ کو غالباً ۱۹۷۰ء یا ۱۹۷۱ء میں سہارنپور ماہ مبارک میں حضرت شیخؒ کی خانقاہ میں لے

(گذشتہ سے پیوستہ)

اور علم دوست مخلص انسان تھے، سینکڑوں اشعار نوک زباں تھے، محفل ومجلس خصوصاً شعراء کی مجلس میں موقع کے مطابق اشعار کہتے تھے، آپ کی وفات کے بعد محلّہ کے ایک مقتدر شاعر الحاج عبد القادر چشتی نظامی (تخلص: واصل سورتی) نے آپ کی زندگی پر ایک طویل نظم کہی ہے۔ بعمر پچھتر ۷۵؍سال ۱۵؍ اگست ۲۰۰۴ء میں وفات پائی۔

حاشیہ اس صفحہ کا:

(۱) آپ نے ۲۱؍ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۴؍جنوری ۲۰۰۳ء کو وفات پائی۔

(۲) مولانا انور مصری صاحب مدظلہ: آپ نے جامعہ اشرفیہ، راندیر میں کئی سال تعلیم حاصل کر کے مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور میں ۱۰؍شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۳۰؍دسمبر ۱۹۶۸ء میں (بقیہ برصفحۂ آئندہ)

گئے، جہاں سینکڑوں اکابر وعوام اعتکاف کرتے تھے، مولانا انور صاحب کی برکت سے آپ کو بھی کم عمری کے باوجود قیام کی اجازت مل گئی۔

دیگر اکابر کی خدمت:

پھر مولانا کو حضرت شیخؒ کے یہاں آمدورفت میں دیگر اکابر کی خدمت نصیب ہوئی، خصوصاً حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ [۱] (شیخ الحدیث مظاہر علوم، سہارنپور) اور حضرت مولانا ہاشم بخاری [۲] صاحبؒ، اور حضرت مولانا عبد المنان [۳] بن مولانا محمد شاکر

(گذشتہ سے پیوستہ)
دورۂ حدیث میں داخل ہوئے، یہ سال حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے بخاری شریف پڑھانے کا آخری سال تھا، بخاری شریف حضرت شیخ سے اور دیگر کتب حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ اور ناظم مدرسہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا عاقل صاحبؒ وغیرہ سے پڑھیں، فراغت کے دو تین سال بعد دار العلوم رامپورہ، سورت میں درجۂ حفظ پڑھایا، پھر اندازاً تین سال بعد جامع مسجد سورت کے دروازہ پر مختصر کتب خانہ قائم کیا، اور اب محلہ سید واڑہ میں عیسیٰ جی کی مسجد جو آپ کے گھر کے سامنے ہے، مسجد کے قدیم اور مصلیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر اسے شہید کروا کر وسیع وعریض خوش نما اور دیدہ زیب مسجد اور مسجد سے متعلق عمارت تعمیر کروائی، آج کی تاریخ میں بھی کچھ کام باقی ہے۔

حاشیہ اس صفحہ کا:

(۱) آپ ۱۶؍شوال ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱؍جولائی ۲۰۱۷ء میں انتقال فرما گئے۔ نور اللّٰہ مرقدہٗ و برد اللّٰہ مضجعہٗ.

(۲) مولانا ہاشم بخاری صاحب: آپ کا اصل وطن بخارا ہے، ۱۳؍رجب ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۲؍مارچ ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوئے، ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں ہندوستان ہجرت کی، دار العلوم دیوبند میں داخلہ لے کر اندازاً ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں درس نظامی سے سند فراغ حاصل کی، بعدہٗ پالنپور حضرت مولانا محمد نذیر صاحبؒ کے مدرسہ میں پھر دار العلوم وڈالی اور رویدرا گاؤں میں کچھ کچھ مدت تدریسی خدمت انجام دے کر جامعہ حسینیہ راندیر میں ایک مدت درجۂ علیا کی کتابیں (بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

دہلویؒ، اور سورت گجرات کی مشہور شخصیت حضرت مولانا حکیم محمد سعد اجمیریؒ [۱] (المعروف: حکیم اجمیری صاحب) کی خوب خدمت کی۔ اسی طرح حضرت مولانا عبد الحفیظ مکّی صاحبؒ [۲]، حضرت مولانا معین الدین مرادآبادی صاحبؒ [۳] (شیخ الحدیث مدرسہ امدادیہ، مرادآباد) حضرت مولانا کفایۃ اللہ صاحب مدانوی پالنپوریؒ [۴]، اسی طرح حضرت مولانا منور حسین بہاریؒ [۵] جو خانقاہ کے انتظامی امور پر متعین تھے، ان کی بھی خدمت نصیب

(گذشتہ سے پیوستہ)

پڑھائیں، پھر دار العلوم دیوبند میں تدریسی خدمت انجام دے کر غالباً ۱۹۸۵ء میں مستقل مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔

(۳) مولانا عبد المنان دہلویؒ: آپ حضرت مولانا عبد السبحان میواتی (بانی مدرسہ سبحانیہ، قصاب پورہ، دہلی) کے پوتے تھے، جید عالم صاحبِ درد بزرگ تھے، عربی، فارسی، اردو کے بڑے ماہر شاعر تھے، اور ہزار ہا ہزار تینوں زبانوں کے اشعار نوک زباں تھے، حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی موجودگی میں اشعار سناتے، آخر میں سہارنپور حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے منسلک ہوئے، اور ان کی خدمت میں آتے جاتے رہے۔

حاشیہ اس صفحہ کا:

(۱) آپ نے انگلینڈ کے دورانِ سفر، شہر برمنگھم میں ۱۵ / ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸ / جولائی ۲۰۰۰ء بروز منگل وفات پائی۔

(۲) مولانا مکۃ المکرّمہ کے باشندے تھے، ساؤتھ افریقہ کے دورہ پر تھے، وہاں ۱۸ / جنوری بدھ کے دن ۲۰۱۷ء کو انتقال فرما گئے۔ دوسرے دن جنت البقیع مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے۔

(۳) آپ ۸ / شوال ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۴ / اکتوبر ۲۰۰۸ء کو سورت شہر میں انتقال فرما گئے۔ اور دار العلوم مرکز اسلامی، انکلیشور، ضلع بھروچ کے احاطہ میں (جہاں وہ اپنی عمر کے آخری سالوں میں شیخ الحدیث رہے) مدفون ہوئے۔

(۴) مولانا کفایۃ اللہ صاحبؒ: حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خلیفہ تھے، دار العلوم ماہی، پالنپور کے بانی و مہتمم تھے، ۱۳ / ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۷ / جنوری ۲۰۰۳ء شب جمعہ کو (بقیہ برصفحۂ آئندہ)

ہوئی، بلکہ ہمنام ہونے کی وجہ سے مولانا سورتی کے ساتھ شفقت کا معاملہ فرماتے، خانقاہ معتکفین سے پر ہونے کے باوجود آخری صف میں ان کے لئے جگہ کردیتے، اور اپنے دو صاحبزادے محمد سلمان اور محمد سالم کے قرآن پاک سننے کا آپ کے حوالہ کیا، اور ایک مرتبہ سورت واپسی کی ٹکٹ کی رقم بھی عنایت فرمائی، مولانا کفایۃ اللہ پالنپوری صاحبؒ نے بھی ایک مرتبہ سورت واپسی کی ٹکٹ کی رقم عنایت فرمائی۔

جامعہ حسینیہ راندیر میں داخلہ:

آپ کا حفظ مکمل ہو چکا تھا کہ اسی سال راندیر ضلع سورت سے مہتمم جامعہ حسینیہ حضرت مولانا محمد سعید راندیریؒ (متوفی ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء) اور حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ سہارنپور حضرت شیخؒ کی خانقاہ میں پہونچے تھے۔

حضرت مولانا حکیم محمد سعد اجمیریؒ نے حضرت مولانا محمد سعیدؒ سے آپ کے جامعہ حسینیہ میں عربی تعلیم کے لئے داخلہ کی سفارش کی، اور فرمایا کہ یہ ایک غریب گھرانہ کا لڑکا ہے، چھٹیوں میں میرے پاس رہتا ہے اور اردو لکھنا پڑھنا سیکھتا ہے، گھر والے کسی کام میں لگانا چاہتے ہیں لیکن ہم اسے عالم بنانا چاہتے ہیں، ساتھ ساتھ سفارشی رقعہ بھی لکھ دیا۔

(گذشتہ سے پیوستہ)

سورت کے دورانِ سفر مہاویر ہسپتال میں انتقال فرمایا۔

(۴) مولانا منور حسین صاحب بہاریؒ: سہارنپور میں حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے یہاں رمضان المبارک میں خانقاہ میں معتکفین کے انتظامی امور پر متعین تھے۔ مظاہر علوم سہارنپور سے ۱۳۵۰ھ میں فارغ ہوئے، پانچ سال مظاہر علوم میں بعدہٗ دار العلوم لطیفی کٹہار میں تا دم آخر مدرس رہے۔ پھر کسی وقت مظاہر علوم میں عارضی طور پر استاذ الحدیث رہے۔

الحمدللہ اس طرح ۱۹۷۱ء میں جامعہ حسینیہ، راندیر ضلع سورت میں داخلہ ہوگیا، ماشاء اللہ آپ نے علوم نبویہ میں جد و جہد کے علاوہ اپنے حسن اخلاق و نیک چلن اور اساتذۂ کرام کی خدمت سے جامعہ میں مقبولیت حاصل کی۔

مہتمم جامعہ حضرت مولانا محمد سعید راندیری صاحبؒ کی خصوصی توجہ و تربیت و شفقت نے تو آپ کے اندر ظاہراً و باطناً ایک نکھار پیدا کر دیا، دیگر اساتذہ بھی مشفق و مہربان رہے، اور استاذ الحدیث حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ (۱) نے تو آپ کے علوم دینیہ سے فارغ ہونے سے قبل ہی آپ کو اپنا داماد بنالیا۔

آپ نے بخاری شریف فخر گجرات حضرت علامہ و مولانا شیخ احمد اللہ راندیریؒ (متوفیٰ ۲۷/صفر ۱۴۰۴ھ مطابق ۲/دسمبر ۱۹۸۳ء بروز جمعہ) سے پڑھی، اور دیگر کتب حدیث دوسرے محدثین سے پڑھیں۔

---

(۱) حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ: آپ کا اصل وطن بہار ہے، مدرسہ امینیہ، دہلی میں علم حاصل فرمایا، مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی کفایۃ اللہ دہلویؒ کے تلمیذ رشید تھے، حضرت کی موجودگی میں آپ نے وہیں پر تدریسی خدمت انجام دی، اسی زمانہ میں الحاج عبدالقادر میر صاحبؒ (بانی دارالعلوم، رامپورہ، سورت) اپنے دارالعلوم میں لے آئے، یہاں پر تقریباً چھ سال درس دیا، پھر جامعہ حسینیہ راندیر میں ۱۹۶۴ء سے ۱۹۸۰ء تک مختلف فنون اور حدیث و تفسیر کے استاذ رہے۔

اسی دوران دارالعلوم بری (انگلینڈ) کے بانی حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب مدظلہ نے اپنے دارالعلوم میں درس بخاری کے لئے تقرر فرمایا، آپ نے ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۶ء تک بخاری شریف کا درس دیا، آخری سال یعنی ۱۹۹۶ء میں رمضان المبارک میں عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تھے، اس دوران مدینہ منورہ میں ۲۸ ویں شب کو بوقت صبح چار بجے اپنی قیام گاہ پر واصل بحق ہوگئے، جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجعہ.

تقریر وبیان:

تقریر وبیان میں محنت اور دلچسپی کے نتیجہ میں جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد اللہ راندیری صاحبؒ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں دل کے مرض کی وجہ سے اپنے تقریری پروگرام میں جہاں اوروں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور اپنی تقریر سے پہلے ان سے کچھ دیر بیان کا حکم فرماتے، کبھی کبھی آپ سے بھی بیان کرواتے، اور کبھی اپنی جگہ پر بھی بیان کے لئے بھیجتے، یہ ایک طالب علم کے لئے بڑے شرف کی بات ہے کہ اساتذہ ان سے اس طرح راضی اور خوش ہوں۔ **ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء.**

جامعہ سے فراغت:

اس طرح جامعہ میں شب و روز گزار کر ۱۴/شعبان ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۶/جون ۱۹۸۱ء میں اعلیٰ درجہ سے فراغت حاصل کی، شیخ الجامعہ حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ نے خوش ہوکر اس ہونہار فارغ التحصیل کے لئے ایک نظم بھی تحریر فرمائی۔

دیوا بستی ضلع بھروچ میں دینی خدمات:

جامعہ سے فارغ ہوئے تو شیخ الجامعہ حضرت مولانا احمد اللہ صاحبؒ اور مفتیٔ جامعہ واستاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی اسماعیل واڈی والا صاحبؒ[1] نے بمقام دیوا ضلع بھروچ کی جامع مسجد میں ۱۹۸۱ء میں تقرر کروادیا۔

یہ بھی آپ کا کمال تھا کہ اساتذہ کے حکم پر اپنا محبوب شہر 'سورت' چھوڑ کر دیہات میں تقریباً چار سال ۱۹۸۵ء تک دیوا کی جامع مسجد میں خطیب وامام رہے۔ عائد کردہ ذمہ

(۱) آپ نے یکم شعبان ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۵/اگست ۲۰۰۷ء میں وفات پائی۔

داری کے علاوہ اصلاحِ خلق کے خاطر تقریر و بیان، درسِ قرآن وحدیث اور مجلس اصلاح و فقہ کو اپنا لازمی اور اہم فریضہ بنایا، اور دیوا میں دیوانہ وار بن کر سارے امور انجام دیتے رہے، ساتھ ساتھ مختلف مقامات پر تقریری پروگرام بھی ہوتے رہے۔

جامع مسجد بالہم، لندن سے دعوت:

دیوا قیام کے دوران ۱۹۸۵ء میں جامع مسجد بالہم، لندن کے حضرات نے رمضان المبارک میں قرآن پاک کی تفسیر کے لئے آپ کو دعوت دی، چنانچہ آپ تشریف لائے اور روزانہ تفسیر فرمانے لگے۔

جامع مسجد بالہم، لندن میں تقرر اور خدمات:

مسجد بالہم کے مصلی حضرات نے محسوس کیا کہ لائق وفائق نوجوان ہیں، اور ان سے ہماری تشنگی دور ہوگی تو ان حضرات کا اصرار ہوا، اور حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ کی تائید رہی، چنانچہ آپ کا تقرر ہوگیا، اور جمعہ کی نماز سے قبل اور اہم اہم مواقع میں بیانات اور روزانہ نماز کے بعد درسِ تفسیر وحدیث اور اصلاح وفقہ وغیرہ کا سلسلہ شروع فرمایا۔

یہ تمام امور دیوابستی کی جامع مسجد میں بھی انجام دیتے تھے، لیکن وہاں ایک ہی طرح کا ماحول تھا، اور یہاں مختلف ممالک اور مختلف قبائل وخاندان اور مختلف المزاج و مسالک اور مختلف نظریات وافکار کے ماحول میں ہر طرح کی باتیں اور حالات سہہ کر مجسم صبر کا پیکر بن کر خندہ پیشانی وملنساری اور حکمت عملی سے کام کرتے رہے، یہاں تک کہ ماحول گل وگلزار بن گیا، اور علاقہ کے بڑے چھوٹے آپ سے مانوس ہوگئے، اور آپ کی

قدر کرنے لگے۔ الحمد للّٰہ علیٰ ذلک

علاوہ ازیں برطانیہ میں جب قادیانوں کی ریشہ دوانی شروع ہوئی، تو اس وقت ختم نبوت کے سلسلہ میں برطانیہ میں ہر سال کونفرنس شروع ہوئی، ہند و پاک وغیرہ سے علماء و مشائخ کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا، تو ابتدائی سالوں میں ان حضرات کا قیام لندن شہر میں آپ کے توسط سے مسجد بالہم میں رہتا تھا، اور ویسے بھی سال بھر میں وقتاً فوقتاً بعض بعض علماء و مشائخ کی آمد رہتی تھی، آپ ان کی بھرپور خدمت کرتے اور ان سے مستفید ہوتے، اس کے علاوہ لوگوں کے مسائل اور دینی وملّی امور بھی انجام دیتے رہے۔

آپ کی تقاریر کی اشاعت:

جب انسان کسی میدان میں کام شروع کرتا ہے، بالخصوص جب کہ اس پر ایک عرصہ بیت چکا ہو تو اللہ پاک کی طرف سے کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور ظاہر ہوتا ہے۔

چوں کہ میری آمد ورفت 'بالہم' (لندن) کی جامع مسجد میں زیادہ رہی ہے، اس لئے یہ بات میرے علم میں ہے کہ کئی سالوں سے وہاں کے بہت سے حضرات مولانا سے ان کی تقاریر کی اشاعت پر زور دیتے رہتے تھے، مگر اکابر علماء و عرفاء و سلف و خلف کے مواعظ کثیرہ کی موجودگی میں اپنے بیانات کی اشاعت کا خیال ان پر شاق گزرتا تھا، لیکن وہاں کے حضرات کے اصرار کے ساتھ بڑوں کی تائید و حوصلہ افزائی نے اشاعت کے اسباب بھی پیدا فرمادئے، اور ان تقاریر کے مجموعے کا نام بھی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب سورتی صاحب نے ''بزم منور'' تجویز فرمادیا۔

اب آپ کے بیانات زمان ومکان اور ممبر ومحراب تک ہی محدود نہ رہے، بلکہ چہاردانگ عالم میں پھیل چکے ہیں، اوران شاءاللہ متعدی اور دائمی رہیں گے۔

احقر الناس: محمد یونس سورتی غفرلہٗ

تصدیق بر مضمون تعارف

از: مفتیٔ گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ

(صاحب فتاویٰ رحیمیہ)

کتاب کی اشاعت کے بعد مولانا منور حسین سورتی سفرِ گجرات کے موقع پر ’راندیر‘ ضلع سورت، حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوری صاحب کی خدمت میں اپنے بیانات کا مجموعہ بنام ’بزم منور‘ لے کر پہنچے، حضرت مفتی صاحب نے بعمر ستانوے ۹۷/ انتہائی ضعف ونقاہت کے باوجود ’بزم منور‘ کے چند حصوں کے بیانات کی فہرست صاحب مواعظ سے سنی، اور کچھ مضامین سنے، پھر پوچھا کہ مولانا یونس (سورتی) نے آپ کی کتاب دیکھ لی؟ جواب دیا گیا کہ: جی ہاں! دیکھ لی، فرمایا کہ چوں کہ یہ اسی کام میں لگے ہوئے ہیں اس لئے ان کا دیکھنا کافی ہے، پھر تعارف کا پورا مضمون سنا، سن کر اپنے لرزتے ہوئے دستِ مبارک سے تحریر فرمایا کہ: ”ماشاءاللہ تعارف کا مضمون بڑا جامع اور مفید ہے“ پھر دستخط فرمائی۔

☆☆☆☆☆

تبرکات وتأثرات

از: حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحبؒ

استاذ حدیث وناظم تعلیمات دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر، سورت، گجرات (انڈیا)

حق تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، جس کے تحت جہاں کتاب مقدس قرآن پاک کی حفاظت کا سلسلہ حفاظ کے ذریعہ جاری ہے وہیں اس کے مضامین، احکام، نصائح، عبر، امثال، عبادات، معاملات، معاشرت، معیشت، مہارت، سیاست، عقائد غرض وہ تمام امور جن کو قرآن پاک نے بندوں کی اصلاح کے لئے بیان فرمایا ہے اور ان کی مزید وضاحت وشرح حدیث پاک اور فقہ میں کی گئی ہے اس کے محافظین اور امت تک ان کی تبلیغ کرنے والے افراد بھی اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں پیدا فرمائے ہیں۔ لہذا سعادت مند افراد نے ہر زمانہ میں اس کی توفیق پائی ہے۔

بعض افراد کو لوگوں کی اصلاح کا خاص جذبہ اور بہترین سلیقہ من جانب اللہ عطا کیا جاتا ہے، وہ اس خداداد نعمت کے ذریعہ حسن تعبیر، عبرت ناک قصص اور دل لگتی مثالوں کے ذریعہ کسی مضمون کی تفہیم پر پوری قدرت رکھتے ہیں، ان کا بیان اور ان کی تحریر دلوں کو موہ لیتی

(۱) یہ مضمون حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحبؒ نے ''بزم منور'' کی چوتھی جلد کے پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے وقت تحریر فرمایا تھا۔ اب تو حضرتؒ ہمارے درمیان نہیں رہے، اللہ تعالیٰ حضرت کی کروٹ کروٹ مغفرت فرماوے، آپ کے درجات کو بلند فرماوے، آپ کی قبر پر اپنی خصوصی رحمت نازل فرماوے، اور آپ کی قبر کو نور سے بھر دیوے۔ آمین از: مرتب عفی عنہ

ہے اور عمل پر آمادہ کر دیتی ہے، اور سابقہ کوتاہیوں پر توبہ کرنے کی ہمت دے دیتی ہے۔ بندگان خدا ان کے بیان کو سن کر یا تحریر کو پڑھ کر اپنی اور اپنے اہل کی اصلاح کا راستہ پا لیتے ہیں۔ دنیا کا فانی ہونا اور آخرت کی یاد ان کے ذہن میں راسخ ہو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی سیرت اور اسلامی اعمال سے ان کو محبت ہو جاتی ہے، ایمان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے، ان کو تقویٰ اختیار کرنے کا حوصلہ مل جاتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی خدمت ہے جو ان مقررین اور مصنفین کے ذریعہ انجام پاتی ہے۔ پھر خود مقرر اور مصنف کی ذاتی قابل تقلید زندگی، تقویٰ و طہارت، اصلاح کی فکر، امت کے لئے تڑپ کا جذبہ بھی اس میں کارفرما ہوتا ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے ایسے ہی ایک موفق باللہ نوجوان خادم العلماء، مخلص، ہردل عزیز مقرر حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی حال مقیم لندن، خطیب جامع مسجد بالہم لندن کے خطبات کا مجموعہ ''بزم منور'' کی جلد چہارم ہے، جس کو پڑھ کر موصوف کی تفہیم، نصوص پر واقفیت، کسی واقعہ سے عبرت اخذ کرنے کا سلیقہ، عوام وخواص کی نفسیات کو سامنے رکھ کر گفتگو کرنے کا ڈھنگ، ترقی یافتہ ملکوں کے لوگوں کو ان کی متمدن زندگی کو سامنے رکھ کر کس طرح اسلامی اعمال وعقائد، آداب واخلاق کو ان کی عقلوں سے قریب کر کے سمجھانا چاہئے، اس پر موصوف کو مکمل دستگاہ حاصل ہے۔ موصوف نے اسلامی احکام و اعمال کو ایک انوکھے انداز سے فطرت انسانی کے موافق اور قابل عمل بتلایا ہے، دلوں کو چھو لینے والے قصے اور اپنے اعمال بد پر شرمندہ ہونے اور توبہ پر کس کس طرح آمادہ کیا ہے، یہ مولانا موصوف ہی کا کمال ہے۔ معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں اور فکری کج رویوں اور غیروں کی تقلید سے بچانے کے لئے عجیب نادر اسلوب اختیار کئے ہیں۔ زبان سادہ، رواں دواں اور فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے جس کی داد دئے بغیر نہیں رہا جاتا۔ کسی

مضمون کے اثبات کے لئے برمحل اشعار کا انتخاب بھی قابل ستائش ہے۔ نیز جگہ جگہ نصوص کے حوالے اور کتب کے اسماء، نیز شخصیات کے تذکرہ کے ساتھ ان کا مختصر ضروری تعارف اور ان کا مقام بھی قلم بند کیا گیا ہے۔ مصنف کے قلم کی پاکیزگی کے ساتھ اس کے باطن کی پاک بازی، سنجیدگی، تواضع، محبت، خلوص، تقویٰ اور ذکر و شغل کی عادی شخصیت کا اثر تحریر سے صاف جھلکتا نظر آتا ہے۔ اس خاکسار کے ساتھ مصنف کا الحب فی اللہ کا رشتہ ہے۔ انڈیا میں ان کے قیام کے دوران بارہا موصوف سے برادرانہ ملاقات کا شرف حاصل رہا، اور برطانیہ چلے جانے کے بعد وہاں سے وطن کے سفر کے دوران کئی مرتبہ عیادت کے لئے آنے کے دوران تبادلہ خیالات کا موقع ملا، کم عمری میں اتنے سارے کمالات کے حامل لوگ کم ہی نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی ان کاوشوں کو جو خطبات اور تصنیفات کی شکل میں امت کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہیں، مسلم عوام وخواص کو ان سے استفادہ کی توفیق ملے اور حق تعالیٰ اس خدمت کو آخرت میں کامیابی اور مغفرت کا ذریعہ بنائے، اور دنیا میں صحت و عافیت اور سرفرازی و نیک نامی بخشے، آمین اور موصوف کی نیم شبی کی دعاؤں میں ہمارا حصہ رہے، آمین۔

تم سلامت رہو ہزار برس برس کے ہوں دن پچاس ہزار

خیر اندیش (حضرت مولانا) ذوالفقار احمد غفرلہٗ (مدظلہ العالی)

خادم دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، سورت، گجرات (انڈیا)

۲۹/ اگست ۲۰۰۱ء

[۱]
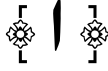
قرآن کریم کی عظمت

اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی صداقت اور پروف (ثبوت) کے لئے ان کو آیات یعنی معجزات عطا فرمائے۔ اور اللہ کا یہ قانون رہا ہے کہ جس زمانے میں جس فن کا شہرہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اسی فن سے مناسبت رکھنے والا معجزہ عطا فرماتے ہیں؛ تا کہ اس فن سے تعلق رکھنے والوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ کوئی بشری فعل نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی نشانی ہے جو انسانی طاقت سے ماوراء ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب میں شعر و سخن اور فصاحت و بلاغت کا بڑا زور تھا۔ پورے عرب میں فصاحت، بلاغت اور کلام کا بڑا شہرہ تھا، بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء شعراء ایسے ایسے اشعار کہتے تھے کہ ان کا جواب نہ ہوتا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک کا معجزہ عطا فرمایا اور چیلنج کیا کہ اس جیسا ایک قرآن بنا کر لے آؤ۔ لیکن اس وقت سے لے کر آج تک کے بڑے بڑے فصحاء، بلغاء، شعراء، ادباء عاجز رہ گئے، اور کوئی بھی ایسا کلام بنا کر نہ لا سکا اور قیامت تک نہ لا سکے گا۔

[۱]
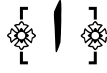
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن کریم کی عظمت

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡكَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیۡعَنَا وَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا کَثِیۡرًا...... اَمَّا بَعۡدُ!

عن عائشةؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لکل شیء شرفاً یتباھون به و ان بھاء امتی و شرفھا القرآن. (رواہ الحلیة)

[حضرت عائشہ صدیقہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتی ہیں کہ ہر چیز کے لئے، ہر قوم اور ہر خاندان کے لئے، ہر قبیلہ اور ہر انسان کے لئے کوئی شرافت اور فخر کی چیز ہوا کرتی ہے، جس سے وہ تفاخر کیا کرتے ہیں، میری امت کے لئے باعث افتخار اور میری امت کا شرف قرآن شریف ہے۔]

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلك من الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

خدایا پھر عطا کر ہم کو ذوق درس قرآنی
نہ ہو رسوا الٰہی اب تو شان مسلمانی

جو چھوڑا دامن قرآن ذلیل و خوار ہوا ہے مسلم
وہ ہندی ہو کہ ترکی ہو کہ مصری ہو کہ ایرانی
جو چھوڑا دامن قرآن نتیجہ اس کا یہ دیکھا
جہاں بانی جو کرتے تھے کرتے ہیں وہ دربانی
ہوئے محروم ہر عزت سے دولت سے بصیرت سے
سمجھتے ہی نہیں نازل ہوا کیوں قہر ربانی

ماہِ رمضان کی باغ و بہار قرآن کریم سے ہے:

بزرگانِ محترم! اللہ تعالیٰ کا کس زبان سے شکر ادا کریں کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں یہ مبارک مہینہ عطا فرمایا؛ اللہ تعالیٰ سے دعا فرئیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری عمروں میں برکت عطا فرماوے، اور ہمیں پورا مہینہ عطا فرماوے اور اس کے انوار و برکات سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی توفیق عطا فرماوے؛ آمین۔ رمضان کی اصل باغ و بہار تو قرآن سے ہے اس لئے کہ آسمانی کتابوں کی سردار قرآن مجید جو سب سے مقدس کتاب ہے اور سب سے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، وہ اسی مبارک مہینہ میں نازل ہوئی ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ (البقرة: ۱۸۵)

[رمضان کا مہینہ وہ (مبارک) مہینہ ہے جس میں قرآن پاک نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لئے سراپا ہدایت، اور ایسی روشن نشانیوں کا حامل ہے جو صحیح راستہ دکھلانے والی اور (حق و باطل کے درمیان) فیصلہ کرنے والی ہے۔]

رمضان کا مہینہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا، جس کی صفت اس آیت میں 'ہدیٰ' 'اور فرقان' بیان کی گئی ہے، یعنی لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔

اسی مہینہ میں تراویح پڑھی جاتی ہے، تراویح میں ایک قرآن کریم کا ختم کرنا سنت ہے، رمضان کے مہینہ میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیلؑ کو پورا قرآن پاک سناتے تھے، اور حضرت جبرئیلؑ اللہ کے نبی کو قرآن سناتے تھے، اس طرح دونوں اس مہینہ میں قرآن پاک کا دور کرتے تھے۔ ایسے اس مہینہ کو قرآن پاک کے ساتھ خاص مناسبت حاصل ہے۔

اس لئے آج رمضان کے موقعہ سے میں 'قرآن پاک کی عظمت' پر کچھ باتیں ان شاء اللہ آپ کے سامنے پیش کروں گا، اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی عظمت صحیح معنیٰ میں ہمارے دلوں میں بٹھا دیوے، اور قرآن پاک سے ہمارا تعلق مضبوط بنا دیوے۔

سب رسولوں پر ہمارا ایمان ہے:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک بہت سے نبیوں اور رسولوں کو مبعوث فرمایا؛ جن کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ قرآن مجید میں سب کے نام اور تفصیلی حالات بیان نہیں کئے گئے؛ لیکن ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی نبی اور رسول بھیجے سب سچے تھے۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ

(البقرۃ:۲۸۵)

[وہ تمام کے تمام ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کے رسولوں پر (اور وہ کہتے ہیں کہ) ہم اس کے رسولوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔]

اس کے تمام رسولوں کو اس کا بھیجا ہوا رسول مانتے ہیں، اس کے بھیجے ہوئے رسولوں میں سے کسی رسول کی تکذیب نہیں کرتے۔

ایمان مفصل میں ہم کو اسی بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ ہم ایمان لاتے ہیں ان تمام رسولوں پر جو اللہ نے بھیجے ہیں، سب رسول سچے اور برحق ہیں۔

نبیوں کی صداقت کے لئے معجزات:

اور اللہ تعالیٰ نے ان نبیوں کی صداقت اور پروف (ثبوت) کے لئے ان کو آیات یعنی معجزات عطا فرمائے۔ 'معجزہ' کہتے ہیں نبی سے خلاف عادت ایسی بات کا ظاہر ہونا جو کسی عام انسان سے نہ ہو سکے؛ اسے معجزہ کہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان نبیوں کی سچائی بتلانے کے لئے ان کو معجزات یعنی وہ باتیں عطا فرمائیں جو عام انسانوں سے نہیں ہوسکتیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا والا معجزہ مشہور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا دریا پر مارتے تھے؛ تو دریا میں بارہ راستے بن جاتے تھے، زمین پر ڈالتے تھے تو وہ عصا اژدہا بن جاتا تھا، پتھر پر مارتے تھے تو پتھر میں سے بارہ چشمے جاری ہو جاتے تھے۔ اور بھی دوسرے معجزات اس عصا کے ذریعہ ظاہر ہوتے تھے، جس کو مفسرین کرام نے اپنی اپنی جگہ بیان کئے ہیں۔

مثلاً: ا...... جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سفر میں ہوتے تو یہ لاٹھی ان سے بات

کرتے ہوئے چلتی تھی۔

۲...... جب آپ کو بھوک ستاتی اور کوئی چیز کھانے کو نہ ہوتی تو عصا کو زمین پر مارتے تھے اس سے ایک دن کا کھانا نکل آتا تھا۔

۳...... جب پیاس لگتی تو عصا کو زمین میں گاڑ دیتے اس سے پانی ابلنا شروع ہو جاتا تھا، جب اٹھا لیتے تو بند ہو جاتا۔

۴...... جب پھل کھانے کی خواہش ہوتی تو اس لاٹھی کو گاڑ دیتے تو یہ درخت بن جاتا، اس پر پتے لگ جاتے اور پھل بھی آجاتے۔

۵...... جب کنویں سے پانی کھینچنے کی نوبت آتی تو یہ عصا ڈول کا کام دیتا اور اتنا لمبا ہو جاتا جتنی اس کنویں کی گہرائی ہو، اور اس میں دو شاخیں تھیں وہ ڈول کی طرح بن جاتی۔

۶...... رات کے وقت اس میں روشنی پیدا ہو جاتی۔

۷...... جب کوئی دشمن سامنے آجاتا تو یہ عصا خود بہ خود اس سے لڑنے لگتا اور اس پر غالب آجاتا۔

(حاشیۂ جلالین: ۱/۱۸۹)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ آپ اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھوں کو بینا کر دیتے تھے، مٹی کی چڑیا بنا کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ زندہ ہو جاتی تھی اور اڑ جاتی تھی، اور اللہ کے حکم سے یہ بتلا دیتے تھے کہ تم کیا کھا کر آئے ہو اور گھر میں کیا رکھ کر آئے ہو؟ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ قرآن نے کہا ہے:

اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّیْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْئَةِ الطَّیْرِ

فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (سورۂ اٰل عمران: ۴۹)

[میں تم لوگوں کے پاس (اپنی نبوت پر) کافی دلیل لے کر آیا ہوں۔ (من جملہ ان میں کے ایک) یہ ہے کہ میں مٹی کے گارے سے چڑیا کہ شکل بناتا ہوں پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہو جاتی ہے، اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے کو اور برص کے بیمار کو اچھا کر دیتا ہوں، اور مردے کو بھی اللہ کے حکم سے زندہ کر دیتا ہوں۔ اور میں تم کو بتلا دیتا ہوں جو تم کھا کر آئے ہو، اور جو تم رکھ کر آئے ہو گھروں میں؛ بلا شبہ ان میں (میری نبوت کی) کافی دلیل ہے تم لوگوں کے لئے، اگر تم ایمان لانا چاہو۔]

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے آپ سے فرمائش کی کہ اگر آپ اللہ کے سچے نبی ہیں تو پہاڑ میں سے زندہ گابھن اونٹنی نکال کر بتاؤ۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ کے حکم سے پہاڑ میں سے گابھن اونٹنی برآمد ہوئی۔ اور باہر آ کر اس اونٹنی نے بچہ جنا۔ تو یہ اونٹنی حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ تھی۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف پیغمبروں کو مختلف معجزے عطا فرمائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ آپ پرندوں کی بولی سمجھ لیتے تھے۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (النمل: ۱۶)

[اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے]

ہوا کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مسخر کر دیا تھا، آپؑ ہوا کو حکم کرتے تھے تو ہوا آپ کے پورے تخت کو اڑا کر لے جاتی تھی اور ایک مہینہ کا سفر ایک دن میں طے کروا دیتی تھی، جن و انس بھی آپ کے تابع تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ لوہا آپ کے ہاتھ میں آ کر موم کی طرح نرم بن جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت داؤد علیہ السلام کی مرضی کے مطابق لوہا آپ کے ہاتھ میں آ کر موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ. (السبا: ۱۰)

[اور ہم نے حضرت داؤدؑ کے لئے لوہے کو نرم بنا دیا۔]

لوہے کو گرم کرنے اور کوٹنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی؛ اور آپ جو چاہتے اس نرم لوہے سے بنا لیتے تھے۔ غرض انبیاء علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی سچائی بتلانے کے لئے مختلف معجزے عطا فرمائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں کی تعداد:

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے بہت سارے معجزات عطا فرمائے تھے۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو تین ہزار معجزے عطا فرمائے تھے۔ بعض حضرات نے دس ہزار معجزے لکھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ظہور مختلف جگہوں پر ہوا۔ فضا میں ہوا، جانوروں پر ہوا، زمین پر ہوا، پہاڑوں پر ہوا، کھانے کی چیزوں میں ہوا؛ وغیرہ وغیرہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی معجزہ:

ان سب کے علاوہ قرآن کریم آپ کا وہ علمی معجزہ ہے جو آج تک باقی ہے، اور

قیامت تک باقی رہے گا۔ اگلے تمام رسولوں اور نبیوں کے معجزے تو ان کی ذات کے ساتھ محدود تھے؛ جب تک وہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں رہے ان کے معجزے بھی دنیا میں رہے اور جب وہ انبیاء علیہم السلام اس دنیا سے پردہ فرما گئے تو ان کے ساتھ ان کے معجزے بھی ختم ہو گئے۔ آج اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا مل جائے تو وہ ازدہا نہیں بنے گا، مگر اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کا جو معجزہ عطا فرمایا ہے، یہ آپ کا وہ زبردست زندہ جاوید معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ ہے۔

بقول مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ قرآن مجید کی ایک ایک سورت معجزہ ہے، ایک ایک آیت معجزہ ہے اور جو قرآن مجید حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا ہو بہو اسی طرح آج تک امت کے ہاتھوں میں وہی اصلی حقیقی قرآن کریم موجود ہے، نہ کم ہوا، نہ گم ہوا، نہ تحریف کا شکار ہوا، نہ بکری نے کھایا جیسا کہ بعض شیعہ حضرات کہتے ہیں۔ آج پوری کائناتِ عالم میں وہی اصلی قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل فرمایا تھا موجود ہے۔

نیز غور کیجئے یہ قرآن کریم جس نبی پر نازل ہوا وہ نبی تمام نبیوں میں افضل ہیں، جس فرشتہ کے واسطہ سے نازل ہوا یعنی حضرت جبرئیلؑ وہ فرشتہ تمام فرشتوں میں افضل ہے، جس امت پر نازل ہوا وہ امت تمام امتوں میں افضل ہے، جس زمین پر نازل ہوا یعنی مکہ اور مدینہ وہ زمین تمام زمینوں سے افضل ہے۔ قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا انقلابی معجزہ ہے، اور امت محمدیہ کے لئے سب سے بڑا فخر اور شرف ہے، اللہ

کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان لکل شیء شرفاً یتباهون به و ان بهاء امتی و شرفها القرآن. (رواہ الحلیۃ)

[ہر چیز کے لئے، ہر قوم اور ہر خاندان کے لئے، ہر قبیلہ اور ہر انسان کے لئے کوئی شرافت اور فخر کی چیز ہوا کرتی ہے، جس سے وہ تفاخر کیا کرتے ہیں، میری امت کے لئے باعث افتخار اور میری امت کا شرف قرآن شریف ہے۔]

قرآن مجید میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں، پانچ سو چالیس رکوع ہیں، چھ ہزار چھ سو چھیانسٹھ (٦٦٦٦) آیتیں ہیں۔ اس کا ایک ایک کلمہ محفوظ ہے، ایک ایک نقطہ، ایک ایک زیر و زبر محفوظ ہے، گننے والوں نے اس کے زیر و زبر کی بھی گنتی کی ہے، یہ تمام کے تمام ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ.﴾ (الحجر:۹) کی عملی شکل ہے۔ قرآن کریم کی سب سے چھوٹی سورت سورۂ کوثر ہے، جس میں ۱۰/ کلمات ہیں۔ اور مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ پورے قرآن کریم میں ۷۷/ ہزار سے زائد کلمات ہیں۔ تو گویا ۷۷/ ہزار کو دس پر تقسیم کریں تو حاصل سات ہزار سات سو کلمات بنتے ہیں گویا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کریم سے ۷۰۰۰/ سے زائد معجزات ہوئے مابقیہ محدثین نے ۳۰۰۰/ معجزات نقل کئے ہیں، تو اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معجزات مل کر تقریباً ۱۰/ ہزار معجزات ہو جاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ:

اور اللہ کا یہ قانون رہا ہے کہ جس زمانہ میں جس فن کا شہرہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اسی فن سے مناسبت رکھنے والا معجزہ عطا فرماتے ہیں؛ تا کہ اس فن سے تعلق رکھنے

والوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ کوئی بشری فعل نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی نشانی ہے جو انسانی طاقت سے ماوراہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فن جادوگری کا بڑا زور تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی سے مناسبت رکھنے والا معجزہ عطا فرمایا۔آپ کا عصا زمین پر ڈالتے ہی بڑا اژدہا بن جاتا تھا۔جب آپ نے فرعون کو یہ معجزہ بتلایا تو فرعون کہنے لگا یہ تو جادو ہے، چنانچہ اس نے بہت سارے جادوگروں کو بلوا بھیجا، بہت سارے جادوگر اپنی اپنی لاٹھیاں اور رسیاں لے کر آئے، بعضوں نے جادوگروں کی تعداد ستر ہزار اور ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ بیان کی ہے۔انہوں نے اپنی اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈالیں تو وہ رینگتے ہوئے سانپ نظر آنے لگے، ان کے جادو کے زور سے سارا میدان سانپوں سے بھر گیا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈالئے ____:

وَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ.

(الاعراف:۱۱۷)

[اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈالئے، سو ڈالتے ہی (وہ اژدہا بن کر) جادوگروں کے تمام بنائے ہوئے کھیل کو نگلنے لگا۔]

وہ عصا ایسا اژدہا بنا کہ جادوگروں کے تمام سانپوں کو نگل گیا۔اس اژدہے کے لئے قرآن نے کہیں ﴿حَيَّةٌ تَسْعٰى﴾ اور کہیں ﴿ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ﴾ اور کہیں ﴿جَانٌّ﴾ کا لفظ استعمال کیا ہے۔جادوگر سمجھ گئے کہ یہ نظر بندی نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے؛ اور تائید غیبی ہے، اور یہ زبردست معجزہ ہے۔وہ جادو کی حقیقت کو سمجھتے تھے، فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور

سجدہ میں گر گئے اور کہنے لگے ___ :

وَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیْنَ. قَالُوْا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ. (الاعراف: ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲)

[اور وہ جادوگر (سب) سجدہ میں گر گئے، اور کہنے لگے ہم ایمان لائے رب العالمین پر، جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا بھی رب ہے۔]

اس معجزہ کو دیکھ کر جادوگر سب مسلمان ہو گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب اور ڈاکٹری کا بڑا زور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا فرمائے کہ بڑے سے بڑا ڈاکٹر اور ماہر سے ماہر طبیب بھی وہ علاج نہیں کرسکتا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں اور پھونکوں سے ہوتا تھا۔ جس طرح کہ آج سائنس کا دور ہے، میڈیکل سائنس زوروں پر ہے، لوگ اس کے دیوانے بنے ہوئے ہیں اور سائنسی ایجادات اور سائنسی ترقیات کی لوگ تعریف کرتے ہیں؛ ویسے اس زمانہ میں طب اور ڈاکٹری کا بڑا شہرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی مناسبت کے معجزات عطا فرمائے جنہیں دیکھ کر اس وقت کے بڑے بڑے ڈاکٹر، اطباء حیران رہ گئے، آپ اس دور کی لاعلاج بیماریوں کا علاج فرماتے تھے، بلکہ موت جس کی کوئی دوا نہیں؛ آپ علیہ السلام مردہ کو اللہ کے حکم سے زندہ کردیتے تھے۔

قرآن مجید کا پہلا چیلنج:

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب میں شعر وسخن اور فصاحت و

بلاغت کا بڑا زور تھا۔ پورے عرب میں فصاحت، بلاغت اور کلام کا بڑا شہرہ تھا، بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء شعراء ایسے ایسے اشعار کہتے تھے کہ ان کا جواب نہ ہوتا تھا، اور ان سے دنیا والوں کو چیلنج کرتے تھے۔ اور عرب یہ کہتے تھے کہ لسان اور زبان تو ہمارے پاس ہے، عرب اپنے کو عربی اور دوسروں کو 'عجمی' کہتے تھے، عجمی کے معنیٰ گونگے کے ہوتے ہیں، تو وہ اپنے کو عربی اور دوسروں کو گونگے کہتے تھے کہ ان لوگوں کو تو بولنا ہی نہیں آتا۔ عرب میں سب سے بڑا معزز وہ سمجھا جاتا تھا جو کوئی فصیح و بلیغ شعر کہہ دے۔ سینکڑوں اشعار ایک مجلس میں فی البدیع کہہ دیتے تھے۔ جو اشعار بہت ہی اچھے ہوتے انہیں خانۂ کعبہ کی دیوار پر لٹکایا جاتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک کا معجزہ عطا فرمایا اور چیلنج کیا کہ اس جیسا ایک قرآن بنا کر لے آؤ۔ لیکن اس وقت سے لے کر آج تک کے بڑے بڑے فصحاء، بلغاء، شعراء، ادباء عاجز رہ گئے، اور کوئی بھی ایسا کلام بنا کر نہ لا سکا اور قیامت تک نہ لا سکے گا۔ ان کے اشعار میں عورتوں کے حسن کی تعریف ہوتی تھی، شراب کی تعریف ہوتی تھی مگر قرآن مجید ایسا کلام ہے جو مردہ دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے، مردہ دلوں کو حیات جاودانی عطا فرماتا ہے۔ وہ لوگ کہتے تھے نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرآن کو گھڑ لیا ہے، نعوذ باللہ اپنے من سے بنا لیا ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ (سورۂ یونس: ۳۸)

[کیا وہ یوں کہتے ہیں کہ اس قرآن کو آپ نے گھڑ لیا ہے۔]

اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا، فرمایا: اچھا اگر یہ بات ہے تو ہم تم کو چیلنج دیتے ہیں کہ تم سب انسان اور جنات مل کر اس جیسا قرآن بنا کر لاؤ؛ فرمایا ___:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا.

(سورۂ بنی اسرائیل:۸۸)

[آپ فرمادیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات سب اس بات کے لئے جمع ہوجائیں کہ ایسا قرآن بنا کر لادیں، تب بھی ایسا نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔]

دوسرا چیلنج:

جب وہ لوگ اس جیسا قرآن بنانے سے عاجز ہوگئے، تو قرآن نے دوسرا چیلنج دیا کہ اگر اس جیسا قرآن بنا کر نہیں لاسکتے تو اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر لے آؤ۔

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ. (سورۂ هود: ۱۲)

[آپ فرمادیجئے تم اس جیسی دس سورتیں جو تمہاری بنائی ہوئی ہوں؛ لے آؤ، اور اپنی مدد کے لئے اللہ کے علاوہ جن جن کو تم بلاسکتے ہو بلالو اگر تم سچے ہو۔]

تیسرا چیلنج:

پھر جب اس سے بھی عاجز ہوگئے، اور سورۂ کوثر نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اگر دس سورتیں نہیں لاسکتے تو چلو اس جیسی ایک سورت ہی لاکر بتلاؤ:

وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَاءَ کُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ.

(البقرۃ:۲۳،۲۴)

[اور اگر تم خلجان اور شک میں ہو اس کتاب کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمائی ہے تو اچھا تم اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ۔ یعنی ایک سورت جو فصاحت و بلاغت میں اس کے ہم پلہ ہو بنالاؤ۔ اور اس کام کے لئے اپنے حمایتیوں کو بلالو جو تم نے خدا سے الگ تجویز کر رکھے ہیں اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکے اور قیامت تک کر بھی نہ سکو گے؛ تو پھر ڈرو اس دوزخ کی آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔]

قرآن کریم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک علمی ودائمی معجزہ ہے:

چنانچہ علماء کرام نے لکھا ہے قرآن کریم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی ودائمی معجزہ ہے اور قرآن کریم نے چودہ سو سال ہوئے بہ بانگ دہل یہ چیلنج دیا ہے کہ قرآن کریم کی سب سے چھوٹی سورت سورۂ کوثر جیسی سورت ہی بنالاؤ؛ جو فصاحت و بلاغت میں، مضامین کی ندرت میں، واقعات ماضیہ و آیتوں کی صداقت میں، امثال و مواعظ کی اثر انگیزی میں، براہین و دلائل کی جامعیت میں، معقولیت وقطعیت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ قرآن کریم کی ہم مثل و ہم پلہ ہو۔ جو صرف فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ہی نہیں بلکہ ترکیب والفاظ کے اعتبار سے بھی، حسن تالیف وحسن سیاق کے اعتبار سے بھی، الفاظ کے تناسب وکلام کے ارتباط کے اعتبار سے بھی، گذشتہ کے واقعات سے تمثیل اور آئندہ کے واقعات سے عبرت کے اعتبار سے بھی بلکہ فن ادب کے لحاظ سے بھی معجز ہو۔

قرآن کریم سارا کا سارا حق وصداقت سے عدالت و ہدایت سے پُر ہے۔ نہ اس میں واہی تباہی باتیں ہیں، نہ اس میں ہنسی مذاق اور کذب وافتراء ہے، جو شاعروں کے کلام میں عموماً ہوتا ہے۔ بلکہ شعراء میں مشہور ہے ''اعذبه اكذبه'' کلام میں جتنا زیادہ جھوٹ ہوگا اتنا ہی زیادہ مزہ دار ہوتا ہے۔ لمبے لمبے پرزور قصائد، مبالغہ وکذب آمیز کلام، عورتوں کی تعریف وتوصیف یا گھوڑوں یا شراب کی ستائش یا پھر صرف شاعروں کے خیالی پلاؤ کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا ہے۔ رائی کو پہاڑ اور چیونٹی کو ہاتھی بنا کر پیش کیا جاتا ہے، جن سے نہ دین کا فائدہ ہوتا ہے نہ دنیا کا فائدہ ہوتا ہے، نہ اخلاق وکردار پر کوئی اچھا اثر ہوتا ہے، نہ اچھے اعمال پر ابھارنے والا ہوتا ہے۔ الا ماشاء اللہ کبھی کسی کے دوتین شعر اچھے ہوتے ہیں؛ برخلاف اس کے قرآن کریم پر نظر ڈالئے تو دیکھئے اس کا ایک ایک لفظ فصاحت وبلاغت اور دین ودنیا کی خیر وبرکت ونفع سے پر ہے۔

پھر کلام الٰہی کی ترتیب وتہذیب، الفاظ کی بندش، عبارت کی روانی، معانی کی نورانیت، مضمون کی پاکیزگی سونے پر سہاگہ ہے۔ اس کی خبروں کی حلاوت وصداقت، اس کے بیان کردہ واقعات وقصص کی سلاست مردہ قلوب کو زندگی دیتی ہے۔ اس کا اختصار اعلیٰ کمال کا نمونہ اور اس کی تفصیل معجزہ کی جان، اس کا کسی آیتوں کا مکرر بیان کرنا قند مکرر کا مزہ دیتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے گویا سچے موتیوں کی بارش ہو رہی ہے۔ بار بار پڑھنے پر بھی دل اکتاتا نہیں ہے۔ تلاوت کرتے جاؤ اور مزہ لیتے جاؤ، ہر وقت کی تلاوت میں نیا مزہ ملتا ہے۔ مضامین ایسے کہ کبھی ختم نہ ہوں۔ اس کا ڈرانا، ترہیب ووعیدیں تو ایسی کہ انسانی قلوب تو کیا پہاڑوں پر بھی لرزہ طاری ہو جاوے۔

لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ
(الحشر:۲۱)

[اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے لرز جاتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا۔]

اس میں بیان کی گئیں رحمتیں، نوازشیں، مہربانیاں اور لطف و کرم کو دیکھو تو دلوں کی پژمردہ کلی کو کھلا دینے والے ہیں۔ قرآن کریم کے اس چیلنج کو آج تک کسی نے قبول نہیں کیا، نہ قیامت تک کوئی قبول کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ یہ قرآن کریم کی حقانیت و صداقت اور منزل من اللہ ہونے کی بین دلیل ہے۔

قرآن مجید کے مقابلہ میں پیش کردہ ایک مضحکہ خیز نمونہ:

جب سورۃ القارعہ نازل ہوئی:

اَلۡقَارِعَةُ ۔ مَا الۡقَارِعَةُ. وَمَا اَدۡرٰىكَ مَا الۡقَارِعَةُ. يَوۡمَ يَكُوۡنُ النَّاسُ كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ. وَتَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ.
(القارعۃ:۱،۲،۳،۴،۵)

[وہ کھڑکھڑانے والی چیز کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز۔ اور آپ کو معلوم ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز؟ جس روز آدمی پریشان پروانوں کی طرح ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے]

اس سورت میں قیامت کا منظر کھینچا گیا ہے۔ ایک شخص نے بڑی محنت کے ساتھ اس کی نقل اتارنے کی کوشش کی، اس جیسی سورت بنانا چاہا، تو اس نے کیا کہا؟ اس نے کہا :

الفيل ما الفيل و ما ادراک ما الفيل ذنبه قصير و خرطومه طويل.

[ہاتھی رے ہاتھی جانتے ہو ہاتھی کیا ہے؟ اس کی دم چھوٹی ہوتی ہے اور سونڈھ لمبی ہوتی ہے۔]

یہ سن کر سارے لوگ ہنسنے لگے کہ یہ کیا بنایا ہے؟ اس میں کون سا کمال اور معنیٰ دار بات آئی۔ وہ کہتا ہے ہاتھی اور کیا ہے، ہاتھی کی دم چھوٹی اور سونڈھ بڑی ہوتی ہے۔

قرآن کریم کا چیلنج آج بھی باقی ہے:

چودہ سو سال ہو گئے، آج تک کسی نے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا اور قیامت تک اس کے مقابلہ میں کوئی ایک آیت بھی نہیں بنا سکے گا، یہ ہمارا ایمان ہے۔ تو قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عظیم الشان انقلابی معجزہ ہے جو آج بھی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اور قیامت تک باقی رہے گا اور اس کی اعجازی شان آج بھی اسی طرح باقی ہے اور قیام تک باقی رہے گی۔

قرآن کریم سراپا ہدایت ہے:

قرآن کریم کی ایک صفت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے ـــــ:

هُدًى لِّلنَّاسِ (البقرة: ۱۸۵)

[کہ یہ قرآن سراپا ہدایت ہے لوگوں کے لئے]

یہ کتاب لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے، لوگوں کو سچا راستہ بتاتی ہے، جو اس کتاب کی تلاوت کرے گا، اس پر عمل کرے گا وہ ہدایت کو پالے گا۔ ہم نے سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ـــــ:

اِھْدِنَــــا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ.

[اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ بتا]

تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دو آیت کے بعد والی آیت ہی میں فرما دیا:

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ. (البقرة: ۲)

[یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک نہیں، ہدایت کا ذریعہ ہے متقین کے لئے]

﴿اِھْدِنَــــا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ.﴾ کے دو آیت کے بعد ہی یہ آیت قرآن میں ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ تم نے جو ہدایت کی دعا مانگی تو وہ ہدایت اس کتاب یعنی قرآن میں ہے۔

تو قرآن کریم پورا کا پورا سراپا ہدایت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ہدایت کا ذریعہ بنایا ہے، نہ جانے کتنے لوگوں نے اسے پڑھ کر اور سن کر ہدایت پائی ہے، بس ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم قرآن کریم سے صحیح تعلق پیدا کرلیں، جس نے قرآن کریم سے صحیح تعلق پیدا کرلیا اس کی تو دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ لیکن افسوس مسلمانوں نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ کسی کا انتقال ہوگیا تو قرآن خوانی کرلی۔ رمضان المبارک آیا تو تھوڑی تلاوت کرلی۔ پھر پورا سال چھٹی، غفلت۔ حالانکہ قرآن کریم تو وہ مقدس کلام ہے کہ انسان اس میں صحیح غور وفکر کرے اس کے معانی میں تدبر کرے تو اس کے دل کی دنیا ہی بدل جائے اور اس کے طفیل فلاح دارین حاصل ہوجائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبولیت اسلام کا واقعہ مشہور ہے کہ سورۂ طٰہٰ پڑھتے ہی آپ کے دل کی دنیا بدل گئی، کہاں آپ نے نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا تھا اور پھر دل ایسا بدلا کہ اللہ کے نبی پر مر مٹنے والے بن گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبولیت اسلام کا واقعہ:

یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ابھی حضرت عمرؓ اسلام نہیں لائے تھے، ایک دن تلوار لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے گھر سے نکلے، راستہ میں نُعیم بن عبداللہ مل گئے، پوچھا کہاں جارہے ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس شخص کا کام تمام کرنے جارہا ہوں جس نے قریش میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ نعیم نے کہا: کیا تمھیں تمہارے نفس نے دھوکہ میں مبتلا کررکھا ہے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کردو گے اور ان کا قبیلہ بنوعبد مناف تمہیں زندہ چھوڑ دے گا کہ زمین پر چلتے پھرتے رہو۔ اگر تم میں عقل ہے تو اپنی بہن اور بہنوئی کی خبر لو کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے تابع ہو چکے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ان کی بات اثر کرگئی اور یہیں سے اپنی بہن بہنوئی کے مکان کی طرف پھر گئے۔ ان کے مکان میں حضرت خباب بن ارت صحابی رضی اللہ عنہ ان دونوں کو قرآن کی سورت سورۂ طٰہٰ پڑھا رہے تھے جو ایک صحیفہ میں لکھی ہوئی تھی۔

ان لوگوں نے جب محسوس کیا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آرہے ہیں تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ گھر کے کسی کمرہ یا گوشہ میں چھپ گئے اور ہمشیرہ نے وہ صحیفہ جس پر سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی چھپا دی۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کان میں ان کے پڑھنے پڑھانے کی آواز پہنچ چکی تھی اس لئے پوچھا کہ یہ پڑھنے پڑھانے کی آواز کیسی تھی جو میں نے سنی ہے؟ انہوں نے بات ٹالتے ہوئے کہا کہ کچھ نہیں۔ مگر حضرت عمرؓ نے بات کھول دی کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم دونوں مسلمان ہو چکے ہو اور یہ کہہ کر اپنے بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے، ان کی ہمشیرہ حضرت فاطمہؓ نے جب یہ دیکھا تو شوہر کو بچانے کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی مار کر زخمی کردیا۔

جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو بہن بہنوئی دونوں نے بیک زبان کہا کہ سن لو اے عمر! ہم بلاشبہ مسلمان ہو چکے ہیں، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں، اب تم جو کر سکتے ہو کر لو۔

ہمشیرہ کے زخم سے خون جاری تھا اس کیفیت کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ ندامت ہوئی اور بہن سے کہا کہ وہ صحیفہ مجھے دکھلاؤ جو تم پڑھ رہی تھیں تا کہ میں بھی دیکھوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تعلیم لائے ہیں۔ بہن نے کہا ہمیں ڈر ہے کہ تم اسے پھاڑ ڈالو گے یا بے ادبی کرو گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اطمینان دلایا کہ ایسا نہیں ہوگا، حضرت فاطمہؓ نے کہا تم ناپاک ہو اور اس صحیفہ کو پاک آدمی ہی ہاتھ لگا سکتا ہے اگر تمہیں دیکھنا ہے تو پہلے غسل کرلو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کیا پھر یہ صحیفہ ان کے حوالہ کیا گیا تو اس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی اس کا شروع حصہ پڑھتے ہی آپ کے دل کی دنیا بدل گئی، حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ کلام تو بڑا اچھا اور نہایت محترم ہے۔ یہ سن کر حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ جو مکان میں چھپے ہوئے تھے باہر آ گئے اور کہا کہ اے عمر! مجھے اللہ کی رحمت سے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے رسول کی دعا کے لئے منتخب فرمالیا ہے، کیونکہ گزشتہ کل میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے کہ

اللّٰهم ايد الاسلام بابی الحکم بن هشام او بعمر بن الخطاب

[یا اللہ اسلام کی تائید و تقویت فرما ابوالحکم بن ہشام (یعنی ابوجہل) کے ذریعہ یا پھر عمر بن خطاب کے ذریعہ۔]

پھر حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عمر! اس موقعہ کو غنیمت سمجھو۔ حضرت عمرؓ نے

حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو۔ اور آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با سلام ہو گئے۔

ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا:

اسی مناسبت کا ایک اور واقعہ عرض کرتا چلوں، حضرت ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ اپنے دور کے بہت بڑے نامور شاعر تھے، اس دور کے بڑے بڑے شعراء میں آپ کا بھی نام آتا تھا، یہ اتنے بڑے شاعر تھے کہ یہ جو شعر کہتے تھے کعبۃ اللہ میں اس کو لکھ کر لٹکایا جاتا تھا۔ ''**سبعہ معلقہ**'' عربی ادب کی مشہور کتاب ہے۔ اس میں وہ سات بڑے بڑے قصیدے بیان کئے گئے ہیں جو بیت اللہ پر لٹکائے گئے تھے۔ ربیعہ بن حارث کا قصیدہ بھی لکھ کر لٹکایا جاتا تھا۔ اندازہ لگاؤ کہ وہ کتنے بڑے شاعر ہوں گے؟ آپ نے جب قرآن سنا تو توبہ کر لی اور کہا: ''**یکفینا القرآن**'' یعنی ہمیں اب اشعار کی ضرورت نہیں؛ قرآن کریم ہی ہمارے لئے کافی ہے۔ ایمان لے آئے اور پھر کبھی شعر و شاعری نہیں کی اور صحابی رسول ہو گئے۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ

اب جب بھی آپ کا نام آتا ہے تو ہر مسلمان کہتا ہے رضی اللہ عنہ، اللہ ان سے راضی ہو گیا، بخاری اور مسلم شریف میں آپ سے کئی روایتیں مروی ہیں۔

علی اسدی کی توبہ:

علی اسدی ایک بہت بڑا اعرب گزرا ہے۔ بڑا فاسق، فاجر، لوٹ مار میں بہت مشہور تھا، لوگ اس سے عاجز آ گئے تھے، حکومت وقت بھی اس سے پریشان تھی۔ ایک

مرتبہ کہیں جارہا تھا، قافلہ میں ایک بچہ قرآن پڑھ رہا تھا۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ. (الزمر: ۵۳)

[(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے وہ اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو جاؤ، اگر تمہارے گناہ ریت کے ذرات اور بارش کے قطروں اور سمندروں کے جھاگ اور درختوں کے پتوں سے بھی زیادہ ہوں گے جب بھی اللہ ان کو معاف کرنے والا ہے۔]

اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا

[بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کردے گا۔]

تمہارے گناہ چاہے جتنے بھی ہوں مگر اللہ کی رحمت اس سے بڑی ہے۔ کروڑوں آدمیوں کی غلاظت اور نجاست کو سمندر کی ایک موج پاک کردیتی ہے؛ تو کیا اللہ کی رحمت کی ایک موج روح کو پاک کرنے کے لئے کافی نہیں ہے؟ اس نے جب یہ آیت سنی تو کہنے لگا دوبارہ سناؤ۔ دوبارہ آیت سنی، سنتے ہی دل کی دنیا بدل گئی، سچے دل سے توبہ کر لی اور اپنے تمام غلط کاموں کو چھوڑ دیا اور سچا مسلمان اور پکا نمازی بن گیا۔ ایسے گنہگاروں کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنا بندہ کہا ہے۔

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ

[اے میرے وہ بندو! جنہوں نے گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا]

توبہ کا ایک اور واقعہ:

موسیٰ بن محمد بن ہاشم ایک شخص تھا، سالانہ دو لاکھ اشرفیاں اس کی آمدنی تھی۔ ساری زندگی لہو ولعب میں گزاری، رات بھر جس عورت کے ساتھ چاہتا خلوت کرتا، منہ کالا کرتا، کوئی فکر نہیں، کوئی غم نہیں۔ ایک دن وہ اپنے بالا خانہ میں مست گویّوں کا گانا سن رہا تھا، دیکھا کہ ایک دوسری طرف سے آواز آرہی ہے، بڑی پیاری اور سریلی آواز، کبھی بلند ہوجاتی کبھی پست ہوجاتی۔ اس نے اپنے گویّوں سے کہا تم اپنی آواز بند کرو، اور خادموں سے کہا دیکھو یہ آواز کہاں سے آرہی ہے؟ خادم اس آواز کی طرف دوڑے، دیکھا کہ مسجد میں ایک نوجوان دبلا پتلا ایک چادر اوڑھے قرآن کی تلاوت کر رہا ہے۔ جب آیت رحمت پر پہنچتا ہے تو بہت سرور کے ساتھ پڑھتا ہے اور جب آیت عذاب پر پہنچتا ہے تو زار وقطار روتا ہے۔

خادموں نے اس کو پکڑ کر لے جانا چاہا تو اس نوجوان نے کہا بھائی مجھے کہاں لے جارہے ہو؟ کہا بس، ہمارے آقا نے تم کو بلایا ہے۔ پکڑ کر آقا کے پاس لے آئے۔

آقا نے پوچھا: ''کیا پڑھ رہے تھے؟''

نوجوان نے کہا: ''قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔''

کہا: ''مجھے بھی سناؤ۔''

تو اس نوجوان نے سورۂ تطفیف کی تلاوت شروع کی۔ تلاوت کرتے کرتے اس آیت پر پہنچا۔

اِنَّ الْاَبْـرَارَ لَفِـیْ نَعِیْمٍ. عَلَی الْاَرَائِکِ یَنْظُرُوْنَ . تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ

نَضْرَةَ النَّعِيمِ . يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ . خِتٰمُهُ مِسْكٌ وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ. وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ. عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ. (التطفيف: ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸)

[بے شک نیک لوگ بڑی آسائش میں ہوں گے۔ مسہریوں پر بیٹھے بہشت کے عجائب دیکھتے ہوں گے۔ اے مخاطب! تو ان چہروں پر آسائش کی بشاشت پہچانے گا اور ان کو پینے کے لئے شراب خالص سر بہ مہر جس پر مشک کی مہر لگی ہوئی ہوگی ملے گی۔ اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہئے۔ اور اس شراب کی آمیزش تسنیم کے پانی سے ہوگی یعنی ایک ایسے چشمہ سے جس سے مقرب بندے پئیں گے۔]

ان آیتوں کا سننا تھا کہ اس کا دل بدل گیا، اور اپنے تمام گناہوں سے سچی پکی توبہ کر لی اور تمام حشم خدم کو آزاد کر دیا۔ اور اس کے بعد سارا مال ومتاع دین پر لگا دیا اور اس قدر عبادت، ریاضت، مجاہدہ اور نمازوں میں مشغول ہوا کہ لوگوں کو اس کے حال پر رحم آتا اور ترس کھاتے۔ اور اس کو کہتے اس قدر مشقت نہ اٹھاؤ اور ایسی ریاضتیں نہ کرو۔ وہ کہتا جب میں عیاشی کرتا تھا اس سے تو تم نے مجھے منع نہیں کیا اور اب جب کہ اللہ کی عبادت کرتا ہوں تو اس سے منع کرتے ہو۔ اسی حال میں وہ مکہ مکرمہ پہنچا، حج کیا اور وہیں اس کا انتقال ہوا۔ رحمة الله عليه رحمةً واسعةً.

خلاصۂ کلام:

تو دوستو! قرآن مجید بہت بڑی لازوال نعمت ہے؛ اور بہت عظیم الشان معجزہ

ہے۔قرآن سے جس قدر تعلق بڑھے گا اللہ رب العزت سے تعلق میں اضافہ ہوگا اور اللہ کی محبت دل میں پیدا ہوگی، دل میں نور پیدا ہوگا، دل میں سے ظلمت اور زنگ دور ہوگا۔ اللہ پاک ہم تمام کو قرآن پاک کی قدر نصیب فرماوے اور اس سے تعلق نصیب فرماوے، اس کے احکامات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے؛ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ۲ ﴾

مقام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین

صحابۂ کرامؓ کے متعلق قرآن وحدیث میں بہت سے فضائل ومناقب وارد ہیں۔ انہیں مناقب کی بناپر اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ بڑے سے بڑا ولی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے صحابی کے مرتبہ کونہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں: ''ہیچ ولی بمرتبہ صحابی نرسد'' الخ۔کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبہ کوپہنچ نہیں سکتا۔

حضرت اویس قرنیؒ کی شان کس قدر بلند ہے؛ مگراپنی بلند شان ہونے کے باوجود چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرفِ صحبت سے مشرف نہ ہوسکے،اس لئے ادنیٰ درجہ کے صحابی کے مرتبہ کوبھی نہ پہنچ سکے۔حالانکہ کس قدر عالی مرتبہ ہے آپ کا،مگرصحابی کے درجہ کے برابر نہ ہوسکے۔

کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ؟ تو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے جواب میں فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں جوغبار داخل ہوا وہ غبار بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے کئی گنا بہتر ہے۔ (مکتوبات امام ربانی:۲۰۵دفتر اول)

﴿ ۲ ﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیْعَنَاوَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ وَسَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقَی. الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی. وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰی. اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی. وَلَسَوْفَ یَرْضٰی.

(اللیل: ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱)

[اوراس سے (یعنی جہنم سے) ایسا شخص دور رکھا جاوے گا جو بہت زیادہ تقویٰ والا ہے۔ جو اپنا مال (محض) اس غرض سے دیتا ہے کہ (گناہوں سے) پاک ہوجاوے۔ اور بجز اپنے عالیشان پروردگار کی رضا جوئی کے (کہ یہی اس کا مقصود ہے) اس کی اور کوئی غرض نہ تھی۔ اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ اس دینے سے اس کا بدلہ اتارنا مقصود ہو اور یہ شخص عنقریب خوش ہوجاوے گا۔ (یعنی آخرت میں اسے ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی کہ وہ خوش ہوجائے گا)]

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

ہم تک دین اسلام پہنچنے کے دو واسطے:

بزرگان محترم! میں نے ابھی ابھی آپ حضرات کے سامنے جو آیتیں تلاوت کیں، یہ سورۂ لیل کی آیتیں ہیں، یہ آیتیں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف میں نازل ہوئی ہیں۔

عزیز ساتھیو! ہم تک جو دین پہنچا ہے اس میں دو واسطے ہیں۔ ا......ایک حضرت جبرئیل علیہ السلام کا واسطہ؛ اور ۲......دوسرا حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا واسطہ، حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ عزوجل اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ ہیں۔ اللہ رب العزت کے پاس سے وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام لے کر آتے تھے اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان واسطہ ہیں، وحی کے سب سے پہلے مخاطب حضرات صحابہؓ تھے۔ امت تک جو قرآن اور دین پہنچا ہے وہ حضرات صحابہؓ کے واسطہ سے پہنچا ہے۔ تو ایک واسطہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ہے اور دوسرا واسطہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد میں آنے والی تمام نسلوں کے درمیان قیامت تک کے لئے واسطہ ہیں۔

ان واسطوں پر اعتراض کا جواب خود اللہ تعالیٰ نے دیا:

اور کمال یہ ہے کہ جب بھی ان واسطوں پر کسی نے ڈاکہ زنی کی، یا ان واسطوں پر کسی نے اعتراض کیا، یا طعن کیا تو خود اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا۔ چنانچہ پہلے واسطہ جبرئیل امین علیہ السلام پر جب یہودیوں نے اعتراض کیا اور یوں کہا تھا کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کو تیار ہیں لیکن ان پر وحی لانے والے جبرئیل

علیہ السلام ہیں جو ہمارے دشمن ہیں، ہماری ان سے بنتی نہیں ہے۔ بنی اسرائیل پر جو عذاب آئے وہ عذاب سب جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ لہٰذا اگر کوئی اور فرشتہ وحی لے کر آتا تو ہم ایمان لے آتے۔ تو اس کا جواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے دیا جو قرآن کریم میں موجود ہے۔

واسطہ پر جرح احکام پر جرح ہے:

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کا جواب دیا؛ اس لئے کہ واسطہ پر جرح کرنے سے احکام پر جرح ہو جائے گی۔ قرآن میں آیت نازل ہوگئی:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ

[آپ فرمادیجئے! جو شخص دشمن ہووے جبرئیل کا تو (اسے چاہئے کہ یہ سوچے کہ) جبرئیل نے اللہ کے حکم سے وحی کو اتارا ہے آپ کے قلب اطہر پر]

یہاں ﴿باذن اللّٰه﴾ (یعنی اللہ کے حکم سے) کا لفظ لا کر اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے عداوت میں قرآن کو نہ ماننے کا کیا دخل ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی حیثیت تو اس میں محض سفیر اور قاصد کی ہے۔ محض اس وجہ سے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اسے لے کر آئے ہیں تم اس کو نہ مانو یہ غلط ہے۔ تم اپنی نظر کو واسطہ کی طرف نہیں بلکہ ذو واسطہ کی طرف کرو، کون لے کر آیا ہے یہ مت دیکھو، بلکہ یہ دیکھو کہ کس نے بھیجا ہے۔ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے، جبرئیل علیہ السلام تو محض واسطہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے عقلی دلیل لا کر سمجھنے والوں کو سمجھا دیا، اور اس کے بعد بھی جو نہ سمجھے تو جیسا قرآن میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ رہا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ عذاب سے ڈراتے ہیں، چنانچہ

آگے فرمایا :

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ. (البقرة: ۹۸)

[جو شخص دشمن ہووے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل ومیکائیل کا تو سن لو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا۔]

واسطہ پر جرح کا جواب اللہ تعالیٰ نے کتنا سخت دیا، ذرا غور فرمایئے ،اللہ تعالیٰ نےحضرت جبرئیل علیہ السلام سے دشمنی رکھنے کو اپنی دشمنی بتلایا، کہ جو ان کا دشمن ہے وہ میرا بھی دشمن ہے۔(اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی اس سے حفاظت فرماوے) تو جب واسطہ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام پر اعتراض ہوا تو خود اللہ پاک نے اس کا جواب دیا۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اوصاف:

خود اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پاکیزہ اوصاف بیان فرمائے۔ اس لئے کہ مخبر یعنی خبر دینے والے کا صادق ہونا ضروری ہے۔اگر خبر دینے والا جھوٹا ہے تو اس کی خبر کا کیا اعتبار۔تو اللہ تعالیٰ نے مخبر یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اوصاف بیان فرمائے تا کہ کوئی حضرت جبرئیل علیہ السلام پر جو اللہ تعالیٰ کے قاصد ہیں ان پر پیغام رسانی میں خیانت کا الزام نہ لگا سکے؛ کہ جبرئیل لاتے تھے کچھ سناتے تھے کچھ۔

حضرت جبرئیل امین علیہ السلام پر معاذ اللہ ایک الزام یہ بھی لگایا گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے گئے۔اور ۲۳؍سال تک اندھا دھونی چلتی رہی۔نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی نہیں ہوا۔ یہ بالکل بے بنیاد بات

ہے،اس لئے خود اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اوصاف بیان فرمائے۔

اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ . ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ. مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ. (سورۂ تکویر: ۱۹، ۲۰، ۲۱)

[یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ایک معزز فرشتہ یعنی جبرئیل کا لایا ہوا ہے جو قوت والا ہے۔(اور) مالک عرش کے نزدیک ذی رتبہ ہے (اور) وہاں (یعنی آسمانوں میں) اس کا کہنا مانا جاتا ہے،امانت دار ہیں۔]

یہاں رسول سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔جبرئیلؑ کی صفت بیان فرمائی کہ وہ کریم ہیں، مالک عرش کے نزدیک ذی رتبہ ہے۔''مُطاع'' ہیں یعنی وہاں آسمانوں میں ان کا کہنا مانا جاتا ہے۔یعنی تمام فرشتے ان کا کہنا مانتے ہیں۔﴿ثَمَّ اَمِيْنٍ﴾ اور امانت دار ہیں، جو وحی ان کے سپرد ہوتی ہے اس کو صحیح صحیح پہنچاتے ہیں، پہنچانے میں کسی کمی بیشی اور خیانت کا امکان نہیں ہے۔ان آیتوں میں اللہ پاک نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اوصاف بیان فرمائے۔نیز سورۂ نجم میں ارشاد فرمایا:

عَلَّمَهُ شَدِيْدُ الْقُوٰى (النجم: ۵)

[ان کو ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور ہے، پیدائشی طاقتور ہے]

اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا کہ اللہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی کس واسطہ سے آتی ہے؟ تو فرمایا کہ ان کو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک فرشتہ (اس وحی کی من جانب اللہ) تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طاقت:

حضرت جبرئیل علیہ السلام کے متعلق اللہ پاک نے ﴿ذِیْ قُــوَّةٍ﴾ اور ﴿شَـدِیْـدُ الْقُوٰی﴾ فرمایا کہ جو بڑے طاقتور ہیں۔ جبرئیل امین کی کتنی طاقت ہے؟ روایت میں آتا ہے کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے چھ سو بازو ہیں۔ اگر وہ اپنے دو بازو پھیلا دیں تو پوری دنیا کو ڈھانک لیں۔ لوط علیہ السلام کی بستی کو آپ نے اپنے پروں پر اٹھالیا اور آسمان تک لے گئے، اتنا اوپر لے گئے کہ آسمانوں میں فرشتوں نے اس بستی کے جانوروں کی آواز سن لی اور اوندھا دے مارا۔ اللہ اکبر! کتنی طاقت ہوگی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائی کنویں میں ڈال رہے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جبرئیل! دنیا میں جاؤ اور میرے یوسف کو کنویں میں گرنے سے بچالو۔ ایک سیکنڈ میں عرش سے آکر کنویں میں آپ کو گرنے سے بچالیا۔ کیسی تیز رفتاری ہوگی۔

بہرحال حضرت جبرئیل علیہ السلام 'ذی قوۃ' بھی ہیں، 'مُطاع' بھی ہیں اور 'امین' بھی ہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا ہو اور آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئے ہوں۔ قوت والے بھی ہیں لہٰذا کوئی چھین بھی نہیں سکتا۔ تو ایک واسطہ تھا جبرئیلؑ کا۔ اس واسطہ پر اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے خود جواب عنایت فرمایا۔

دوسرا واسطہ:

دوسرا واسطہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ اس واسطہ پر جب کسی نے اعتراض کیا تو اس کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے آسمان پر سے دیا اور قیامت تک قرآن میں

جگہ دے دی۔

آمدم برسر مطلب:

خطبہ میں میں نے سورۂ لیل کی جو آیتیں تلاوت کی ہیں وہ آیات کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ کے رئیسوں میں سے تھے، مکہ کے سیکنڈ نمبر کے تاجروں میں تھے۔ مردوں میں سب سے اول آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد اپنا سارا سامان اور مال ومتاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر قربان کر دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کے لئے سب سے زیادہ دو شخصوں کا مال کام آیا۔ ۱......ایک ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا کا اور ۲......دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر لٹا دیا۔

سب کے احسان کا بدلہ چکا دیا سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا: میں نے سب کے احسان کا بدل چکا دیا ہے سوائے ابوبکر کے، ان کے احسان کا بدلہ قیامت میں اللہ تعالیٰ خود ادا کرے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مال اسلام کے لئے کس طرح قبول ہوا اس کی ایک صورت یہ بھی ہوئی کہ جو حضرات صحابہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے وہ بے چارے غلام ہوتے تو ان کے مالک ان پر بے حد ظلم وستم ڈھاتے تھے۔

غلاموں کو آزاد کرنا:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے مال سے ان کو خرید کر آزاد کر دیتے تھے؛ اور

تقریباً بارہ تیرہ غلاموں کو آزاد کر کے آپ نے ان کو ظلم وستم سے بچایا۔ ان آزاد شدہ غلاموں میں ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی ہیں؛ جن کا مالک امیہ آپ پر بڑا ظلم کرتا تھا۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دل میں ایمان ایسا راسخ ہو چکا تھا کہ اللہ اکبر! کتنی ہی مار پڑتی، گرم ریت پر ڈال دیا جاتا، بھاری چٹانیں ان کے سینے پر رکھی جاتیں مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ایمان کو نہ ہلا سکیں۔ ایسی نازک حالت میں بھی آپ کی زبان پر ''احد'' ''احد'' کا لفظ ہوتا تھا۔ اللہ ایک ہے اللہ اکیلا ہے۔ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ان کی زبان پر جاری ہوتا تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے کافر آقا امیہ سے کہا تجھے جو کرنا ہے کرلے، جو تکلیف پہنچا سکتا ہے پہنچالے، لیکن تو مجھے اپنے ایمان سے ہٹا نہیں سکتا۔ کیوں کہ میرے جسم پر تو تیرا قبضہ ہے لیکن میرے دل پر نہیں۔ کیوں کہ دل تو میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دے چکا ہوں۔ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر بے حد ظلم وستم ہو رہا تھا؛ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا، آپ رضی اللہ عنہ بہت نرم مزاج تھے۔ پوچھا یہ کس کی آواز ہے؟ بتلایا گیا بلال پر ظلم ہو رہا ہے، برداشت نہ کر سکے اور امیہ کے پاس گئے اور فرمایا بلال کو مجھے بیچ دو۔ امیہ بڑا چالاک تھا اس نے کہا اچھا تمہارے پاس ایک غلام ہے وہ غلام مجھے دے دو، وہ کافر غلام تھا لیکن کاروبار میں بڑا تیز اور چالاک تھا تو امیہ نے کہا وہ غلام مجھے دے دو اور مزید ایک ہزار درہم بھی مجھے دو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلا چوں و چرا فرمایا ٹھیک ہے، یہ غلام بھی لے لے اور ہزار درہم بھی لے لے اور امیہ سے خرید کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا۔ اور اس طرح کئی غلام لونڈیوں کو آپ نے آزاد کیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں

آئے اور فرمایا یارسول اللہ! میں نے بلال کو خرید لیا ہے اور میں نے اللہ کے لئے ان کو آزاد کر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ جب کئی غلام آزاد کر چکے تو ایک دن ان کے والد ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو پتہ چل گیا کہ میرا بیٹا اپنا مال لٹا رہا ہے۔ چونکہ اس وقت وہ ایمان نہیں لائے تھے وہ تو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے، تو ابو قحافہ نے کہا اگر خرچ کرنا ہی ہے تو ایسے کاموں میں خرچ کرو کہ کچھ نام ہو، ان غلاموں پر خرچ کرنے سے کیا نام ہوگا۔

مال خرچ کرنے کا مقصد:

باپ نے اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی معرفت وحی نازل فرمائی:

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی. الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی.

[اور اس سے (جہنم) سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے۔ جو اپنا مال خرچ کرتا ہے تاکہ خود پاکیزہ اور متقی ہو جاوے۔]

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی. اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی. وَلَسَوْفَ یَرْضٰی. (اللیل: ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱)

[یہ تو اپنے نام کے لئے نہیں بلکہ اپنے رب کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔ یہی اس کا مقصود ہے اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ اس دینے سے اس کا بدلہ اتارنا مقصود ہو اور یہ شخص عنقریب خوش ہو جائے گا آخرت میں۔]

تو دیکھو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر جب اعتراض کیا تو جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آگئے؛ حالانکہ باپ بیٹے کو بول سکتا ہے مگر جب باپ نے بیٹے کو ٹوکا تو حضرت جبرئیل

علیہ السلام وحی لے کر آ گئے اور اللہ پاک نے خود جواب دیا۔

رہ گئی رسم اذاں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے، صحابۂ کرامؓ بھی تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ کی آبادی دن بدن بڑھتی رہی اور پنج وقتہ فرض نماز کے لئے ۱ھ میں اذان مشروع ہوئی؛ تو اذان کہنے کی خدمت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسلام میں سب سے اول مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہوئے۔

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے تھے، تو "اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ" کہتے وقت شہادت کی انگلی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی طرف اشارہ کرتے تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں قیام نہ کر سکے؛ اس لئے کہ سفر اور حضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب وہ اذان دینے کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو "اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ" کے بعد دھاڑیں مار مار کر روتے تھے، کیا منظر ہوگا وہ؟ اللہ اکبر! اقبال نے خوب کہا ہے ـــــــ:

رہ گئی رسم اذاں اور روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

اقبال کہتے ہیں کہ میں روح بلالی والی اذان سننے کے لئے مصر و فلسطین گیا، یعنی ان کے زمانہ کا مصر و فلسطین جو اسلامی ممالک تھے، جہاں سب لوگ مسلمان تھے،

لیکنوہاں سے جب واپس آئے تو پھر مرثیہ پڑھنے لگے کہ وہاں کی اذانوں میں بھی روح بلالی نہ رہی؛ کہتے ہیں_:

سنی نہ مصر و فسلطیں میں وہ اذاں میں نے

جس نے دیا تھا پہاڑوں کو رعشۂ سیماب

تو وہ ایک آواز تھی بلال رضی اللہ عنہ کی کہ پہاڑ کی چٹان ہل جاتی تھی اور آج ہم نعرۂ تکبیر ......اللہ اکبر! اللہ اکبر! کہتے ہیں، نعرے لگاتے لگاتے گلا بیٹھ جاتا ہے مگر اس سے جوں بھی نہیں گرتی، کیوں؟ اندر ایمان کا پاور نہیں ہے۔ روح ہونا چاہئے، خالی بندوق ہو، خالی رائفل ہو، اور اس سے کوئی فائر کرے تو صرف شرشر کی آواز آئیگی، لیکن اس سے کوئی مرے گا نہیں؛ چڑیا بھی نہیں مرے گی اس لئے کہ اندر کچھ نہیں ہے۔ اور اگر اندر بھرا ہو تو پھر دیکھئے لاشوں کے ڈھیر لگ جائیں گے۔

گرجا گر گیا:

محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک عیسائی آیا، اس نے کہا: حضرت! کیا بات ہے تمہاری مسجدیں ٹوٹی پھوٹی ہوتی ہیں، ہمارے گرجا دیکھو کتنے شاندار ہیں۔ انہوں نے کہا بات اصل یہ ہے کہ ہماری مسجدوں میں قرآن پڑھا جاتا ہے اور قرآن پاک کا پاور بہت بڑا ہے۔

لَوْ اَنزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر:۲۱)

[اگر اس قرآن کو ہم پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ پہاڑ بھی اللہ کے خوف سے لرز جاتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا]

اور تمہارے گرجا میں قرآن نہیں پڑھا جاتا ہے۔ یہ آیت جب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے گرجا کے پاس پڑھی تو اس کا گرجا دھڑام سے گر گیا۔

اذان کا ادب واحترام:

تو میں ذکر کر رہا تھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کیا تھی؟ آج اذان کی عظمت ہمارے دلوں سے نکل گئی ہے۔ پہلے جب اذان ہوتی تھی، چالو کورٹ بند ہو جاتی تھی، ماں اگر بچہ کو کھانا دیتی ہوتی تو اس کا ہاتھ یوں ہی رہ جاتا تھا۔ اور آج اذان ہوتی ہے تو ہماری باتیں، بیڑی سگریٹ بھی بند نہیں ہوتیں۔ اذان کا ادب، اذان کا احترام ہمارے دلوں سے نکل گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نام اور کلام اور اذان کا ادب واحترام کرنے والا بنا دیوے۔

اذان کا جواب دینے کی فضیلت:

اذان کا ہمیں بہت احترام کرنا ضروری ہے۔ جب اذان ہو تو ہمیں چاہئے کہ بالکل خاموش ہو جائیں۔ ادب واحترام سے سنیں اور اذان کا جواب دیں۔ مسلم شریف میں ہے:

اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول

[جب تم مؤذن سے اذان سنو تو مؤذن جو الفاظ کہتا ہے وہی الفاظ تم بھی کہہ کر اذان کا جواب دو]

ثم صلوا علی فانه من صلی علی صلوٰۃ صلی اللّٰہ علیه بها عشرا

[پھر اس کے بعد مجھ پر درود پڑھو اس لئے کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا

ہے اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل کرتا ہے۔]

ثم سلوا اللّٰہ لی الوسیلة فانها منزلة فی الجنة لا ینبغی الا لعبد من عباداللّٰه وارجو ان اکون انا هو فمن سأل لی الوسیلة حلت علیه الشفاعة.
(مشکوٰۃ شریف:۱/۶۵)

[درود پڑھنے کے بعد میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کی دعا کرو] یعنی اذان کے بعد کی دعا پڑھو؛ اس دعا کو دعائے وسیلہ بھی کہتے ہیں، الحمد اللہ ہم میں سے ہر ایک کو یہ دعا یاد ہے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَ الصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَ الْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَاماً مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ.

ارشاد فرمایا[کہ وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے۔ وہ درجہ اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے لئے مناسب ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

فمن سأل لی الوسیلة حلت علیه الشفاعة.

جو شخص اذان کے بعد درود پڑھ کر یہ دعا پڑھے گا جس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست بھی کرتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ عطا فرما تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔]

اللہ اکبر! اذان کا احترام اور ادب سے جواب دینے اور اس کے بعد دعا پڑھنے کی کتنی بڑی فضیلت ہے۔

وسیلہ کیا ہے اور یہ درجہ کیسا ہے؟ تو علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

الوسیلة اقرب منازل الجنة الی العرش و اعلاها و اشرفها و یدل علیه ما رواه احمد عن ابی سعید الخدری مرفوعاً الوسیلة درجة عند الله لیس فوقها درجة فاسئلوا اللّٰه ان یؤتینی الوسیلة.
(طحطاوی علی مراقی الفلاح:۱۱۱،قبیل باب شروط الصلوٰۃ)

[مقام وسیلہ جنت کا ایک ایسا درجہ ہے جو عرش سے سب سے زیادہ قریب ہے۔اور جنت کا سب سے اعلیٰ اور سب سے اشرف درجہ ہے؛ اور ایک حدیث میں ہے جس کو امام احمد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وسیلہ اللہ کے یہاں ایک ایسا درجہ ہے کہ اس کے اوپر اور کوئی درجہ نہیں ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے سوال کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے وہ درجہ عطا فرمائے۔]

حسن خاتمہ کی بشارت:

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ نے حسن خاتمہ کے لئے سات نسخے ایک مضمون میں بیان فرمائے ہیں۔اس میں نسخہ نمبر ۶ یہ تحریر فرمایا ہے کہ ”اذان کے بعد کی دعا پڑھنے کا اہتمام کرتا رہے۔اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک ”حلت علیه الشفاعة “ کے متعلق ملا علی قاریؒ نے تحریر فرمایا ہے:

ففیه اشارة الی بشارة حسن الخاتمة

اس میں حسن خاتمہ نصیب ہونے کی بشارت ہے کہ اس دعا کو اہتمام سے پڑھنے والے کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا فر کو

نہیں مل سکتی۔“

(مواعظ دردِ محبت: ۲۹)

اذان کے وقت دعا قبول ہوتی ہے:

ابوداؤد شریف میں حدیث ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثنتان لا تردان او قل ما تردان الدعاء عند النداء و عند الباس حين يلحم بعضهم بعضاً.

(ابوداؤد: ص ۳۴۴، کتاب الجہاد، باب الدعا عند اللقاء)

[دو دعائیں رد نہیں کی جاتیں یا بہت کم رد کی جاتی ہیں، یعنی ہمیشہ قبول ہوتی ہیں یا اکثر قبول ہوتی ہیں۔ ا......اذان کے وقت اور ۲......دوسرے جہاد میں گھمسان لڑائی کے وقت۔

اذان کے وقت باتیں کرنے کا وبال:

اس لئے بڑے شوق سے اذان کا جواب دینے اور اذان کے بعد دعا کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اس کے برعکس اگر اذان سن کر بھی دنیوی باتوں میں مشغول رہے تو یہ بڑا خطرناک ہے۔ فتاویٰ رحیمیہ میں ہمارے حضرت اقدس مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ اذان کے وقت باتیں کرنے پر حدیث اور فقہ میں سخت وعیدیں آئی ہیں؛ اس لئے اس سے احتراز ضروری ہے۔ اس کی عادت کرلینا ضعفِ ایمان کی دلیل ہے۔

رسم المفتی والسائل میں ہے:

و يكره الكلام و الذهاب عند الاذان كذا فى خزانة الروايات

اجمعوا علی ان یترک الکلام الدنیوی و روی عن النبی ﷺ من تکلم عند الاذان خیف علیه زوال الایمان انتهی. قلت هذا لم یثبت بسندٍ صحیح یحتج به.

[یعنی فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ اذان کے وقت دنیوی باتیں چھوڑ دی جائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اذان کے وقت جو شخص بات چیت کرے تو اس کے زوالِ ایمان کا خوف ہے۔ یہ حدیث سند کے اعتبار سے قابل احتجاج نہیں ہے مگر فضائل اعمال میں چل سکتی ہے اس لئے باتوں سے بچنا ہی بہتر ہے۔]
(فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۱۴۴)

محترم سامعین میں ذکر کر رہا تھا کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان میں عجیب و غریب روح اور جاذبیت تھی۔

جدائیگی ناقابل برداشت ہوگئی:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب "اشهد ان محمداً رسول الله" پر پہنچتے تو آپ کی چیخیں بلند ہو جاتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جب آپؓ "اشهد ان محمداً رسول الله" کہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ فرماتے۔ اب تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں آرام فرما رہے ہیں، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ اس لئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ملک شام چلے جانے کا ارادہ کیا۔ صحابہ نے ان کو روکا کہ آپ مدینہ چھوڑ کر شام نہ جائیں تو کہنے لگے مدینہ منورہ میں اب مجھ سے رہا نہ جائے گا۔ لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ بلال رضی اللہ عنہ کو سمجھائیں، آپ امیر المؤمنین ہیں، آپ کی بات حضرت بلال رضی اللہ عنہ مان لیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور آپ کو سمجھایا کہ اے بلال! آپ مدینہ منورہ کیوں چھوڑ رہے ہیں، آپ کے بغیر ہم کیسے رہ سکیں گے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے امیر المؤمنین آپ نے مجھے آزاد کیا اللہ کے لئے یا اپنے لئے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور فرمایا کہ میں نے تو اللہ کے لئے آزاد کیا تھا، آپ کو جہاں جانا منظور ہو تشریف لے جاسکتے ہو، میں اس کی وجہ سے آپ کو کچھ بھی نہیں کہتا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا عذر پیش فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائیگی برداشت نہیں ہوتی اس لئے یہاں میرے لئے قیام بہت ناقابل برداشت ہے۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ملک شام تشریف لے گئے اور ایک مدت تک نہیں آئے۔

مدینہ منورہ میں کہرام مچ گیا:

یہاں تک کہ ایک زمانہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بلال! کیا ہوا ہماری زیارت کے لئے نہیں آتے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ خواب دیکھا تو مدینہ منورہ کا ارادہ فرمالیا۔ رختِ سفر باندھا، مدینہ منورہ پہنچے۔ نماز کے وقت لوگوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ اذان پڑھو مگر آپ نے ان کی درخواست منظور نہیں فرمائی اور بات وہی تھی کہ اذان دینا شروع کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی یاد تازہ ہوجائے گی اور اذان پوری نہ کرسکوں گا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں نے فرمائش کی،

لاڈلوں کی فرمائش تھی جسے ٹالا نہیں جاسکتا تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان کی فرمائش قبول فرمائی اوراذان دینا شروع کیا۔ اذان دینا تھا کہ مدینہ منورہ میں کہرام مچ گیا، لوگوں کی چیخیں بلند ہوگئیں۔ عورتیں بھی روتی ہوئی اپنے گھروں سے باہر نکل آئیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد نے لوگوں کو تڑپا دیا۔ چند روز مدینہ منورہ میں قیام فرما کر پھر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں انتقال ہوا، وہیں مدفون ہوگئے، رضی اللّٰہ عنه و ارضاه.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر جرح ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے خود جواب دیا:

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ نے آپ کو مال خرچ کرنے پر ٹوکا۔ اگرچہ باپ بیٹے کو بول سکتا ہے مگر اللہ نے جواب دیا:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى. الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهُ يَتَزَكّٰى. وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى.

[اوراس سے (جہنم) سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے۔ جو اپنا مال خرچ کرتا ہے تاکہ خود پاکیزہ اور متقی ہوجاوے، اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ اس دینے سے اس کا بدلہ اتارنا مقصود ہو۔] آسمان سے جواب آگیا کہ ابوبکر کو دنیا کا نام نہیں چاہئے۔ کہ ان کا مقصود تو صرف اور صرف اپنے رب کی رضا ہے۔

اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى. وَلَسَوْفَ يَرْضٰى.

(اللیل: ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱)

[یہ تو اپنے نام کے لئے نہیں بلکہ اپنے رب کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔ یہی

اس کا مقصود ہے اور یہ شخص عنقریب خوش ہو جائے گا آخرت میں ۔]

حضرت عائشہ ؓ پر جرح ہوئی تب بھی اللہ تعالیٰ نے خود جواب دیا:

صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت سے غزوات کیے، ایک غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ واپسی میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، وہاں پانی کا نام ونشان نہ تھا۔ وہاں سے دوسری جگہ کوچ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میرا ہار گم ہو گیا ہے۔ ہار کی تلاش ہونے لگی لیکن ہار نہیں ملا، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ، ہار مل جائے تب سفر کرو۔ صحابہؓ ہار تلاش کر رہے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ میں حضرت عائشہ ؓ کی ران مبارک پر سر رکھے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ اور وہ جگہ جہاں صحابہ کا پڑاؤ تھا ایسی تھی کہ وہاں پانی نہیں تھا، اب سب کہہ رہے ہیں کہ پانی نہیں ہے، وضو بھی کرنا ہے، کہیں نماز ہی قضا نہ ہو جائے۔ صحابہ کرام ؓ گھبرائے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے کہ عائشہ نے مسلمانوں کو کس مصیبتوں میں ڈال دیا؟ یہ سب تمہاری بیٹی عائشہ کی وجہ سے ہوا ہے، عائشہ ہار نہ گماتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ کہتے کہ یہاں ٹھہر جاؤ۔ کسی بھی صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ کو برا بھلا نہیں کہا بلکہ ابوبکرؓ سے کہا ہے، ابوبکر ؓ تو ان کے والد تھے، باپ اپنی بیٹی کو کہہ سکتا ہے۔ چنانچہ جب یہ باتیں ابوبکرؓ نے سنی تو حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور حضرت عائشہؓ کے کوکھ میں اور ان کے پہلو میں کئی کونچے مارے اور فرمایا کہ تو نے ہی سب کو رکوایا ہے، تیری وجہ سے آج سب لیٹ ہوئے، پانی اور وضو کا مسئلہ کھڑا ہوا، ہار گم نہ ہوتا تو یہاں سے سب آگے بڑھ جاتے۔ بیٹی

سے کہا ہر روز تم نئی مصیبت سب کے سر لاتی ہو۔

حضرت عائشہؓ ضبط کر کے بیٹھی رہیں اس لئے کہ اگر ہلتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام میں خلل ہوتا اس لئے بہت ہی ضبط سے کام لیا۔

(مسند احمد ابن حنبل: ۶/ ۲۷۲)

اور اپنے والد محترم کی ڈانٹ سنتی رہیں۔ اب بتاؤ یہ کوئی اعتراض ہے؟ باپ اپنی بیٹی کو ایسے موقع پر کہہ سکتا ہے لیکن حضرت عائشہؓ واسطہ ہیں۔

یہ آل ابوبکرؓ کی پہلی برکت نہیں ہے؛ تیمّم کا حکم:

دو ہزار دو سو دس حدیثیں آپؓ سے مروی ہیں۔ جب ان پر جرح ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا اور فرمایا کہ جاؤ اور ہمارے نبی کو ہمارا پیغام سنا دو کہ آج سے قیامت تک کے لئے ہم نے حکم ہی بدل دیا کہ اگر پانی نہ ملے تو تیمّم کر لو اور یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَاءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ. (النساء: ۴۳)

[اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیویوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمّم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔]

لہذا کوئی شخص اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو اور پانی ایک میل تک میں نہ ہو تو تیمّم کر لو۔ اے جبرئیل جاؤ اور حضور کو کہہ دو ہم نے حکم ہی بدل دیا، کوئی عائشہ کو برا بھلا نہ کہے،

پانی نہ ملے تو تیمّم کرلو۔ جب یہ حکم آ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ تیمّم کرلو۔ ابھی مجاہدین کا پر جوش گروہ جو اس مصیبت میں تلملا رہا تھا؛ اب اس ابر رحمت کو دیکھ کر مسرت سے لبریز ہوگیا۔ اسلام کے فرزند اپنی ماں کو دعائیں دینے لگے۔ حضرت اسید بن حضیرؓ ایک اونچے درجہ کے صحابی تھے، جوش مسرت میں بول اٹھے اے صدیق کے گھر والو! اسلام میں یہ تمہاری کوئی پہلی برکت نہیں ہے۔

یہ تمام واقعات بڑی تفصیل سے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کے کتاب التیمم میں بیان فرمائے ہیں اور اس آیت کے نزول کے بعد صدیق اکبرؓ جو ابھی لخت جگر کی تادیب کے لئے بے قرار تھے؛ فخر کے ساتھ صاحبزادی کو خطاب کر کے فرمایا: جانِ پدر مجھے معلوم نہ تھا کہ تو اس قدر مبارک ہے، تیرے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو کتنی آسانی بخشی۔

(مسند احمد ابن حنبل: ۶/۲۷۳)

بلکہ ان کی وجہ سے تو پہلے بھی بہت سی آسانیاں ہوئی ہیں۔

تو دو واسطے ہیں۔ ۱......ایک واسطہ اللہ تعالیٰ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک اور ۲......دوسرا واسطہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر قیامت تک آنے والے انسانوں تک ہے۔ تو ان دو واسطوں میں سے جس پر جب بھی جرح ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے خود جواب دیا اور اس سلسلہ کے کئی واقعات ہیں۔

غرباء وضعفاء عام طور پر پہلے ایمان لاتے ہیں:

ایک اور واقعہ آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں اولین صحابہ میں اکثر غرباء ومساکین تھے۔ غلام اور کمزور اور

غریب و مسکین قسم کے حضرات آپ پر پہلے ایمان لائے۔اور یہ بھی عجیب اللہ کا دستور رہا ہے کہ ہر نبی کے حامی اور مددگار اوران پر سب سے پہلے ایمان لانے والے اکثر و بیشتر غریب، ضعیف اور کمزور لوگ تھے۔حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دی تو قوم نے کہا ہم آپ پر کیسے ایمان لائیں؟ حالانکہ آپ پر ایمان لانے والے قوم کے ذلیل لوگ ہیں۔اگر ایمان لانے والے رئیس مالدار لوگ ہوتے تو ہم کچھ سوچتے۔یہ عام طور پر قوم کا نظریہ ہوتا ہے، ان کی نظر میں وہ معزز ہوتا ہے جس کے پاس مال و دولت اور دنیا کے عہدے ہوں۔حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا :

قَالَ وَمَا عِلۡمِیۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ. (الشعراء: ۱۱۱،۱۱۲)

یہ پیغمبرانہ جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ شریف لوگ کون ہیں اور ذلیل ورذیل کون ہیں؟ میں اس کا فیصلہ کیوں کروں؟ یہ تو قیامت میں پتہ چلے گا۔

رؤساء مکہ کا مطالبہ:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اولین ایمان لانے والے اکثر و بیشتر ضعفاء اور کمزور لوگ تھے اور وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں طالب بن کر حاضر رہتے تھے۔ایک مرتبہ بعض کفار قریش اور رؤساء مکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ہم آپ کے پاس بیٹھنا چاہتے ہیں مگر آپ کے پاس جو غرباء اور مساکین بیٹھے رہتے ہیں ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے ہمیں شرم آتی ہے، ان کے پسینہ کی بو ہمارے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے، ہم اس بو سے پریشان ہوجاتے ہیں۔لہٰذا ہم جس وقت آپ کے پاس آیا کریں اتنی دیر کے لئے آپ ان کو اپنی مجلس سے ہٹا دیا کریں۔اس وقت

وہ غرباء کون تھے؟ حضرت بلالؓ، حضرت عمارؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت خبابؓ، وغیرہ۔

حضرت عمرؓ کا مقام:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ جن کے بارے میں ہے:

و کان رایه موافقاً بالوحی و الکتاب

آپ کی رائے کے مطابق وحی نازل ہوتی تھی اور قرآنی فیصلہ ہوتا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سترہ مقامات بیان فرمائے ہیں جن میں حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق قرآنی آیت نازل ہوئی ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ حضرات صحابہؓ مخلصین ہیں، ہر وقت آپ کی مجلس میں حاضر رہنے کا شرف ان کو حاصل ہے، اگر تھوڑی دیر کے لئے آپ کے پاس سے ان کے ہٹ جانے سے ان رؤساء عرب کو ایمان کی توفیق ہو جاتی ہو تو اچھی بات ہے ان کا بھلا ہو جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ ان فقراء صحابہ کو کہہ دو کہ جب رؤساء مشرکین آئیں تو وہ مجلس سے اٹھ جائیں اور ان کو موقع دے دیا کریں۔ ابھی یہ بات ہوئی ہی تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آ گئے۔ وہی بات واسطہ پر اعتراض تھا، اس واسطہ کو رؤساء مکہ نے ہٹانا چاہا تو اللہ پاک نے وحی بھیج دی۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

[اور آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالئے جو صبح وشام اپنے پروردگار کی

عبادت کرتے ہیں، جس سے ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے] بس یہی ان کا مقصد ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی غرض مال یا جاہ کی نہیں ہے، محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کا اور کوئی مقصود نہیں، اسی کو اخلاص کہتے ہیں۔ لہذا یہ وہ مبارک حضرات ہیں کہ ان کے اندر عبادت کے ساتھ ساتھ صفت اخلاص بھی ہے۔

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. (الانعام: ۵۲)

[ان کا حساب ذرا بھی آپ کے اوپر نہیں ہے، اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں ہے، کہ آپ ان کو نکال دیں اور آپ نامناسب کام کرنے والوں میں ہو جائیں گے۔]

اور سورۂ کہف میں ارشاد فرمایا:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

[آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھئے جو صبح و شام یعنی علی الدوام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں محض اس کی رضا جوئی کے لئے۔ اور دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان کی طرف سے ہٹنے نہ پائے۔

یعنی آپ یہ خیال نہ فرماویں کہ رؤساء اور کفار قریش مسلمان ہو جائیں گے تو اسلام میں زیادہ جمال اور کمال ہوگا اور دین کو خوب ترقی ہوگی اس لئے کہ اس ظاہری سامان سے اسلام کا جمال و کمال نہیں بلکہ اسلام کا کمال اور ترقی اور رونق عبادت اور

اخلاصِ کاملہ میں ہے۔ چاہے یہ حضرات بھلے غرباء اور فقراء ہی ہوں، بس آپ ان غرباء اور فقراء کی طرف سے اپنی آنکھیں نہ ہٹایئے، انہیں غرباء سے اسلام کی زینت ہے، یہ مخلصین کی جماعت ہے، یہ اولیاء اللہ ہیں، یہ لوگ مقربان بارگاہ الٰہی ہیں، ان کی دلجوئی خود اللہ کو منظور ہے۔ صحابہؓ کا کیسا ایمان تھا اور ان کے ہر ہر عمل میں کس قدر اخلاص تھا کہ ان کی اطاعت وعبادت اور اخلاص کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائی ہیں۔ اس سے ان کو کس قدر مسرت ہوئی ہوگی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا.

(الکہف:۲۸)

[اور آپ اس شخص کا کہنا مت مانئے جس کے قلب کو ہم نے (اس کی سرکشی اور ضد کے سبب) اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ تو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے، اور اس کا یہ حال حد سے گزر گیا ہے۔]

بہرحال یہ آیت نازل ہوگئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان مخلصین کی جماعت کو ان کافر ومشرک سرداروں کے کہنے کی وجہ سے علیحدہ نہ کیجئے۔

حضرت عمرؓ کی تسلی:

حضرت عمرؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتیں سنائیں تو حضرت عمرؓ زاروقطار رونے لگے اور خوف کرنے لگے کہ کہیں مجھ پر عذاب الٰہی نہ آجائے۔ حضرت عمرؓ بھی اپنے مشورہ میں مخلص تھے، آپ تو ان کے ایمان کی خواہش کرتے تھے۔ تو حضرت عمرؓ کی تسلی کے لئے آیت قرآن نازل ہوگئی۔ اللہ اکبر! کیا اخلاص تھا ان حضرات کا تو حضرت

عمرؓ کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاِذَا جَاءَ کَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ اَنَّہٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْءً ا بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِہٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (سورۂ انعام: ۵۴)

[اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آویں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ یوں کہہ دیجئے کہ ﴿سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ﴾ یعنی تم پر سلامتی ہو، تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے اوپر مقرر کرلیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جو شخص تم میں سے کوئی برا کام کر بیٹھے جہالت سے اور نہ واقفیت سے پھر اس کے بعد وہ توبہ کرے اور آئندہ کو اپنے عمل کی اصلاح رکھے تو اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ بڑی مغفرت کرنے والے ہیں اور بڑی رحمت والے ہیں۔]

حضرت عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو مؤمنین مخلصین ہیں ان کی تعلیم اور ان کی دل جوئی مقدم ہے اور ان کفار کی اس کے پیچھے ایک چال تھی کہ جتنی دیر ہم بیٹھیں گے اتنی دیر تک یہ لوگ فیض نبوت اور دین سے محروم رہیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک اس آیت کے نزول کے بعد:

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تلاش کرنے کے لئے نکلے، دیکھا کہ مسجد کے ایک کونے میں عبادت اور ذکر اللہ میں مشغول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا:

الحمد لله الذی لم یمتنی حتی امرنی ان اصبر نفسی مع رجال من

امتی معکم الحیٰوۃ و الممات.

(روح المعانی، تفسیر ابن کثیر:۳/۸۵)

[اللہ کا شکر ہے کہ جس نے مجھ کو وفات نہیں دی یہاں تک کہ مجھ کو حکم فرمایا کہ میں اپنے نفس کو اپنے امتیوں میں سے ان فقراء کے ساتھ روکے رکھوں، اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے میری امت میں ایسے افراد پیدا فرمائے جن کے ساتھ مجھے یعنی نبی کو بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ اے لوگوں تمہارے ہی ساتھ میرا جینا ہے اور تمہارے ہی ساتھ میرا مرنا ہے۔]

اور اس آیت کے نزول کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا معمول یہ بنالیا تھا کہ مجلس کے ختم ہونے پر جب یہ حضرات صحابہؓ پہلے چلے جاتے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے اور پہلے سے زیادہ آپ ان پر توجہ فرمانے لگے۔

میرے مخلص دوستو! آپ حضرات نے اس پر غور فرمایا، وہی بات جو احقر کہتا چلا آیا کہ واسطہ پر ذرہ برابر جرح یا ان کی تنقیص اللہ تعالیٰ کو گوارا نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود اس کا جواب عنایت فرماتے ہیں اور ان کے مقام کو آشکارا فرماتے ہیں۔ یہ کس قدر بلند صحابہ کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمارہے ہیں کہ آپ ان کے پاس بیٹھیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ان سے ہٹنے نہ پائے، یہ صحابہؓ ہمارے محبوب ہیں، یہ ہمارے مقبول بندے ہیں، ان کا ہمارے یہاں ایک بلند مقام ہے۔ سبحان اللہ! اس سے ان حضرات صحابہؓ کے مقامِ ارفع کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایمان قبول کرو نہ کرو، ہمارا کوئی نفع نقصان نہیں:

اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ان مخلصین کا لحاظ کرتے ہوئے

اپنے کلام پاک میں صاف صاف ارشاد فرمایا کہ غرباء کی جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہرگز ہٹائی نہیں جاسکتی چاہے تم مجلس میں حاضر ہو یا نہ ہو اور چاہے تم اسلام قبول کرو یا نہ کرو۔ چنانچہ آگے ارشاد فرمایا:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ

آپ ان رؤساء کفار سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ یہ دین حق تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے۔ سو جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کافر رہے، اس میں ہمارا کوئی نفع یا نقصان نہیں؛ بلکہ ایمان نہ لانے سے خود اپنا ہی ضرر اور نقصان ہے اور ایمان لانے سے اپنا ہی نفع ہے۔ پس اگر کافر رہو گے تو اس کی سزا سن لو۔

کافر کی سزا:

اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَ تْ مُرْتَفَقًا.

(الکہف:۲۹)

بے شک ہم نے ایسے ظالموں کے لئے دوزخ کی ایسی آگ تیار کر رکھی ہے کہ اس آگ کی قناتیں ان کو گھیرے ہوں گی اور اگر پیاس کی وجہ سے فریاد رسی کریں گے اور پانی طلب کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد دور کی جاوے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا اور اس قدر تیز گرم ہوگا کہ پاس لاتے ہی ان کے چہروں کو بھون ڈالے گا (حتی کہ چہرے کی کھال اتر کر گر پڑے گی۔) اللہ پاک اپنے فضل سے حفاظت فرمائے اور جہنم کے عذاب اور جہنم کی آگ سے نجات عطا فرمائے؛ آمین۔ ﴿بِئْسَ الشَّرَابُ﴾ [کیسا ہی برا پانی ہوگا۔] ﴿وَسَاءَ تْ مُرْتَفَقًا﴾ [اور دوزخ بھی کیا ہی بری جگہ ہوگی۔]

ایمان واعمال صالحہ کا صلہ:

یہاں تک تو اہل دوزخ کا کچھ تذکرہ تھا اس کے بعد اہل جنت کا ذکر فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلاً.

[بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ہم ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کریں گے جو اچھی طرح کام کریں۔]

اُولٰٓئِکَ لَھُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھِمُ الْاَنْھٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْھَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَھَبٍ وَّیَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّکِئِیْنَ فِیْھَا عَلَی الْاَرَائِکِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقاً. (الکھف: ۳۱)

[یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے لئے ہمیشہ رہنے کے لئے باغ ہیں، ان کے مساکن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ لوگ سبز رنگ کے کپڑے باریک اور دبیز ریشم کے پہنیں گے اور وہاں مسہریوں پر تکئے لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ کیا ہی اچھا صلہ ہے اور جنت کیا ہی اچھی جگہ ہے جو اہل ایمان اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو ملے گی۔]

سبحان اللہ! پورا نقشہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کا کھینچ دیا اور اغنیاء اور فقراء کے حالات کو کھول کر رکھ دیا اور فقراء مؤمنین کی سعادت اور اغنیاء کافرین کی شقاوت کا مظاہرہ کرا دیا۔ جنت کا ذکر الگ فرمایا اور دوزخ کا ذکر الگ فرمایا، جنتیوں کے صفات بھی بیان فرمائے اور دوزخیوں کے حالات بھی اور یہاں خصوصیت سے اہل جنت کے کپڑوں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ اغنیاء کفار نے غرباء صحابہ کے بارے میں یہی کہا تھا کہ ان کے

کپڑوں سے پسینہ کی بدبو آتی ہے۔اللہ تعالیٰ کو یہ بات نہایت ناپسند ہوئی اور خاص طور پر ان کے کپڑوں کا تذکرہ فرمایا کہ اصل ٹھکانہ ان کا آخرت ہے اور جنت میں وہ اس چین اور سکون سے رہیں گے اور وہاں ان کے کپڑے اتنے اعلیٰ درجہ کے ہوں گے، ان کے مساکن بھی عمدہ ہوں گے اور مطاعم اور ملابس بھی نفیس اور خوب تر ہوں گے۔اللہ پاک اپنے فضل سے ہم سب کو بھی جنت اور اس کی دائمی نعمتیں عطا فرمائے، آمین۔

صحابہ کا امتحان:

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ ہم نے خود ان کا امتحان لے لیا ہے۔کبھی بدر میں، کبھی احد میں، کبھی خندق میں تو کبھی حنین میں۔پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو سرٹیفیکٹ عنایت فرمایا۔کیا فرمایا؟

اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی (الحجرات: ۳)

[یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے]

اور کہیں ارشاد فرمایا:

وَاَلْزَمَھُمْ کَلِمَۃَ التَّقْوٰی (الفتح: ۲۶)

[ہم نے کلمۂ تقوٰی ان کے لئے لازم کر دیا۔] اور لازم اس کو کہتے ہیں جو کبھی جدا نہ ہو؛ جیسے برف کے لئے ٹھنڈک لازم ہے، آگ کے لئے گرمی لازم ہے۔اسی طرح صحابہؓ کے لئے تقویٰ لازم ہے۔یہ بہت بڑی بات ہے کہ اللہ پاک خود فرماوے کے تقویٰ صحابہؓ کے لئے لازم ہے۔اندازہ لگائیے کے صحابہ کے تقویٰ کی کیا شان ہوگی۔

صحابہ کے بارے میں سرٹیفیکٹ:

اور صحابہ کے ایمان اور ان کے مقام کو ظاہر کرنے کے لئے ایک آیت نہیں، کئی

آیتوں میں ان کی تعریف بیان فرمائی۔ چنانچہ ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا ﴿اُولٰـئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ [(بس) سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں] ان کے ایمان کی حقانیت کی خود اللہ تعالیٰ گواہی دے رہے ہیں۔

لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ. (الانفال: ۴)

[ان کے رب کے یہاں ان کے لئے بڑے بڑے درجات ہیں، مغفرت ہے اور عمدہ رزق ہے] کہیں قرآن کہتا ہے: ﴿اُولٰـئِکَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾ کہیں ارشاد فرمایا: ﴿اُولٰـئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں، یہی لوگ کامیاب ہیں۔] اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْن. (الحجرات: ۷)

اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ نے ایمان کو ان کے لئے مزین کردیا۔ ان کے قلوب میں ایمان کو راسخ کردیا۔ اب ایمان ان کے لئے بے حد محبوب ہے۔

وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَان

[اور کفر، فسق اور عصیان کو ان کے لئے ناپسند کردیا]

اُولٰئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْن.

[یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔]

صحابہ کی خوش نصیبی:

ہمارے استاذ فرمایا کرتے تھے: کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کیا کہنا!! بڑے خوش نصیب ہیں، ان کو مدرسہ ملا وہ بیت اللہ جس کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، جن کے معاون اسماعیل ذبیح اللہ ہیں اوران کو جو استاذ ملے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب ملی کتاب اللہ، قرآن مجید جو تمام کتابوں کی سردار ہے اور صحابہ کی جماعت وہ جماعت ہے جس کے بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اُولٰئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ

[یہ تو حزب اللہ ہیں، اللہ کا گروہ ہے، اللہ کی جماعت ہے۔]

اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْن. (المجادلۃ: ۲۲)

[اور اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہے۔] اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں صحابہ کی محبت، عظمت پیدا فرمائے اور ہمیں صحابہ کے زمرہ میں شامل فرمائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہمارا حشر فرمائے، ایمان پر ہم کو خاتمہ نصیب فرمائے، آمین۔ حضرات صحابہؓ کے فضائل ومناقب بہت ہیں۔ یہ بہت مقدس اور منتخب جماعت تھی اوران کے عجیب وغریب مناقب ہیں۔

صحابہ کرامؓ کو صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ملا؟

بزرگان محترم اور مخلص دوستو! نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم امانت ودیانت، سچائی وایمان داری، رحم وکرم، عفو ودرگزر اور خلق خدا کے ساتھ حسن سلوک جیسی بے شمار اور لاتعداد خوبیوں اور کمالات سے متصف تھے۔ جن سے متاثر ہوکر عرب کے مختلف قبائل

جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے، اور مقام صحابیت پر فائز ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تعلیمات سے اپنے قلوب کو روشن کرنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایک طرف نبی برحق ہیں تو دوسری طرف صحابہ کرامؓ کے لئے روحانی باپ بھی ہیں اور صرف اسی پر اکتفا نہیں بلکہ مشفق استاذ، مربی حقیقی اور مرشد کامل کا مقام بھی آپ کو حاصل ہے۔ جس کی بنا پر ایمان کے ساتھ چند ساعتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت میں گزارنے والے کی دل کی دنیا ہی بدل جایا کرتی تھی؛ اب ان قلوب میں شرک کی جگہ توحیدِ خالص، بزدلی کی جگہ بہادری، جھوٹ کی جگہ سچائی، بے ایمانی کی جگہ ایمان داری، حُبِّ دنیا کی جگہ فکر آخرت، فحاشی کی جگہ غیرت وحمیت اور بداخلاقی کی جگہ حسن اخلاق کے جذبات پروان چڑھنے لگے۔ اور جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے باہر نکلتے تو دنیا کے مقتدا اور نمونہ ہوتے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین تربیت کا بے مثال اثر تھا جو ہر صحابی کے اندر بدرجہ اتم موجود تھا جس کی وجہ سے عدالت وثقاہت اور فضیلت و مرتبہ میں بعد میں آنے والا بڑے سے بڑا ولی، غوث، قطب وابدال بھی ان کی ہمسری نہیں کرسکتا۔

جماعت صحابہ کے لئے اللہ کی طرف سے رضامندی کا اعلان:

چنانچہ پوری جماعتِ صحابۂ کرامؓ کے متعلق ایک جگہ ارشاد فرمایا:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (التوبة: ۱۰۰)

[اور جو مہاجرین وانصار ایمان لانے والوں میں سب سے مقدم ہیں اور جتنے لوگوں نے اخلاص کے ساتھ ان کا اتباع کیا اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ

سب اللہ سے راضی ہوئے۔]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کے دو طبقے بیان فرمائے ہیں۔ایک سابقین اولین کا ،دوسرے بعد میں ایمان لانے والوں کا اور دونوں طبقوں کے متعلق اعلان فرمایا:

رَّضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ

[اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے]

علامہ ابن عبدالبرؒ نے فرمایا ہے:

و من رضی اللّٰہ عنھم لم یسخط علیہ ابداً ان شاء اللّٰہ تعالیٰ

یعنی اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہوجاتے ہیں اس سے پھر کبھی ناراض نہیں ہوتے ہیں۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل کو اگلی پچھلی سب چیزوں کا علم ہے۔لہٰذا وہ اسی شخص سے راضی ہوتے ہیں جو آئندہ زمانہ میں بھی رضاء الٰہی کے خلاف کام کرنے والا نہیں ہے۔لہٰذا کسی کے واسطے رضاء الٰہی کا اعلان اس بات کی ضمانت ہے کہ اس کا خاتمہ اور اس کا انجام بھی حالت صالحہ پر ہوگا؛ اور اس سے آئندہ بھی رضاء الٰہی کے خلاف کوئی کام سرزد نہ ہوگا۔بقول حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ ______:

غلامان سرکار یاد آرہے ہیں
وہ اعوان و انصار یاد آرہے ہیں
خدا ان سے راضی وہ راضی خدا سے
محبت کے بیمار یاد آرہے ہیں
وہ صدیقؓ و فاروقؓ و عثمانؓ حیدرؓ

وہ ابرار و اخیار یاد آرہے ہیں

ورضوان من اللہ اکبر:

صحابہ کے متعلق یہ بشارت اور اللہ پاک کا یہ اعلان بہت بڑا اعلان ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو ان کی زندگی ہی میں رضاء الٰہی کا فرمان سنا دیا تھا؛ اور دوسرے مؤمنین کے متعلق یہ اعلان جنت میں جانے کے بعد ہوگا۔ چنانچہ ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائیں گے: اے جنت والو! وہ عرض کریں گے

لبیک ربنا و سعدیک و الخیر کله فی یدیک

[اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں اور تعمیل ارشاد کے لئے موجود ہیں اور سب خیر اور بھلائی آپ ہی کے قبضہ وقدرت میں ہے۔] اس کے بعد اللہ جل شانہ دریافت فرمائیں گے کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے اے پروردگار! جب کہ آپ نے ایسی ایسی نعمتیں دی ہیں جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دی تو ہم کیوں نہ راضی ہوں؟ اللہ جل شانہ ارشاد فرمائیں گے کیا تم کو اس سے بھی افضل نعمت دے دوں؟ وہ عرض کریں گے یا اللہ! ان نعمتوں سے افضل اور کیا ہوگا؟ اس کے جواب میں اللہ جل جلالہ فرمائیں گے: خوب سمجھ لو میں ہمیشہ کے لئے اپنی رضامندی تم کو عطا کرتا ہوں؛ پس آج کے بعد اب کبھی تم سے ناراض نہ ہوؤں گا۔

(بخاری ومسلم شریف، مشکوٰۃ:۲/۴۹۶)

غور فرمایئے جنت میں جو کچھ نعمتیں ہوں گی ان تمام سے بڑھ کر یہ نعمت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوں گے اور ہمیشہ کے لئے اپنی رضامندی کا اعلان فرمائیں

گے۔اس اعلان سے اہل جنت کو جو خوشی ہوگی اس عالم فانی میں اس کی مثال نہیں دی جاسکتی ہے۔قرآن مجید میں ہے:

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (التوبة: ۷۲)

[اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑھ کر ہے]

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی یہ نعمت نصیب فرمائے۔اپنے فضل وکرم سے ہم سب سے راضی ہونے کا اعلان فرماوے، آمین۔

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے لکھا ہے: صحابہ دو باتوں سے بہت خوش ہوئے۔ پہلی مرتبہ جب قران کریم میں ان کے بارے میں ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور دوسری مرتبہ تب خوش ہوئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ کلمات نکلے کہ

المرأ مع من احب

[آدمی قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔]

میرا صحابی قائد اور نور ہوگا:

چنانچہ حضرت انسؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجد سے نکل رہے تھے، مسجد کے دروازہ پر ایک شخص ملا اور یہ سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے، جو اس کے آنے کی جلدی کر رہے ہو۔ یہ بات سن کر وہ شخص دل میں کچھ شرمندہ ہوا اور پھر عرض کیا کہ میں نے قیامت کے لئے بہت نماز،

روزے اور صدقات تو جمع نہیں کئے ؛ مگر میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو سن لو تم قیامت میں اس کے ساتھ ہو گے جس سے محبت رکھتے ہو۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم یہ جملۂ مبارک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر اتنے خوش ہوئے کہ اسلام لانے کے بعد اس سے زیادہ خوشی کبھی نہیں ہوئی تھی اور نہ اس کے بعد۔ حضرت انسؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ الحمد اللہ میں اللہ سے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ابو بکرؓ اور عمرؓ سے محبت رکھتا ہوں؛ اس لئے اس کا امیدوار ہوں کہ قیامت کے دن میں ان کے ساتھ ہوؤں گا۔

(صحیح بخاری شریف: ۲/ ۲۶، حدیث نمبر: ۸۷۷)

آپ اندازہ لگائیے کہ صحابۂ کرامؓ کا مقام اللہ تعالیٰ کے یہاں کتنا بلند مقام ہوگا کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے اللہ پاک نے ان کے متعلق ان کے لئے اپنی رضا کا اعلان فرمایا۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما من احد من اصحابی یموت بارض الا بعث قائداً و نوراً لھم یوم القیامۃ. (مشکوٰۃ شریف: ص ۵۵۴)

[میرے صحابہ کی یہ شان ہے کہ ان میں سے کوئی بھی کسی سرزمین میں وفات پائے قیامت کے دن وہ اس سرزمین والوں کے لئے قائد اور نور بن کر اٹھیگا۔]

میرے صحابہ ہدایت کے ستارے ہیں:

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم. (مشکوٰۃ شریف: ۵۵۴)

[میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، تم ان میں سے جس کسی کی بھی اقتدا کروگے راہ ہدایت پالوگے۔]

صحابہ کا کمال اخلاص:

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم و لا نصیفه. (مشکوٰۃ شریف: ۵۵۳)

[میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو؛ ان کا مرتبہ یہ ہے کہ تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے، اللہ کے راستہ میں صدقہ کردے تو ان کے یعنی صحابہ کے ایک 'مُد' بلکہ نصف مد جو کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔] یہ ان کا کمال اخلاص ہے۔

اقتداء کے قابل صحابہ کی جماعت ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص کسی کی اقتدا کرنا چاہتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتدا کرے؛ اس لئے کہ یہ حضرات پوری امت میں سب سے زیادہ اپنے قلوب کے اعتبار سے پاک ہیں اور علم کے اعتبار سے سب سے زیادہ گہرے علم والے ہیں اور تکلف اور تصنع میں سب سے کم ہیں۔ یہ وہ مبارک اور مقدس جماعت ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور دین کی اقامت کے لئے پسند فرمایا۔ لہٰذا تم ان کی قدر پہچان لو اور ان کے آثار کا اتباع کرو کیوں کہ یہ لوگ راہ مستقیم پر ہیں، ان کا طریقہ صراط مستقیم کے مطابق ہے۔

(مشکوٰۃ شریف: ۳۲)

میں نے صحابہؓ سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

ما رايت قوماً كانوا خيراً من اصحاب رسول الله ﷺ .

میں نے کوئی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت نے ان کو نہایت اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا ہے۔ بقول حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ______:

صحابہؓ کے مدارج سب سے اعلیٰ و برتر ہیں
یہ سب ادنیٰ کرشمہ ہیں محمدؐ کی اطاعت کے

جماعت صحابہؓ کے متعلق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ:

صحابۂ کرامؓ کے اور بھی بہت سے مناقب ہیں۔ انہیں مناقب کی بنا پر اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ بڑے سے بڑا ولی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں: ''ہیچ ولی بمرتبہ صحابی نرسد'' الخ۔ کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبہ کو پہنچ نہیں سکتا۔

حضرت اویس قرنیؒ کی شان کس قدر بلند ہے؛ مگر اپنی بلند شان ہونے کے باوجود چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرفِ صحبت سے مشرف نہ ہو سکے، اس لئے ادنیٰ درجہ کے صحابی کو بھی نہ پہنچ سکے۔ حالانکہ کس قدر عالی مرتبہ ہے آپ کا، مگر صحابی کے درجہ کے برابر نہ ہو سکے۔

کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہؓ

افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ؟ تو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے جواب میں فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار داخل ہوا وہ غبار بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے کئی گنا بہتر ہے۔
(مکتوبات امام ربانی: ۲۰۵ دفتر اول)

محترم دوستو! میری گزارش خوب توجہ سے سنئے۔ آج کل امت میں کچھ ایسے فرقے مختلف حلقوں میں سامنے آرہے ہیں جو اس مقدس گروہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ''حزب اللہ'' کہا ہے، کو ہدفِ ملامت بنا کر اپنی آخرت برباد کررہے ہیں۔ اور بھولے بھالے ناسمجھ مسلمانوں کے عقیدہ کو خراب کرکے اپنے ساتھ ان کو بھی جہنم کا کندہ بنانا چاہتے ہیں۔ ایسے تمام لوگ اور گروہ درحقیقت محض صحابۂ کرامؓ ہی کے دشمن نہیں ہیں بلکہ وہ دین اسلام کی اصلی شکل وصورت کو مٹا کر اس کی من مانی تفسیر وتشریح کرنا چاہتے ہیں۔ اور دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ نعوذ باللہ صحابۂ کرام ناقابل اعتبار ہیں؛ حالانکہ قرآن کریم کی وہی تفسیر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی روایت صحیح اور قابل قبول ہے؛ جس کو صحابۂ کرامؓ نے نقل کیا ہو کیوں کہ امت محمدیہ میں ان سے زیادہ ثقہ اور قابل اعتبار کوئی اور نہیں ہے۔

ان لوگوں کا مقصد یہ ہے کہ واسطہ یعنی صحابہ کی جماعت پر جرح کرکے واسطہ یعنی صحابہ کو ناقابل قبول بنادیوے۔ اور اس واسطہ سے امت کو جو دین ملا ہے وہ بھی واسطہ کے غیر معتبر ہوجانے سے ناقابل قبول ہوجاوے، اور وہ لوگ نیا دین اور نیا مذہب نافذ کرسکے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مکروفریب سے پوری امت محمدیہ کی حفاظت فرماوے، اور تمام صحابہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں سچی محبت نصیب فرماوے۔

صحابہ، ازواج مطہرات، اہل بیت کرام کی محبت کا ثمرہ

اس لئے ہمیں چاہئے کہ صحابۂ کرامؓ سے سچے دل سے محبت کریں، اور الحمد اللہ ہمارے دلوں میں صحابہ کا بڑا احترام ہوتا ہے۔ بس ضرورت ہے اس بات کی کہ ایسے ایمان کے چوروں سے ہم اپنے آپ کو بچاویں، صحابہ کو معیار حق سمجھیں، اور ہم تک دین پہنچنے میں اس واسطہ کو مضبوط اور معتبر واسطہ سمجھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احب اصحابی و ازواجی و اهل بیتی و لم یطعن فی واحد منهم و خرج من الدنیا علی محبتهم کان معی یوم القیامة . او کما قال ﷺ. (نزهة المجالس: جلد دوم)

[سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرے صحابہ اور ازواج اور اہل بیت سے محبت رکھیگا اور ان میں سے کسی پر طعن نہ کرے گا اور کسی کی بدگوئی نہ کرے گا اور ان کی محبت دل میں رکھتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوگا تو وہ قیامت کے روز میرے ساتھ ہوگا۔]

لہٰذا اپنے دلوں میں جس قدر ہو سکے صحابہؓ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اہل بیت کرام کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کریں، اور اسی محبت پر اپنے دل و دماغ کو جمانے کی کوشش کریں۔

صحابہ پر تنقید کا گناہ:

بزرگو اور عزیز دوستو! ان باتوں کو سمجھئے اور اپنے دل میں حضرات صحابہؓ کی محبت

اوراحترام کو پیدا کیجئے۔اوراس پر قائم رہئے اوراس پر اللہ جل جلالہ کا شکرادا کرتے رہئے۔ ورنہ آج کل فتنوں کا دور دورہ ہے، مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے اسلام ہی کا نام لے کر عظمت صحابہ کرام کو کم کرنے اوران کی مقدس حیات طیبہ کو داغدار بنانے کی کوشش کی ہے۔ان کو اپنی تنقید کا ہدف اورنشانہ بنایا ہے؛ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کواس سے منع فرمایا ہے۔

میرے صحابہ کو تنقید کا نشانہ مت بنانا:

چنانچہ مشہور حدیث ہےاور جمعہ کے دوسرے خطبے میں بھی بسا اوقات یہ حدیث آپ حضرات سنتے ہوں گے۔حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضاً من بعدی فمن احبھم فحبی احبھم و من ابغضھم فببغضی ابغضھم.

[یعنی میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے بعدان کو اپنی تنقیداور ملامت کا نشانہ مت بنانا، جوان سے محبت کرے گا تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا، میرے ساتھ ان کی نسبت ہے، وہ میرے ہم نشین ہیں، میری صحبت ان کو حاصل رہی ہے۔لہٰذا جس شخص کو مجھ سے حقیقت میں محبت ہے، وہ میرے صحابہ سے بھی محبت کرے گا۔ "**و من ابغضھم**" اور جوان سے بغض رکھے گا تو دراصل میرے ساتھ اس کو بغض ہے۔(معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، اللہ ہم سب کواس سے محفوظ رکھے) اسی بغض کی وجہ سے وہ میرے

صحابہ سے بغض رکھے گا۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ومن اٰذاھم فقد اٰذانی

[جس شخص نے میرے اصحاب کو تکلیف پہنچائی تو یقیناً اس موذی نے مجھ کو تکلیف پہنچائی۔]

غور کیجئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں لب کشائی کس قدر خطرناک ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف ارشاد فرما رہے ہیں۔ اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائے اس کا کیا انجام ہوگا۔ اس کے متعلق فرمایا:

ومن اٰذانی فقد اٰذی اللّٰہ

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی۔

ومن اٰذی اللّٰہ فیوشک ان یاخذہ

[اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائے تو اللہ تعالیٰ عنقریب اس کی پکڑ کرے گا۔]

بزرگو! آپ نے غور فرمایا صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدگمانی اور ان کی شان میں گستاخی کتنی خطرناک ہے۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

(ترمذی شریف: ۲/ ۶۲۶، مشکوٰۃ: ۵۵۴)

صحبت رسول ﷺ کے فیضان پر حضرت پرتاپ گڑھی رحمہ اللہ کی عارفانہ دلیل:

بزرگو! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت معمولی چیز نہیں ہے۔ اس زمانے میں اگر کوئی شخص طلب صادق کے ساتھ کسی شیخ کی خدمت میں پہنچ جاتا ہے اور اللہ والے

کی جوتیاں سیدھی کرنے کی اسے سعادت حاصل ہو جاتی ہے، ان کی ہدایت پر عمل کرنے لگتا ہے تو اس کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا کیا پوچھنا!! انڈیا میں پرتاپ گڑھ ایک جگہ ہے، وہاں ایک بزرگ عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ بہت بڑے اللہ والے گزرے ہیں، انکے انتقال ہوئے ابھی کچھ ہی زمانہ گزرا ہے۔ مسلّم بزرگ ہیں، اللہ جل جلالہ کے عشق میں فنا تھے۔ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ ان کی خدمت میں رہے ہیں، حکیم صاحبؒ نے صحبت کے متعلق ان کا ایک عجیب ایمان افروز ملفوظ نقل فرمایا ہے، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت معلوم ہوتی ہے۔ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ ہوا تھا، جادوگروں پر اللہ تعالیٰ نے حقیقت کھول دی اور ان کو ہدایت عطا فرمائی اور اسی مجلس میں فرعون اور اس کے درباریوں اور پورے مجمع کے سامنے کیا کہا اس کو بیان فرماتے ہوئے حضرت مولانا پرتاپ گڑھیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جادوگروں نے کہا:

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ.

(سورۂ اعراف: ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲)

ہم رب العالمین پر ایمان لاتے ہیں، جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا بھی رب ہے۔ جادوگروں نے ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کے بعد ﴿رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ کیوں کہا تھا؟ تاکہ فرعون کی ربوبیت سے مطلق نفی ہو جائے، اس لئے کہ وہ خود کو ربکم الاعلیٰ کہلواتا تھا۔ لہٰذا ﴿رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ کہہ کر یہ ظاہر کر دیا کہ ہم تجھ پر نہیں، حقیقت میں جو رب العالمین ہے اس پر ایمان لائے، وہ رب العالمین جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ اب بات بالکل واضح ہو گئی اور ثابت ہو گیا کہ

جادوگر فرعون کی ربوبیت کا مطلقاً انکار کررہے ہیں۔اب دیکھئے جادوگر ابھی ابھی ایمان لائے ہیں اور ایمان کے بعد ایک نظر نبی کو دیکھا ہے،ایک نظر ایمان کے ساتھ نبی کو دیکھنے سے یہ مقام عطا ہوتا ہے کہ ستر ہزار جادوگروں نے فرعون کو کھلی دھمکی دی:

فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا (سورۂ طٰهٰ: ۷۲)

حضرتؒ فرماتے ہیں اس کا ترجمہ میں یہ کرتا ہوں ”اب جو تجھے کرنا ہو کرلے،تو اس سے زیادہ کیا کرسکتا ہے، تیرا فیصلہ یہی ہوگا کہ تو ہمیں مار ڈالے، دنیا کی زندگی ختم ہوجائے، بس اس کے بعد تو کچھ نہیں کرسکتا۔“ کتنی کھلی بات ہے اور کس قدر ایمانی جرأت کا مظاہرہ ہے حالانکہ ابھی مقابلہ کے لئے آئے تھے اور ابھی ابھی ایمان عطا ہوا ہے۔نہ صحبت ملی، نہ نبی کے ساتھ نماز پڑھی، نہ جہاد کیا، نہ نبی کے ساتھ کھانا کھایا مگر یہ چند سیکنڈ میں نبی کا کیا فیض ہوا جو ایمان کے اتنے بلند مرتبے پر ان کو لے گیا۔تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الانبیاء ہیں، ان کی صحبت سے ایمان کا کیا مرتبہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوا ہوگا۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ میری شریعت کی اتباع کرتے تو وہ حضرات صحابہ کرامؓ جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازیں پڑھیں، کھانا کھایا، مدتوں رات دن ساتھ رہے، جہاد کیا، ان کو کس درجہ کا ایمان عطا ہوا ہوگا۔ان کی بلندی کا کیا مقام ہوگا، کیا ان پر زبان درازی کی جاسکتی ہے؟

(عظمتِ صحابہ: ص۹،۱۰۔مرتبہ حضرت اقدس مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحبؒ)

کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ــــــــ:

در فشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا

دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
جو خود نہ تھے راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
وہ کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

صحابہ کو گالی دینے والے پر اللہ کی لعنت ہو:

بزرگو اور دوستو! کیا اس کے بعد بھی اب کوئی شخص صحابۂ کرامؓ کے متعلق لب کشائی کی جرأت کرسکتا ہے؟ امت اس سے دور رہے اور مکمل اجتناب کرے، یہی مقصد ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا رأيتم الذين يسبون اصحابى فقولوا لعنة اللّٰه على شركم

[جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم ان سے کہو تمہارے اس فعل بد پر اللہ کی لعنت ہو۔]

(ترمذی شریف:۲/۲۲۶، مسلم شریف:۲/۳۱۰، مشکوۃ شریف:۵۵۳)

نہ فرض قبول ہوگا نہ نفل:

مزید ارشاد فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان اللّٰه اختارنى و اختار لى اصحاباً

اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا اور میرے لئے صحابہ کو منتخب کیا، ان کو میرا وزیر اور مددگار اور رشتہ دار بنایا۔

فمن سبهم فعليه لعنة اللّٰه و الملائكة و الناس اجمعين و لا يقبل اللّٰه منهم صرفا و لا عدلاً.

پس جو شخص ان کو برا کہے، ان کی شان میں گستاخی کرے اس پر اللہ کی لعنت،

فرشتوں کی لعنت اور تمام لوگوں کی لعنت ہو؛ اور اللہ تعالیٰ اس کا نہ کوئی فرض قبول کرے گا نہ نفل۔

(مظاہر حق:۴/۵۷۸)

صحابہ پر اعتماد انتہائی درجہ ضروری ہے:

بزرگان محترم! صحابۂ کرامؓ پر اعتماد اور ان سے حسن ظن انتہائی درجہ ضروری ہے۔ جیسا کہ شروع میں احقر نے عرض کیا تھا کہ صحابۂ کرامؓ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان واسطہ ہیں، اس واسطہ پر جب اعتراض کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی طرف سے جواب عطا فرمایا؛ اس لئے اس واسطہ پر لب کشائی کرنا اور ان سے بدگمانی کرنا انتہائی غلط اور خطرناک ہے۔ اس واسطہ پر اعتماد ضروری ہے، ان ہی کے ذریعہ قرآن ہمیں پہنچا ہے، دین اور شریعت پہنچی ہے، احادیث کا پورا ذخیرہ ان ہی سے منقول ہے۔ اگر یہ صحابۂ کرامؓ قابلِ اعتماد نہ رہے؛ تو پھر کوئی بد دین قرآن وحدیث پر بھی شک کر سکتا ہے۔ اس واسطہ کے متعلق علامہ ذہبیؒ نے بڑی عمدہ بات فرمائی ہے جسے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے نقل فرمائی ہے۔

طعن کرنے والا دین سے نکل گیا:

علامہ ذہبیؒ نے جو فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ فضائل صحابہ سے وہی شخص واقف ہے جو ان کے حالات اور ان کی زندگی سے واقف ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان کے حالات کو جانتا ہو، دین کی خاطر ان حضرات نے کفار سے جہاد کیا، شعائر اسلام کو عام فرمایا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ بلند کیا اور فرائض وسنن کی تعلیم کی۔ اگر وہ نہ ہوتے تو دین

کی کوئی اصل یا فرع ہم تک نہ پہنچتی اور ہم کسی سنت یا فرض سے واقف نہ ہوتے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور حالات ہم تک پہنچتے۔

لہٰذا جو ان کی شان میں گستاخی کرے وہ دین سے نکل گیا اور مسلمانوں کے طریقہ سے خارج ہو گیا اس لئے کہ انسان کسی کے اوپر اس وقت تک طعن نہیں کرتا جب تک کہ اس کے دل میں ان کی طرف سے دل میں بغض نہ ہو اور جب تک ان فضائل کا جن کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ان کا منکر نہ ہو۔ اور جب تک ان فضائل و مناقب کا منکر نہ ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں، اگر قرآن و حدیث کے ان فضائل و مناقب کو مانتا تو ان پر طعن نہ کرتا۔

وسیلہ پر طعن کرنا اصل پر طعن ہے:

اور ایسا شخص دین سے اس وجہ سے بھی نکل گیا کہ جو کچھ قرآن و حدیث میں منقول ہے وہ سب حضرات صحابہؓ ہی سے منقول ہے۔ اور اس نقل میں صحابہؓ افضل ترین وسیلہ ہیں اور وسیلہ پر طعن کرنا اصل پر طعن شمار ہوتا ہے۔ اور ناقل پر عیب لگانا منقول پر عیب لگانا ہے۔ اور یہ باتیں اس شخص کے لئے مفید ہوں گی جو غور و فکر سے کام لے اور نفاق و زندقہ سے اس کا عقیدہ پاک اور صاف ہو، دل میں خالص ایمان ہو اور اللہ کی اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت دل میں ہو۔

(شریعت و طریقت کا تلازم: ۲۲، ۲۳۔ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ: ۴/۴۶)

خلاصۂ کلام:

بزرگان محترم! الحمد اللہ صحابہؓ کے مقام اور ان کے مناقب اور فضائل کے متعلق

کچھ باتیں عرض ہوگئیں۔ اللہ پاک ہم سب کو اس مقدس جماعت کا احترام نصیب فرمائے اور ہمارے دلوں میں ان کی محبت اور عظمت پیدا فرمائے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرماوے۔ **اللّٰھم اٰمین**

آج دنیا میں نئے نئے قسم کے فتنے پیدا ہو رہے ہیں، ہمارے سامنے بھی یہ فتنہ آسکتا ہے؛ لہٰذا اگر اس سلسلہ میں کچھ لوگ کلام کریں تو ان کی باتوں میں آکر صحابہ کی عظمت کو اپنے دلوں سے کم نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے کہنے سننے کو قبول فرماوے اور اپنی رضا والی زندگی اور اپنی رضا والی موت نصیب فرمائے؛ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ۳ ﴾

رحمت وغضب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوضات کا کیا پوچھنا، صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوضات وکمالات کا مظہر ہیں۔ مشکوٰۃ نبوت کا فیض جس پر گرتا تھا وہ روشن ہوجاتا تھا۔

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
جو خود نہ تھے راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
وہ کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

تو مشکوٰۃ نبوت کے فیض نے صحابہ کو کیا سے کیا بنادیا تھا۔ جس پر جس صفت کا زیادہ عکس پڑا اللہ تعالیٰ نے وہ صفت اس صحابی میں پیدا فرمادی۔ ابوبکرؓ پر صداقت کا عکس پڑا تو وہ صدیق بن گئے، عمرؓ پر عدالت کا عکس پڑا تو وہ عادل بن گئے، عثمانؓ پر سخاوت کا عکس پڑا تو وہ سخی بن گئے، علیؓ پر شجاعت کا عکس پڑا تو وہ شجاع بن گئے۔

﴿۳﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

رحمت وغضب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلُہٗ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَا وَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَۃً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَکَ وَقِھِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ. رَبَّنَا وَاَدْخِلْھُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ نِ الَّتِیْ وَعَدْتَّھُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَائِھِمْ وَاَزْوَاجِھِمْ وَذُرِّیّٰتِھِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ. (المؤمن: ۷،۸)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

حاملین عرش مؤمنین کے لئے دعا کرتے ہیں:

بزرگان محترم! ابھی ہم نے تراویح میں چوبیسواں پارہ سنا۔ اسی چوبیسویں پارہ

کی سورۂ مومن کے پہلے رکوع کی چند آیتیں میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہیں۔ان آیات میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ

[وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے ارد گرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں، عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ کی رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے، سو ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے توبہ کر لی اور آپ کے راستہ پر چلتے ہیں اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے۔ اے پروردگار! ان کو ہمیشہ رہنے کے باغات میں جس کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے، داخل کر دیجئے۔اور ان کے ماں باپ اور اولاد اور بیویوں میں جو لائق ہیں ان کو بھی جنتِ عدن میں داخل کر دیجئے۔ بلاشبہ آپ ہی زبردست حکمت والے ہیں اور ان کو تکالیف سے بچایئے اور آپ جن لوگوں کو اس دن کی تکالیف وعذاب سے بچالیں گے اس پر یقیناً آپ نے مہربانی فرمائی یہ بڑی کامیابی ہے۔]

اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو:

و قال اللّٰه تعالیٰ فی مقامٍ اٰخر:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ. (الزمر: ۵۳)

آپ فرما دیجئے اے میرے بندو! جنہوں نے (گناہ کر کے) اپنے نفسوں پر ظلم

کیا ہے؛ وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

بزرگو! جو آیتیں آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں ان آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کا تذکرہ ہے۔ ماہ رواں یعنی رمضان المبارک کا پہلا عشرہ رحمت کا تھا، دوسرا عشرہ مغفرت کا اور آئندہ کل یہ مغفرت والا عشرہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اس لئے آج کی مجلس میں ان شاء اللہ تعالیٰ مغفرت کی باتیں کرنی ہیں۔ جو آیتیں پہلے میں نے تلاوت کیں ان میں بھی مغفرت کا ذکر ہے، کہ عرش کے اٹھانے والے فرشتے استغفار کرنے والوں کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور دوسری آیت میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایمان والے گنہگار بندے جب بھی توبہ کرتے ہیں تو ان کی مغفرت کر دیتا ہوں چاہے وہ کتنے ہی بڑے گنہگار رہوں۔ اس آیت میں اللہ کی رحمت کا تذکرہ ہے اور بہت بلیغ انداز میں رحمت الٰہی کو بیان فرمایا گیا ہے۔

قرآن مجید کا اعجاز:

یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور عذاب کو ایک ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ اگر ایک طرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہیں تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت جباریت اور صفت قہاریت کو بھی بیان فرماتے ہیں۔ لہٰذا یہ شیطان کا دھوکہ ہوتا ہے کہ انسان سے یہ کہہ کر کہ اللہ تعالیٰ تو غفور ہے، رحیم ہے چلو ابھی تو گناہ کرتے رہو اور جو چاہے کرتے رہو، بعد میں توبہ بھی کر لینا سب معاف ہو جائے گا؛ یہ

دھوکا ہے۔ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہیں اس میں ذرہ برابر شک وشبہ نہیں ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سخت گرفت کرنے والے بھی ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَام. (الابراھیم: ۴۷)

اللہ پاک کی گرفت بھی بہت سخت ہے۔ اگر نافرمانی اور گناہ کرنے کی جرأت کی نحوست کی وجہ سے ایمان ہی چھین لیا تو پھر کیا ہوگا؟ انسان دونوں چیزوں کو پیش نظر رکھے، رحمت کو بھی پیش نظر رکھے اور غضب کو بھی پیش نظر رکھے تو دھوکا نہ ہوگا اور گناہوں پر جرأت نہ ہوگی۔

گناہ کے نقصانات:

اور ایک بات یاد رکھیں کہ جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کا ضرر و بالضرور نقصان ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ انسان گناہ کرے اور اس کا ضرر اور نقصان گناہ کرنے والے کو نہ ہو۔ جیسے اگر کوئی بھول ہی سے زہر کھالے تو اس کا نقصان یقیناً ہوگا۔ اسی طرح گناہ کے بھی زبردست نقصانات ہیں۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ''جزاء الاعمال'' نامی ایک کتاب اسی موضوع پر تصنیف فرمائی ہے، جس میں وہ حدیثیں بیان کی ہیں جس میں آنحضرت نے گناہوں کے نقصانات کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ بہت عمدہ رسالہ ہے، موقع نکال کر اس کا مطالعہ کریں۔ ان شاء اللہ بہت مفید باتیں ملیں گی۔ آج گناہوں کے چند نقصانات آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں۔ خدا کرے وہ ہماری ہدایت کا اور گناہوں سے بچنے کا ذریعہ بن جائے۔ خوب کان کھول کر توجہ سے سنئے۔

گناہ کا ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے دل پر زنگ لگ جاتا ہے اور پھر

نیک اعمال کی توفیق نہیں ہوتی۔ اور گناہ کا ایک اثر یہ ہے کہ آدمی علم سے محروم رہتا ہے، کیوں کہ علم ایک باطنی نور ہے اور معصیت سے نور بجھ جاتا ہے۔ ایک نقصان یہ ہے کہ قلب میں تاریکی سی معلوم ہونے لگتی ہے۔ ذرا بھی دل کی حالت میں غور کیا جائے تو یہ ظلمت صاف محسوس ہوتی ہے اور اس ظلمت کا اثر قلب سے آنکھ میں آتا ہے اور پھر چہرہ پر یہ سیاہی نظر آنے لگتی ہے۔ فاسق شخص کیسا ہی حسین وجمیل ہو مگر اس کے چہرہ پر ایک بے رونقی کی کیفیت ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ نیکی اور اعمال صالحہ اور اللہ کا ذکر کرنے سے چہرہ پر رونق، قلب میں نور، رزق میں وسعت، بدن میں قوت اور لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور بدی اور گناہ اور اللہ کی نافرمانی کرنے سے چہرہ پر بے رونقی، قبر میں اندھیرا، قلب میں ظلمت، بدن میں سستی، رزق میں تنگی اور لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

اور گناہ کا ایک اثر یہ ہے کہ آدمی گناہوں کی نحوست سے طاعات سے محروم ہوجاتا ہے۔ آج ایک طاعت گئی، کل دوسری چھوٹ گئی، پرسوں تیسری، یونہی سلسلہ وار تمام نیک اعمال گناہوں کی نحوست اور بے برکتی کی وجہ سے اس کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔

ایک نقصان یہ ہے کہ معصیت سے عمر گھٹتی ہے اور اس کی برکت ختم ہوجاتی ہے۔ کیوں کہ 'بر' یعنی نیکی سے عمر کا بڑھ جانا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ تو فجور سے عمر کا گھٹنا بھی اس سے سمجھا جاسکتا ہے۔

ایک نقصان گناہ کا یہ ہے کہ رزق کم ہوجاتا ہے۔ اور گناہ کرتے کرتے انسان کو اللہ تعالیٰ سے معاذ اللہ وحشت ہونے لگتی ہے، نمازوں میں دل نہیں لگتا، اعمال صالحہ کی طرف طبیعت نہیں چلتی، نیکیوں کی طرف میلان اور رغبت نہیں ہوتی اور پھر گناہ کا یہ اثر بھی ہوتا ہے کہ اس کو اللہ کے نیک اور صالح بندوں سے بھی وحشت ہونے لگتی ہے۔ نیک لوگوں کی صحبت میں اس کا دل نہیں لگتا اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کی برکات اور صحبت کے ثمرات سے محروم رہتا ہے۔

اور گناہ کا ایک نقصان یہ ہے کہ جس گناہ میں انسان ملوث رہتا ہے آہستہ آہستہ اس گناہ کی برائی دل سے نکل جاتی ہے، اس کو برا نہیں سمجھتا بلکہ دل ایسا مسخ ہوجاتا ہے کہ لوگوں کے سامنے دلیری سے تفاخر کے طور پر اس گناہ کا تذکرہ خود کرتا رہتا ہے اور پھر ایسا شخص معافی سے دور ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کل امتی معافی الا المجاھرون و ان من الاجھار ان یستر اللّٰہ علی العبد ثم یصبح یفضح نفسہ و یقول یا فلان عملت یوم کذا و کذا و فتھتک نفسہ و قد بات یستر بہ.

(جزاء الاعمال، للتھانویؒ)

[کہ جتنے گنہگار ہیں سب کے گناہوں کی معافی کی امید ہے؛ مگر جو لوگ کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں۔ اور یہ بھی کھلم کھلا ہی گناہ کرنا ہے کہ ایک شخص نے چھپ کر گناہ کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر ستاری فرمائی، اس کے گناہ کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا، لیکن خود صبح کو اس نے اپنی فضیحت شروع کردی اور خود ہی لوگوں سے کہنا شروع کردیا کہ میں نے فلاں دن یہ گناہ کیا اور فلاں دن یہ گناہ کیا اور خود اپنی

پردہ دری شروع کردی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو اس پرستاری فرمائی تھی۔]

گناہ کا ایک اثر اور نقصان یہ بھی ہے کہ گناہ کی نحوست جیسے گناہ کرنے والے کو پہنچتی ہے اسی طرح اس کا اثر دوسری مخلوقات کو بھی پہنچتا ہے اور سب اس پر لعنت کرتے ہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ بہائم اور جانور نافرمانی کرنے والے آدمیوں پر لعنت کرتے ہیں کہ ان کے گناہوں کی وجہ سے بارش رک گئی، قحط ہوگیا۔ وہ جانور کہتے ہیں کہ یہ سب ابن آدم کے گناہ کی نحوست ہے۔

اور گناہ کا ایک اثر یہ ہے کہ انسان جو گناہ کرتا ہے اور وہ توبہ نہیں کرتا تو وہ فرشتوں کی دعا سے محروم ہوجاتا ہے۔ اور گناہ کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ زمین میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ نے توجہ فرمائی احقر نے گناہ کے بیس کے قریب نقصانات بیان کئے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (الروم: ۴۱)

[ظاہر ہوگیا بگاڑ اور فساد خشکی میں اور تری میں بہ سبب ان اعمال کے جن کو لوگوں کے ہاتھ کر رہے ہیں]

چیزوں میں سے برکت ختم ہوجاتی ہے اور جب نیک اعمال ہوتے ہیں، اللہ کی اطاعت کی جاتی ہے؛ تو پیداوار میں برکت ہوتی ہے۔ امام احمدؒ نے ایک حدیث کے ضمن میں بیان فرمایا ہے کہ میں نے بنوامیہ کے کسی خزانہ میں گیہوں کا ایک دانہ کھجور کی گٹھلی کے برابر دیکھا، وہ ایک تھیلی میں تھا اور اس پر لکھا تھا کہ ''یہ گیہوں زمانہ عدل میں پیدا ہوا تھا'' جب قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آویگا اور اس وقت لوگوں کی حالت

یہ ہوگی کہ اللہ کی اطاعت کرتے ہوں گے اور اس وقت زمین گناہوں سے پاک ہوجاوے گی اور ہر طرف نیکی کا ماحول ہوگا تو زمین کی برکتیں عود کرآویں گی۔ یہاں تک کہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک انار بڑی جماعت کو کافی ہوجائے گا اور وہ انار اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے چھلکے کے سایہ میں لوگ بیٹھ سکیں گے۔ انگور کا خوشہ اتنا بڑا ہوگا کہ ایک اونٹ کے لئے اس کو اٹھا کر چلنا دشوار ہوگا۔ یہ سب نیکی کی برکت ہوگی جو اس وقت ظاہر ہوں گی۔ آج دنیا میں جو بے برکتی نظر آرہی ہے یہ سب درحقیقت گناہوں اور نافرمانیوں کا نتیجہ ہے۔ جس قدر گناہ ہوں گے بے برکتی ہوگی۔ اور جس قدر اللہ کی اطاعت اور حبیب خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کیا جائے گا اللہ پاک کی رحمت نازل ہوگی، برکتیں ہوگی، زندگی میں چین وسکون ہوگا۔

محترم حاضرین مجلس! آپ توجہ فرمائیں احقر نے آپ کے سامنے گناہ کبیرہ کے بڑے بڑے نقصانات ذکر کیے؛ اللہ تعالیٰ ہم تمام کو ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس لئے میرے دوستو! ہمیں اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنا چاہئے۔ اور گناہوں سے بچنے کی پورے پوری کوشش کرنا چاہئے۔ اس کے باوجود بھی بشری تقاضہ سے کوئی گناہ ہوجائے تو فوراً توبہ کرلینی چاہئے۔ اس میں ذرا بھی تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔

دریں چہ شک؟

تو میرے دوستو! ہمیں دونوں باتوں کو اپنے ذہن میں رکھنا چاہئے۔ ایک طرف

اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہیں تو دوسری طرف اللہ کی صفت قہار اور جبار بھی ہے۔ یہ نفس اور شیطان کا دھوکہ ہے کہ ہم گناہ پر گناہ کرتے جائیں اور یہ کہتے جائیں کہ اللہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہیں، اس میں ذرہ برابر شک نہیں۔ دنیا میں بھی ہیں اور آخرت میں بھی ہیں۔

اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے حضرت تھانویؒ نے اشرف الجواب میں بیان فرمائی ہے کہ ''دریں چہ شک؟'' ایک صاحب نے طوطا پالا تھا اور طوطے کو صرف اتنا ہی رٹا دیا تھا ''دریں چہ شک'' (اس میں کوئی شک نہیں) اس کو لے کر وہ بازار میں بیچنے کے لئے گیا۔ ایک صاحب خریدنے کے لئے آئے، دام پوچھا۔ مالک نے کہا پانچ سو روپے۔ اس نے کہا یہ قیمت بہت زیادہ ہے۔ مالک نے کہا میرا طوطا بہت قیمتی ہے، یہ بولنے والا طوطا ہے آپ جو پوچھو اس کا جواب دیتا ہے، آپ اس طوطے ہی سے پوچھ لیجئے کہ تیری یہ قیمت صحیح ہے یا نہیں؟ اس خریدار نے کہا بھائی کیا تمہاری قیمت پانچ سو روپے ہے؟ طوطے نے کہا: دریں چہ شک؟ (اس میں کیا شک ہے) وہ خوش ہوا۔ اس نے پانچ سو روپے دے کر طوطا خرید لیا۔ اب گھر جا کر پوچھا کہ تمہارے لئے کھانا لاؤں؟ اس نے کہا: دریں چہ شک؟ اب جو بھی سوال کرتا ہے وہ اس کے جواب میں کہتا ہے ''دریں چہ شک''۔ اس نے افسوس کیا اور سر پر ہاتھ مارا اور کہا کہ میں اول نمبر کا بے وقوف ہوں جو اس طوطے کو خرید لیا۔ تو طوطے نے کہا دریں چہ شک۔ ہمارا معاملہ بھی ایسا ہی ہے؛ گناہ پر گناہ کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ غفور الرحیم ہے۔ بے شک اللہ کے غفور الرحیم ہونے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے، لیکن اس کی صفت رحیمی سے امید کر کے گناہ پر جرأت کرنا کہاں کی

عقلمندی ہے۔

اللہ کی عظمت کا استحضار ہو تو:

بے شک اللہ کی رحمت ہی سے ہم دنیا میں آئے اور اللہ ہی کی رحمت کے صدقہ چل پھر رہے ہیں۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی غفور الرحیم ہیں اور آخرت میں بھی غفور الرحیم ہیں۔ لیکن ایک بات یہ بھی ہے کہ جب ہم گناہ کرتے ہیں تو سوچیں کہ گناہ کا ضرر اور نقصان بھی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی آدمی زہر کھالے تو اس کا نقصان ہوگا یا نہیں؟ نقصان تو ہوگا، اصل بات یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی جو عظمت اور کبریائی ہے وہ ہمارے ذہنوں میں مستحضر نہیں رہتی۔ اگر اس بات کا یقین آجائے اور ہر وقت اس کا استحضار رہے تو پھر گناہ پر ہمیں ہمت نہ ہوگی۔ دنیا میں لوگ پولیس سے ڈرتے ہیں، انسپکٹر سے ڈرتے ہیں، وزیر اعلیٰ سے ڈرتے ہیں، دنیا کے قانون سے ڈرتے ہیں، جس راستہ میں داخلہ ممنوع ہو تو ہم وہاں کار لے کر نہیں جاتے، ڈر لگتا ہے کہ لے کر جاؤں گا تو جرمانہ ہوگا۔ دنیا کے قانون سے تو ڈرتے ہیں، دل میں اس کا ڈر ہے، اس کی ہیبت ہے۔ اگر رب العالمین کی عظمت دل میں آجائے تو اللہ کی نافرمانی سے بھی انسان ڈرے گا، ہر وقت ڈرتا رہے گا۔ جیسا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء عظام کی زندگیوں میں یہ بات تھی، وہ حضرات نیک عمل کر کے بھی ڈرتے تھے۔ جب دل میں کسی چیز کی عظمت ہوتی ہے تو اس سے ڈرا جاتا ہے۔

قرآن مجید کا معجزہ:

ایک مرتبہ میں اللہ کی رحمت اور عذابِ الٰہی پر بیان کر رہا تھا تو بیان کے بعد ایک

صاحب نے مجھ سے کہا کہ مجھ کو تو میری بیوی کا ڈر زیادہ لگتا ہے۔ میں نے کہا ہاں بیوی کا ڈر ہے کہ وہ چلی نہ جاوے، وہ ناراض نہ ہوجائے۔ اگر یہ استحضار ہوجائے کہ میرا رب مجھ سے ناراض نہ ہوجائے، وہ مجھ کو بارگاہ سے دھتکار نہ دے، وہ مجھ کو اپنی رحمت سے محروم نہ کردے تو پھر گناہ پر جرأت نہ ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ قرآن میں دونوں چیزیں ایک ساتھ بیان کرتا ہے۔ یہ قرآن کریم کا معجزہ ہے۔ قرآن کریم میں جہاں اہل ایمان کا تذکرہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کافروں کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔ جنت کا ذکر ہوتا ہے تو بعد میں جہنم کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔ اللہ کے عذاب، اللہ کی قہاریت، اللہ کی جباریت، جاہ وجلال کا بیان ہوگا تو اسی کے ساتھ اللہ کی رحمت کا بھی بیان ہوگا۔ اللہ کے انعام، اللہ کی عطا، اللہ تعالیٰ کی جود وسخا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ ہوگا تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پکڑ، اللہ کے عذاب کا ذکر بھی آپ کو ملے گا۔ یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ آپ کو قرآن میں ملیں گی۔ بتائیے یہ قرآن کا معجزہ ہے یا نہیں؟ آپ کی سمجھ میں آیا یا نہیں؟

انسان خوشی اور غمی کا مظہر نہیں ہوسکتا:

ایک آدمی کے بیٹے کی شادی ہے، ہر طرف خوشی ہی خوشی ہے۔ اس کے چہرے سے بھی خوشی نمایاں ہوگی، اس کی باتوں میں بھی خوشی ظاہر ہوگی، بات کرے گا تو خوشی کی ہوگی۔ اگر اس وقت وہ غمی کی بات کرنا بھی چاہے گا تب بھی غمی کی بات نہ ہوگی، اگر وہ غمی کا چہرہ بنانا چاہے گا تو بھی نہیں بنے گا کیوں کہ وہ آج خوشی میں ہے تو ہر چیز میں خوشی ظاہر ہوگی۔ لیکن اگر ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا ہے، مشفق والد کا انتقال ہوگیا ہے، محبوبہ بیوی کی وفات ہوگئی ہے، پیارا اور چہیتا بیٹا اللہ کو پیارا ہوگیا ہے اب وہ غم کے اندر ہے، اس کے

چہرے سے غم ظاہر ہوگا، وہ اپنا غم چھپانا چاہے گا تو بھی چھپا نہ سکے گا، اس کی باتوں سے بھی غم ظاہر ہوگا، وہ بولے گا تو بھی غم کی باتیں اس کی زبان سے نکلے گی، خوشی اور مسرت کی بات اس کی زبان پر نہیں آئے گی۔ اس لئے کہ انسان ساتھ ہونے والے حالات سے متأثر ہوتا ہے، جب دل و دماغ متأثر ہوتا ہے پھر اسی کا اثر جسم کے دیگر اعضاء پر ہوگا، یہ انسانوں کا حال ہے مگر اللہ رب العزت نے دونوں چیزیں قرآن میں ایک ساتھ بیان کی ہیں، اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے وہ کسی چیز سے متأثر کیسے ہوسکتا ہے؟ ایک مقام پر حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے ایک عجیب نکتہ بیان کیا ہے، موقعہ کی مناسبت سے عرض کر دیتا ہوں، توجہ سے سنئے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک ایسا بے ساختہ کلام ہے کہ اس میں کسی تکلفات کی پابندی نہیں ہے، نہ قافیہ کی، نہ سجع کی اور اس سے بڑھ کر ایک بات خاص قرآن کریم میں یہ ہے کہ اس کو سن کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متکلم پر کسی کا بھی کچھ اثر نہیں ہے؛ ورنہ ہر کلام کو غور کر کے دیکھ لیا جائے تو ضرور متکلم پر کسی نہ کسی کا اثر معلوم ہوگا، سلاطین و بادشاہان بھی مصالح ملکیہ سے متأثر ہو کر مصالح کی رعایت سے کلام کرتے ہیں؛ کیونکہ عمائد و اراکین سلطنت کا ان پر کچھ اثر ہوتا ہے؛ آگے جو بات میں کہنے جا رہا ہوں اسے غور سے سماعت فرمایئے۔ کہیں مجھ پر کفر کا فتویٰ نہ لگا دینا، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حتی کہ سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام یعنی حدیث سن کر بھی معلوم ہوتا ہے کہ متکلم کسی سے مغلوب ہے، کیونکہ آپ پر تو خشیت وخوف الٰہی سب سے زیادہ غالب تھی۔ تو آپ کے کلام میں بھی تأثر کی شان ہے؛ مگر قرآن شریف میں یہ خاص بات ہے

کہ اس کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متکلم پر کسی کا بھی اثر نہیں ہے، آزادی کے ساتھ جو چاہتا ہے جس کو چاہتا ہے کہہ دیتا ہے۔ یہ بات بہت سے لوگوں کے دل میں جن کو قرآن کریم سے کچھ مناسبت ہے آتی ہے اور قریب قریب سب کو احساس ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں ایک خاص بات ہے جو کسی کلام میں نہیں؛ مگر اس خصوصیت کی تعبیر پر اکثر لوگ قادر نہیں ہوتے۔

الحمداللہ میں نے اس کو بہت سہل و آسان عنوان سے بیان کر دیا ہے۔ ایک عالم کے سامنے میں نے اس بات کو بیان کیا تو وہ وجد کرنے لگے اور کہنے لگے کہ میرے دل میں بہت دنوں سے یہ بات تھی مگر تعبیر پر قادر نہیں تھا، پھر میں نے حیدرآباد کے ایک عالم کے کلام میں دیکھا کہ انہوں نے اس تقریر کو میری طرف منسوب کیا ہے، مجھے خوشی ہوئی کیوں کہ طبعًا یہ بات خوشی کی ہے ہی۔ بہرحال یہ کلام اللہ کے منزل من اللہ ہونے کی بڑی دلیل ہے۔

رحمت وعذاب کے امتزاج سے متعلق چند آیتیں:

دو چار مثالیں آپ کے سامنے پیش کرتا چلوں۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے کتنی پیاری بات فرمائی ہے:

نَبِّئْ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْم. وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ.
(سورۂ حجر: ۴۹، ۵۰)

[اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندوں سے کہہ دیجیے میں غفورالرحیم ہوں اور اس کے ساتھ یہ بھی بتلا دو کہ میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے۔]

ابھی قاری صاحب نے تراویح میں پڑھا:

اِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَۃٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ. (سورۂ حٰمٓ السجدہ: ۴۳)

[بے شک آپ کا رب مغفرت کرنے والا ہے اور پکڑ کرنے پر آئے تو دردناک عذاب دینے والا بھی ہے۔] دیکھو دونوں کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی سب سے بڑی آیت یہ ہے:

اِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَۃٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِھِمْ وَاِنَّ رَبَّکَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ.
(الرعد:٦)

[بے شک آپ کا رب ان لوگوں کی جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے بڑی مغفرت کرنے والا ہے جو توبہ کرے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا ﴿وَاِنَّ رَبَّکَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ.﴾ اور بے شک تیرے رب کی پکڑ جو ہے وہ بڑی سخت پکڑ ہے۔]

اور قرآن کریم نے تیسری جگہ کیا بات فرمائی، سبحان اللہ! کاش آپ کو بھی عربی کی کچھ مہارت ہو جائے پھر تراویح سنیں گے تو عجیب لطف محسوس ہوگا، رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے، قرآن نے کیا کہا؟ سنئے، ارشاد فرمایا:

اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ. اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ. (البروج: ۱۲، ۱۳)

[بے شک تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔] خدا کسی کی پکڑ کرے تو کوئی اس کے سامنے ٹک سکتا ہے؟ ﴿اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ.﴾ [اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔] اس آیت میں اللہ کا جلال نظر آتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ.

[وہ بڑا غفور ہے، بندوں سے بے حد محبت کرنے والا ہے۔]

پہلی آیت سنو تو خوف طاری ہو جاتا ہے اور اس کے بعد والی آیت سے دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ. فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ.

[وہ بزرگی والے عرش کا مالک ہے۔ وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔]

کہیں فرمایا:

اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (الانعام: ۱۶۵)

[بے شک آپ کا رب جلد سزا دینے والا بھی ہے اور بے شک وہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان بھی ہے]

یہ کلام الٰہی کا اعجاز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دو متضاد صفتوں رحمت اور غضب اور مہر و قہر کو ایک ہی آیت میں بیان کر دیتا ہے۔

ایسے ہی سورۂ رحمان کی تلاوت کریں تو پہلے رکوع میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرمائیں اور دوسرے رکوع میں اپنے عذاب سے ڈرایا اور مختلف قسم کے حالات بیان فرمائے پھر تیسرے رکوع میں اپنے انعامات کا تذکرہ بیان فرمایا، میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ اپنے انعامات کا جنت کا ذکر لاتے ہیں وہیں اس کے بعد اپنے عذاب اور جہنم سے ڈرانے والی آیتیں بھی بیان کرتے ہیں، رحمت و غضب اور قہر و مہر کو اللہ تعالیٰ ساتھ ساتھ بیان فرماتے ہیں، یہ کلام اللہ کے منزل من اللہ ہونے کی بڑی دلیل ہے۔

میں نے شروع میں ذکر کیا تھا کہ دونوں چیزیں ساتھ لے کر چلو، اللہ کی رحمت بھی ہے اور اللہ کا جاہ وجلال بھی ہے۔ جن آیتوں کا میں نے تذکرہ کیا ان آیتوں میں آپ غور کیجئے، اللہ پاک نے کتنے عجیب انداز میں دونوں صفت رحمت وغضب کو جمع فرمایا ہے۔

چند عجیب وغریب آیتیں:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کی عظمت اور بڑائی کے لئے سب سے بڑی آیت آیت الکرسی ہے۔ اور جامع الخیر والشر یعنی تمام خیر وشر کو جمع کرنے والی آیت یہ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ. (النحل: ۹۰)

[بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔]

اور اللہ پاک کی رحمت اور مغفرت کی امیدوار بنانے والی سب سے بڑی آیت یہ ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ. (الزمر: ۵۳)

[آپ فرمادیجئے اے میرے بندو! جنھوں نے (گناہ کرکے) اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے؛ وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمام

گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔]

اور اللہ کی ذات عالی سے امید دلانے والی اور ڈھارس بندھانے والی سب سے بڑی آیت یہ ہے:

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ.
(الطلاق:۳)

جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اس پر کامل توکل اور بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ اس کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب آیت:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پورا قرآن مجھے محبوب ہے، قرآن کی ایک ایک آیت مجھے محبوب ہے لیکن سب سے زیادہ محبوب یہ آیت ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. (الزمر: ۵۳)

آپ میرے ان بندوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کردے گا، بیشک اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

آیت کا شان نزول:

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں ایک واقعہ حیات الصحابہ میں پڑھا تھا۔ اللہ اکبر! بہت عجیب واقعہ ہے۔ آپ حضرات کو یہ معلوم ہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و

سلم کے لاڈلے چچا حضرت حمزہ ؓ کو شہید کر دیا گیا تھا، بڑی بے دردی سے شہید کیا تھا اور اس کے ساتھ مثلہ بھی کیا تھا۔ حضرت حمزہ ؓ کا لقب سید الشہداء ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باڈی گارڈ تھے، بے حد ہمدرد اور بہت ہی محبت کرنے والے تھے، بہت بڑے پہلوان اور بے حد طاقتور تھے۔

سید الشہداء حضرت حمزہؓ کے ایمان کا واقعہ:

حضرت حمزہؓ کے ایمان لانے کا بھی واقعہ بڑا عجیب ہے۔ ایک مرتبہ ابوجہل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت برا بھلا کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں کو بھی برا بھلا کہا اور بعض مسلمانوں کو مارا بھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دارارقم میں تشریف لے گئے، ایک باندی یہ منظر دیکھ رہی تھی، اتنے میں حضرت حمزہ ؓ تشریف لائے، اپنے گھوڑے پر تیر وکمان کے ساتھ، شکار کے شوقین تھے۔ باندی نے کہا اے ابوعمارہ! تمہاری غیرت کہاں چلی گئی؟ تیرے بھتیجے کو ابوجہل نے بہت برا بھلا کہا، گالیاں دیں، تم ان کے چچا ہوتے ہو، تم کو غیرت نہیں آتی۔ حضرت حمزہؓ پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، اسی وقت ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد سیدھے ابوجہل کے پاس پہنچے، وہ کعبۃ اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس کو تیر، کمان سے اتنا مارا کہ وہ لہولہان ہو گیا اور آپؓ ایسے جلال اور غصے میں تھے کہ ابوجہل اور اس کے ساتھی کچھ نہ بول سکے حالانکہ وہ سب مل کر حضرت حمزہ ؓ کو قتل بھی کر سکتے تھے لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی۔ خوب مار پیٹ کر فرمایا آج سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کرنے والا میں ہوں، سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا۔ قوم نے ابوجہل کو عار دلائی کہ تو نے انتقام نہیں لیا۔

ابوجہل نے کہا میں نے اس کے بھتیجے کو برا بھلا کہہ لیا تھا۔

تو حضرت حمزہؓ بہت بہادر تھے، شجاع اور طاقتور تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ آپ ؓ کو غزوۂ احد میں شہید کیا گیا، مثلہ بھی کیا گیا، ناک کان کاٹ دیئے گئے تھے، آپؓ کے جسم کے تیرہ ٹکڑے کر دیئے تھے۔ آپ کا یہ حال دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہوگئے، آپؐ غم سے نڈھال تھے۔ حضرت صفیہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور حضرت حمزہؓ کی بہن تھیں، وہ دوڑتی ہوئی آرہی تھیں مجنون اور پاگلوں کی طرح۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا کہ صفیہ آرہی ہیں اپنے بھائی کی یہ حالت دیکھ کر برداشت نہیں کرسکیں گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا اپنی والدہ کو روکو۔ حضرت زبیرؓ نے روکا۔ حضرت صفیہؓ نے ایک مکا مارا وہ گر پڑے۔ لیکن پھر حضرت زبیرؓ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو روکنے کے لئے فرمایا ہے۔ حضرت صفیہؓ کے قدم وہیں رک گئے۔ یہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، پھر حضرت صفیہؓ نے فرمایا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ اجازت دیں تو بھائی کو دیکھ لوں، رووٗں گی نہیں، بالوں کو نہیں نوچوں گی، نوحہ نہیں کروں گی، صرف بھائی کی زیارت کرادو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ بھائی کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا اللہ نے تیرے جسم کے ایک ایک ٹکڑے کو قبول کرلیا۔

بدلہ لینا ہو تو برابر سرابر بدلہ لو:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غم کے ایسے آثار تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے چچا کے تیرہ ٹکڑے کر دیئے ہیں، مثلہ کیا گیا، سینہ مبارک چاک کیا گیا،

کلیجہ نکالا گیا، ہندہ چبانا چاہتی تھی مگر چبا نہ سکی۔ یہ حالت دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کافروں کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں گا؛ لیکن رب العالمین کا عدل وانصاف دیکھئے، قرآن مجید میں آیت نازل ہوگئی:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ

[اللہ کے رسول اگر بدلہ لینا ہی ہو تو برابر سرابر لو]

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ. (النحل: ۱۲۶)

[اور اگر آپ نے صبر کر لیا تو صبر کرنے والوں کا انجام بہت بہتر ہے۔]

حضرت وحشی نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا اور مثلہ بھی کیا تھا مگر ہم ان کو برا بھلا نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ بعد میں وہ ایمان لے آئے، جب ان کے ایمان لانے کا وقت آیا تو حرب بن وحشیؒ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہلوایا کہ اگر میں ایمان لے آؤں تو میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمائیں گے؟ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو کفر وشرک کو تو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتے، اس کے علاوہ بڑے سے بڑا گناہ کیا ہو زنا کیا ہو، شراب پی ہو، اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ لیکن اگر اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کیا ہو، کسی کے آگے سجدے کئے ہوں، کسی کی نذر ونیاز مانی ہو، کسی اور سے مرادیں مانگی ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہیں کریں گے۔ اس کے علاوہ خواہ کیسا ہی گناہ ہو وہ حاکم ہے، وہ چاہے تو معاف کر دے اور چاہے تو سزا دے کر جنت میں داخل کر دے اس کو اختیار ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سنائی:

اِنَّ اللّٰہَ لاَ یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ
(النساء:۴۸)

[اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا اس کے علاوہ جس گناہ کو بھی جس کے لئے چاہیگا معاف کردیگا، اس کو اختیار ہے۔]

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ایمان کا عجیب واقعہ:

حضرت وحشی نے کہا یہ تو اللہ کی مشیت پر موقوف ہے کہ وہ چاہے تو معاف کرے اور وہ چاہے تو معاف نہ کرے، ہوسکتا ہے کہ میرے بارے میں یہ فیصلہ ہو کہ معاف نہ کرے؛ لہٰذا میں تو ایمان نہیں لاتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دوسری آیت لے کر بھیجا:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا. (الفرقان: ۷۰)

[مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے توبہ کرلی اور اچھے اعمال کئے تو اللہ تعالیٰ ان کی سیئات کو حسنات سے بدل دے گا]

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کہنے لگے اس میں عمل صالح کی شرط لگائی ہے اگر مجھ سے اچھے عمل نہ ہوئے تو؟ پھر تو میری نجات نہیں ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیج کر یہ آیت نازل فرمائی جو میں نے اوپر پڑھی:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِہِمْ لاَ تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ. (الزمر: ۵۳)

آپ میرے ان بندوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اللہ

تعالیٰ کفر وشرک کے سواسب گناہ معاف کردے گا، اعمال صالحہ ہوں یا نہ ہوں۔ اگر ایمان ہے تو ایک دن نجات ضرور مل جائے گی، اس کے بعد حضرت وحشی رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے۔

مسیلمہ کذاب کا قتل:

پھر کہنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے کفر میں ایک ایسی غلطی ہوگئی ہے جس کا غم ابھی تک مجھ کو ہے۔ آپ اللہ سے دعا کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اسلام میں ایسا کام لے لیں کہ اللہ بھی خوش ہو جائے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوش ہو جائے۔ چنانچہ اللہ نے ان سے زبردست کام لیا۔ مسیلمہ کذاب جس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس کو حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے اسی نیزہ سے مار کر واصل بہ جہنم کیا جس نیزہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ اور جس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ناف پر نیزہ مار کر شہید کیا تھا اسی طرح مسیلمہ کذاب کو بھی ناف ہی پر نیزہ مار کر قتل کیا۔

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پس پشت بیٹھتے تھے:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب حضرت وحشی رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو بے حد نادم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول فرمایا اور ارشاد فرمایا اگر ہو سکے تو میرے سامنے نہ آیا کرو، تم کو دیکھ کر اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا صدمہ تازہ ہوتا ہے۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہیں پہنچانا چاہتے تھے اس لئے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پس پشت بیٹھتے تھے۔ یہ بات تو آپ نے سنی ہی ہوگی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ورحمت:

لیکن شاید یہ بات نہ سنی ہوگی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُ وُفٌ رَّحِيُمٌ. (البقرة: ۱۴۳)

[بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفیق اور مہربان ہیں۔]

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

لَقَدُ جَاءَ كُمُ رَسُوُلٌ مِّنُ اَنْفُسِكُمُ عَزِيُزٌ عَلَيُهِ مَا عَنِتُّمُ حَرِيُصٌ عَلَيُكُمُ بِالْمُؤْمِنِيُنَ رَءُ وُفٌ رَّحِيُمٌ. (التوبة: ۱۲۸)

تحقیق کہ تمہارے پاس ایک رسول آئے ہیں جو تمہاری ہی جنس سے ہیں جن باتوں سے تم کو ضرر پہنچ سکتا ہے وہ ان پر نہایت گراں ہوتی ہے۔

حَرِيُصٌ عَلَيُكُمُ

[ہر وقت تمہاری منفعت کے خواہش مند رہتے ہیں]

بِالْمُؤْمِنِيُنَ رَءُ وُفٌ رَّحِيُمٌ.

[ایمان والوں کے ساتھ تو بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔]

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنین پر انتہائی درجہ مہربان تھے اور اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بھی فرمایا ہے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو اپنے پس پشت بیٹھنے کی اجازت دے دی، اس کا مقصد بھی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ پر رحمت اور شفقت ہے۔

صد شکر ہستیم میان دو کریم:

یہ ہماری سعادت مندی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا شفیق و رحیم رسول عطا

فرمایا ہے اور ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا۔ کسی نے بہت خوب فرمایا ہے:

یارب تو کریم و رسول تو کریم
صد شکر ہستیم میان دو کریم

یارب آپ بھی کریم ہیں اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی کریم ہیں۔ ہم کس قدر خوش نصیب ہیں کہ ہم دو کریموں کے درمیان ہیں۔ اس پر ہم سینکڑوں مرتبہ شکر کرتے ہیں۔ اللہ پاک ہمیں اس نعمت کی قدر دانی کی توفیق نصیب فرمائے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوضات سے مستفیض ہونے کی توفیق بخشے۔

مشکوٰۃ نبوت کی جھلکیاں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوضات کا کیا پوچھنا، صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوضات وکمالات کا مظہر ہیں۔ مشکوٰۃ نبوت کا فیض جس پر گرتا تھا وہ روشن ہو جاتا تھا۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
جو خود نہ تھے راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
وہ کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

تو مشکوٰۃ نبوت کے فیض نے صحابہ کو کیا سے کیا بنا دیا تھا۔ جس پر جس صفت کا زیادہ عکس پڑا اللہ تعالیٰ نے وہ صفت اس صحابی میں پیدا فرما دی۔ ابوبکرؓ پر صداقت کا عکس پڑا تو وہ صدیق بن گئے، عمرؓ پر عدالت کا عکس پڑا تو وہ عادل بن گئے، عثمانؓ پر سخاوت کا عکس

گراتو وہ سخی بن گئے، علیؓ پر شجاعت کا عکس پڑا تو وہ شجاع بن گئے۔

پس پشت بیٹھنے کی حکمت:

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مشکوٰۃ نبوت کا عکس صحابہ پر پڑتا تھا۔ حضرت وحشیؓ جب سامنے بیٹھتے تو مشکوٰۃ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو نور آتا تھا چچا کی یاد کی وجہ سے حجاب بن جاتا تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سامنے نہ بیٹھو تا کہ مشکوٰۃ نبوت کا فیض تم پر بھی آئے۔ اس سے حضرت تھانویؒ نے تصوف کا مسئلہ حل فرمایا کہ تکدرِ شیخ و استاذ مانع فیض ہوتا ہے۔ میں عرض کر رہا تھا تو دیکھو حضرت وحشیؓ نے سوال کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ایمان والا ہے تو جاؤ

لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ.

تو اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ بس یہیں اس شعر پر اپنے بیان کو ختم کرتا ہوں۔

تو رحیم ہے تو کریم ہے میری لغزشوں پر نہ کر نظر
تیری خو عطا میری خو خطا نہ یہ تجھ میں کم نہ وہ مجھ میں کم

اللہ تعالیٰ اپنی وسیع رحمت سے ہم کو بھرپور حصہ عطا فرمائے اور اپنے عذاب سے ہم تمام کو محفوظ رکھے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعۡوَانَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ.

☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿۴﴾

رحمت الٰہی ومغفرت خداوندی

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لو يعلم المؤمن ما عند اللّٰه من العقوبة ما طمع بجنته و لو يعلم الكافر ما عند اللّٰه من الرحمة ما قنط من جنته احد. متفق عليه

[کہ اگر ایمان والا یہ جان لے کہ اللہ کی پکڑ کیسی ہے، اللہ کی سزا کیسی ہے تو کوئی بھی جنت کی امید نہ کرے اور اگر کافر کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کی رحمت کیسی ہے تو وہ بھی جنت کی امید لے کر بیٹھ جائے اور اس کی جنت سے مایوس نہ ہو اور امید کرنے لگے کہ مجھے بھی ضرور جنت ملے گی]

حالانکہ کافر کو جنت نہیں ملے گی لیکن اگر وہ اللہ کی رحمت کو دیکھ لے تو وہ بھی جنت کی طمع کرنے لگے، اللہ تعالیٰ اتنے زیادہ رحمت والے ہیں۔ اور اگر ایمان والے کے سامنے اللہ کے جلال کا مظہر سامنے آجائے تو وہ کہے کہ مجھے جنت ملنے والی نہیں ہے، جنت کی امید چھوڑ بیٹھے، اللہ اتنے جبار اور قہار بھی ہیں۔

تو دو چیزیں ہیں اللہ کی رحمت اور اللہ کا عذاب۔ ہم دونوں چیزوں کو ساتھ لے کر چلیں، دونوں کو پیش نظر رکھیں۔

﴿ ۴ ﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رحمت الٰہی ومغفرت خداوندی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ شَفِيْعَنَا وَحَبِيْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَاَهْلِ طَاعَتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً كَثِيْراً...... اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْن. (الاعراف: ۵۶)

[بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت قریب ہے نیک کام کرنے والوں سے]

صدق الله مولانا العظيم و صدق رسوله النبى الكريم و نحن على ذلك من الشاهدين و الشاكرين و الحمد لله رب العالمين۔

اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے:

بزرگان محترم! میں نے جو آیت تلاوت کی ہے اس میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔ محسنین مخلصین جو اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے ہیں؛ اللہ کی نافرمانی سے بچتے ہیں اور اللہ کے حکموں پر چلتے ہیں، نیک کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری رحمت ان کے بہت قریب ہے۔

خوف وطمع:

دیکھو! یہاں دو چیزیں ہیں،۱...... اللہ کی رحمت سے امید اور ۲......اللہ کے عذاب کا خوف؛ طمع اور خوف۔ ہر مسلمان کو اللہ کا خوف بھی ہونا چاہئے اور طمع یعنی اللہ سے امید بھی ہونی چاہئے۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کے بارے میں فرمایا ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. (السجدة: ۱۶)

[وہ لوگ جن کے پہلو ان کے خواب گاہوں اور بستروں سے جدا رہتے ہیں، بیڈ (Bed) سے الگ رہتے ہیں۔یعنی وہ لوگ رات کو اللہ کی عبادت کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں اور اپنے رب کو پکارتے ہیں، ﴿يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ اپنے رب کو پکارتے ہیں اس طور پر کہ خوف بھی ہے اور امید بھی، ﴿وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ اور ہم نے جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے رہتے ہیں۔ جو کچھ دیا ہے، مال دیا تو مال خرچ کرتے ہیں، عقل ودماغ دیا ہے تو اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، اچھا اور صحیح مشورہ دیتے ہیں، ہاتھوں میں طاقت اور قوت دی ہے تو اس سے ضعیفوں کی مدد کرتے ہیں، کمزوروں کا قوتِ بازو بنتے ہیں، اللہ نے علم دیا ہے تو اس کو رضائے الٰہی کے لئے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ﴿وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ﴾ میں داخل ہیں۔]

تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے نیک بندوں کی صفت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ کہ ان کو اللہ کا خوف بھی ہوتا ہے اور اللہ سے امید بھی ہوتی

ہے۔ اس لئے اللہ سے صرف امید ہی امید نہیں ہونی چاہئے، بلکہ امید بھی ہو اور اللہ کا خوف بھی ہو۔ اللہ سے صرف امید کا ہونا یہ انسان کو گناہ پر بے باک بنادیتا ہے اور صرف خوف کا ہونا یہ انسان کو اللہ کی رحمت سے ناامید بنادیتا ہے، اور اللہ سے ناامیدی کفر ہے۔

اللہ کے نیک بندے اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں:

تیسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ. (سورۂ نور: ۳۷)

[ایسے مرد بھی ہیں کہ ان کی تجارت اور ان کی خرید وفروخت ان کو اللہ کے ذکر سے روکتی نہیں ہے۔ وہ ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس دن آنکھیں اور قلوب ڈھڑکتے ہوں گے۔]

اس آیت میں اللہ کے کچھ خاص بندوں کا ذکر فرمایا ہے اور ان کی ایک صفت بیان فرمائی ہے ﴿ يَخَافُوْن ﴾ کہ وہ ڈرتے ہیں، تو ہر مسلمان کو اللہ کا خوف بھی ہونا چاہئے اور اللہ سے امید بھی ہونی چاہئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو اگر دو قسموں پر تقسیم کرو تو ایک قسم بنے گی رحمت والی اور دوسری قسم بنے گی غضب والی، تو اللہ تعالیٰ کی صفات دو طرح کی ہیں ایک رحمت والی اور دوسری غضب والی، لیکن اللہ کی رحمت والی صفت غالب ہے غضب والی صفت پر۔

حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، حضرت ابو ہریرہؓ اس حدیث کے راوی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لما قضى الله الخلق كتب كتابا فهو عنده فوق عرشه ان رحمتي سبقت على غضبي، ان رحمتي غلبت على غضبي.

(مشکوۃ شریف:۲۰۷)

[اللہ تعالیٰ نے جب تمام مخلوق کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ایک تختی پر لکھ کر عرش پر رکھ دیا۔ وہ تختی کتنی بڑی ہوگی ہم اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تختی پر لکھ کر رکھ دیا ہے "ان رحمتي سبقت غضبي" کہ میری رحمت میرے غضب وغصہ پر غالب ہے۔]

الرحمٰن علی العرش استویٰ:

اور ساری مخلوق کو بنانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى. (سورۂ طٰہٰ: ۵)

رحمٰن عرش پر مستوی ہوگیا، یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت "رحمٰن" یعنی رحمت کو ذکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ یہ بھی کہہ سکتے تھے: الجبار على العرش استوىٰ، القهار على العرش استوىٰ، لیکن اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى. (سورۂ طٰہٰ: ۵)

وکان عرشہ علی الماء؛ حدیث وآیتوں کا نتیجہ:

اور پھر کمال یہ ہے کہ یہ زمین ہے، اس پر اللہ نے آسمانوں کو بنایا اور آسمانوں کے اوپر عرش ہے اور قرآن میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ (سورۂ ھود: ۷)

[اور اللہ تعالیٰ کا عرش پانی کے اوپر ہے]

اور پانی کی تعبیر رحمت سے کی جاتی ہے اور غضب اور جلال کی تعبیر آگ سے کی جاتی ہے، جیسے ہم بھی کہتے ہیں وہ انسان پانی پانی ہو گیا یعنی نرم بن گیا اور اگر کسی کو غصہ آتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں تو آگ بگولہ ہو گیا۔ مطلب یہ ہے کہ غصہ میں آ گیا۔ تو پانی کی تعبیر دی جاتی ہے رحمت سے۔ اب ان دونوں آیتوں اور اوپر والی حدیث کو ملائیں تو بالکل واضح طور پر نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ پاک کی صفت رحمت غالب ہے صفت غضب پر اور صفت رحمٰن غالب ہے صفت جبار پر اور صفت قہار پر۔

اصول رحمت سو ہیں:

اللہ تعالیٰ کی کتنی رحمتیں ہیں؟ حدیث میں ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان للہ مائة رحمةٍ انزل منها رحمة واحدة بين الجن و الانس و البهائم و الهوام.

کہ اللہ تعالیٰ کی اصول رحمت سو ہیں، ان میں سے صرف ایک ہی رحمت ایسی ہے کہ آسمان وزمین کے خلاء کو بھر دے، جو ساری مخلوق کے لئے کافی ہو جائے۔ اور ایسی اللہ کی اصول رحمت سو ہیں۔ ان میں سے اللہ تعالیٰ نے صرف ایک رحمت زمین پر نازل فرمائی ہے جس کا اثر انسانوں میں، جناتوں میں، درندوں میں اور کیڑے مکوڑوں سب میں تقسیم فرمایا ہے، اس ایک رحمت میں سے ہر ایک کو کتنا کتنا حصہ ملا ہو گا؟ آپ آندازہ لگاؤ۔ جب سے دنیا کا وجود ہوا قیامت تک کا سوچ لو، وہ ایک حصۂ رحمت کا اثر ان تمام کے درمیان پایا جاتا ہے، اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

فبها يتعاطفون و بها يتراحمون و بها تعطف الوحش على ولدها.

[اس رحمت کا جو ذرہ ملا ہے اسی کا اثر یہ ہے کہ یہ تمام مخلوق آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں؛ حتی کہ درندہ جس کی صفت ہی پھاڑ کھانا ہے وہ درندہ اور وحشی جانور بھی اپنے بچے پر مہربان ہوتا ہے۔] اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

و اخر اللّٰه تسعا و تسعين رحمة يرحم بها عباده يوم القيامة.
(مشکوۃ:۲۰۷)

[اور اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں اپنے خزانہ میں محفوظ رکھی ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان رحمتوں کے ساتھ اپنے بندوں پر رحم فرمائیں گے۔]

اندازہ لگایئے میدان قیامت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کیا عالم ہوگا؟ میدان محشر میں ابتداء میں حق تعالیٰ کے غضب کا ظہور ہوگا اور غضب کی یہ کیفیت ہوگی کہ جلیل القدر انبیاء علیہم السلام بھی نفسی نفسی پکارتے ہوں گے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا ظہور ہوگا جس کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں بھی ان رحمتوں میں شامل فرمائے اور محروم نہ فرمائے۔ آمین

کیا چالیس دن میں میری رحمت ختم ہوگئی؟

حضرت سلمان فارسیؓ بھی اسی طرح روایت کرتے ہیں کہ توراۃ میں بھی ایسی روایت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کیئے؛ جس میں سے ایک حصۂ رحمت کو دنیا میں اتارا۔ باقی ۹۹ر رحمتیں اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں محفوظ ہیں جن کو اللہ عزوجل میدان محشر میں اپنے نیک بندوں متقین اور صالحین پر ظاہر کریں گے۔ حضرت شیخ عبد

القادر جیلانی محبوب سبحانی قدر سرہ نے چالیس دن تک اللہ کی رحمت پر بیان کیا، ایک دن خیال آیا کہ کئی دن سے اللہ کی رحمت پر بیان کرتا رہا کہیں لوگ بے خوف اور نڈر نہ ہو جائیں اس لئے آج صفت غضب اور جبار کو بیان کروں گا اور جب صفت جلال کو بیان کیا تو اسی مجمع میں کئی لوگ بے ہوش ہو گئے اور کئی لوگوں کی روحیں پرواز کر گئیں، غیب سے آواز آئی کہ اے عبدالقادر کیا چالیس دن میں میری رحمت ختم ہو گئی؟ اندازہ لگاؤ وہ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہے۔

مؤمن جنت کی امید چھوڑ دے اور کافر جنت کی امید کرنے لگے اگر:

ایک دو حدیث اور سنا دیتا ہوں؛ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لو یعلم المؤمن ما عند اللّٰہ من العقوبۃ ما طمع بجنتہ و لو یعلم الکافر ما عند اللّٰہ من الرحمۃ ما قنط من جنتہ احد. متفق علیہ

[کہ اگر ایمان والا یہ جان لے کہ اللہ کی پکڑ کیسی ہے، اللہ کی سزا کیسی ہے تو کوئی بھی جنت کی امید نہ کرے اور اگر کافر کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کی رحمت کیسی ہے تو وہ بھی جنت کی امید لے کر بیٹھ جائے اور اس کی جنت سے مایوس نہ ہو اور امید کرنے لگے کہ مجھے بھی ضرور جنت ملے گی]

حالانکہ کافر کو جنت نہیں ملے گی لیکن اگر وہ اللہ کی رحمت کو دیکھ لے تو وہ بھی جنت کی طمع کرنے لگے، اللہ تعالیٰ اتنے زیادہ رحمت والے ہیں۔ اور اگر ایمان والے کے سامنے اللہ کے جلال کا مظہر سامنے آ جائے تو وہ کہے کہ مجھے جنت ملنے والی نہیں ہے،

جنت کی امید چھوڑ بیٹھے، اللہ اتنے جبار اور قہار بھی ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے کیا خوب فرمایا:

تو دو چیزیں ہیں اللہ کی رحمت اور اللہ کا عذاب۔ ہم دونوں چیزوں کو ساتھ لے کر چلیں، دونوں کو پیش نظر رکھیں۔ ہمارے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بڑی عجیب بات کہی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جوانی میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی صفت جلال کو زیادہ پیش نظر رکھنا چاہئے تا کہ اعمال میں سستی نہ آئے اور بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید زیادہ ہونا چاہئے کہ اب اللہ کے پاس جانا ہے۔

نزع کے وقت رحمت کی امید اور عذاب کا ڈر:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کو ملنے کے لئے تشریف لے گئے، ان کی نزع کی حالت چل رہی تھی، سلام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تم اس وقت اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ کے جاہ وجلال سے ڈر رہا ہوں اور اللہ کی رحمت کا امیدوار بھی ہوں، اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ مجھے بخش دے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے سے وہی معاملہ فرمائے گا جیسا اس نے اپنے رب سے گمان رکھا ہے، ان شاء اللہ۔ اللہ اسے عذاب سے بچائے گا اور اسے بخش دے گا اس لئے کہ اس نے اپنے رب سے ایسا ہی گمان رکھا ہے۔ جو دنیا میں اللہ سے ڈرتا ہے اور اپنے دل میں خوف الٰہی رکھے تو اللہ کی ذات عالی سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عذاب نہ دے گا۔

(معارف الحدیث: ۲/۴۲)

جنت تم سے بہت قریب ہے:

ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الجنة اقرب الی احدکم من شراک نعله و النار مثل ذٰلک.
(مشکوۃ:۱/۲۰۷)

[یعنی جنت آدمی کے جوتے کے تسمہ سے بھی قریب ہے اور جہنم بھی اتنی ہی قریب ہے۔]

یعنی اچھے اعمال میں سے کوئی عمل اللہ کو پسند آجائے جنت میں پہنچادے اور اگر خدانہ خواستہ کوئی براعمل کرلیا تو جہنم میں پہنچ سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو اللہ کی رحمت کا امیدوار رہنا چاہئے اور رحمت الٰہی کو متوجہ کرنے والے اعمال صالحہ ہیں۔ لہذا اعمال صالحہ میں لگا رہے، کون سا عمل اللہ کے یہاں مقبول ہوجائے اور وہ جنت میں جانے کا ذریعہ بن جائے۔ اسی طرح اللہ کے عذاب اور جہنم سے ڈرتے رہنا چاہئے اور جہنم میں لے جانے والی چیزیں کفر وشرک اور اللہ کی نافرمانیاں اور گناہ ہیں۔ الحمدللہ ہم کفر وشرک سے تو پاک ہیں، اب اس کے بعد گناہوں سے بچتے رہنا چاہئے، پتہ نہیں کون سا گناہ جہنم میں جانے کا ذریعہ بن جائے۔

اللہ تعالیٰ ماں سے زیادہ مہربان ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے، ان قیدیوں میں ایک عورت بھی تھی، اس کا بچہ گم ہوگیا تھا اور اس کے پستان سے دودھ ٹپک رہا تھا، ماں کی ممتا بے قرار تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح بھاگ رہی تھی، اتنے

میں اس نے ایک بچہ دیکھا تو اس کو اٹھالیا اور اپنے سینہ سے چپکا کر اس کو دودھ پلایا۔

اخذته فالصقته ببطنها و ارضعته

یہ منظر اور یہ حالت دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اترون هذه طارحةً ولدها فی النار

کیا یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ اور کیا یہ اس کام کے لئے تیار ہوگی؟ صحابہ نے کہا نہیں وہ اس پر تیار نہ ہوگی۔

فقال اللّٰه ارحم بعباده من هذه بولدها

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ عورت اپنے بچہ پر جتنی مہربان ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

(مشکوۃ:۲۰۷)

اللہ تعالیٰ اس چڑیا سے زیادہ مہربان ہیں:

ایک صحابی جن کا نام عامر رضی اللہ عنہ تھا۔ وہ بڑے تیر انداز تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک صحابی آئے، ان کے ہاتھ میں ایک چادر تھی اور چادر میں کچھ لپٹا ہوا تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آئے اور بیٹھ گئے، پھر کہنے لگے یا رسول اللہ! دیکھئے میں چادر میں کچھ لے کر آیا ہوں، انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آرہا تھا راستہ میں ایک درخت کے اوپر دیکھا، ایک چڑیا ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، مجھے وہ بچے بڑے پیارے لگے تو میں نے اس چڑیا کے بچوں میں سے ایک بچہ کو پکڑ لیا اور اس کو اپنی چادر میں لپیٹ

لیا۔ جب میں نے بچہ کو اپنی چادر میں لپیٹا تو اس کی ماں میرے سر پر منڈلانے لگی اور چکر لگانے لگی تو میں نے اسے بھی پکڑ لیا اور دونوں کو لے کر آیا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کو کھولا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اسے وہیں واپس رکھ کر آؤ۔ پھر فرمایا دیکھو یہ چڑیا اپنے بچہ پر اتنی مہربان ہے کہ بچہ کے خاطر خود بھی پکڑا گئی اور اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کی۔ خداوند قدوس اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ مہربان ہیں۔

اللہ تعالیٰ ستر (۷۰) ماؤں سے زیادہ مہربان ہیں:

ایک غزوہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، ایک عورت کو دیکھا جو آگ جلا رہی ہے اور سخت سردی بھی تھی اور اس کے گود میں بچہ بھی ہے۔ وہ عورت اس بچہ کو آگ کے قریب لے جاتی تا کہ بچہ کو گرمی محسوس ہو لیکن جب آگ کے شعلے بھڑکتے تو بچہ کو فوراً پیچھے ہٹا لیتی کہ بچہ جل نہ جائے، پھر شعلے نیچے ہو جاتے تو آگ کے قریب کر دیتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ منظر اور اس کی یہ حرکت دیکھ رہے تھے اتنے میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی میں آپ پر ایمان لاتی ہوں، آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اس عورت نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو بتایئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں سے زیادہ مہربان نہیں ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گردن مبارک جھکائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن اٹھائی اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھ مبارک سے آنسو جاری تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ستر ماؤں سے زیادہ مہربان ہیں مگر یہ کہ جو بندہ سرکشی اور بغاوت کرے اور لا الٰہ الا اللہ کا انکار کرے اس پر تو اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا۔

(ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: ۱/ ۲۰۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تہمت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قارون نے تہمت لگائی۔ قارون موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا، تورات کا حافظ اور بڑا مالدار تھا۔ جب اس کو زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے کہا گیا تو وہ مخالف ہو گیا اور ایک عورت کو لالچ دے کر تیار کیا اور اس کی صورت یہ بتائی کہ تو جا کر موسیٰ علیہ السلام سے کہہ کہ میرا شوہر سکرات کی حالت میں ہے، آپ کو کچھ کہنا چاہتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی بات قبول فرمائی اور اس کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے ہی اس عورت کے مکان میں داخل ہوئے اس نے دروازہ بند کر لیا۔ اس عورت نے شور مچانا شروع کیا (نعوذ باللہ، معاذ اللہ) موسیٰ نے میرے ساتھ بدکاری کی ہے۔ سب لوگ جمع ہو گئے، قارون تالیاں بجانے لگا اور کہنے لگا دیکھو دیکھو موسیٰ نے کیا کیا...... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس عورت سے فرمایا کہ اے اللہ کی بندی اللہ سے ڈر، کیوں خواہ مخواہ مجھ پر تہمت اور الزام لگاتی ہے۔ عورت کانپ گئی اور اس نے سچ سچ کہہ دیا کہ موسیٰ علیہ السلام بالکل پاک اور بالکل بے عیب ہیں، مجھے قارون نے لالچ دے کر بہکایا تھا اور اس نے یہ پلان بنایا تھا۔ اب لوگوں کو پتہ چل گیا اصل مجرم کون ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑا جلال آیا، جلالی نبی تھے اور اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا اے رب! اس نے خواہ مخواہ مجھے بدنام کیا، اے اللہ! تو اس سے بدلہ لے لے، انتقام لے لے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! جاؤ ہم زمین کو تمہارے لئے مسخر کر دیتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ قارون کو نگل جا اس کے مال و دولت کے ساتھ۔

اللہ کی قدرت دیکھو:

اب اللہ کی قدرت دیکھو، قارون زمین کے اندر دھنس گیا۔ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوریؒ فرمایا کرتے تھے ''زمین پھٹی قارون دھنسا، لعنت ہوئی ناکام ہوا'' یہ تو قارون کے لئے ہوا۔ اور فرماتے تھے ''زمین پھٹی، رحمت بنی، زمزم نکلا، کامیاب ہوا'' یہ معاملہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے ہوا۔ تو قارون کو زمین میں دھنسایا۔ جب قارون زمین میں دھنس رہا تھا تو وہ پکار رہا تھا اے موسیٰ بچاؤ، اے موسیٰ بچاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جلالی تھے، آپ نے فرمایا اے زمین اس کو اور دھنسا، اور دھنسا۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ (القصص: ۸۱)

[چنانچہ ہم نے قارون کو اور اس کے محل سرا کو اس کی شرارت بڑھ جانے کی وجہ سے زمین میں دھنسا دیا۔]

چنانچہ وہ دھنستا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔

اگر وہ ہمیں پکارتا تو ہم اسے بچالیتے:

قیامت تک وہ دھنستا جائے گا، معاملہ ختم ہو گیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے کہ اے موسیٰ! وہ دھنستا ہوا تمہیں پکار رہا تھا کہ اے موسیٰ بچاؤ! اے موسیٰ بچاؤ! اگر وہ ہمیں پکارتا کہ اے رب! مجھے بچالے تو میں اسے بچالیتا۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر ایسا مہربان ہے۔

ایک سو انسانوں کے قاتل کی مغفرت:

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا تم سے پہلی قوموں میں ایک شخص تھا، اس نے ننانوے انسانوں کو قتل کیا تھا۔ اس کے بعد اس کو ندامت ہوئی اور اپنے فعل اور گناہ سے توبہ کا خیال آیا تو اس نے لوگوں سے تحقیق کرنا شروع کی کہ اس وقت زمین اور دنیا میں کوئی بڑا عالم ہے تا کہ اس کے پاس جا کر توبہ کروں۔

فدل علیٰ راهب

[چنانچہ ایک راہب کا پتہ بتایا گیا۔] وہ اس راہب کے پاس گیا اور جا کر اس نے اپنی داستان بیان کی کہ میں نے ننانوے خون کیے ہیں **"فهل له من توبة"** [کیا اب اس کے لئے توبہ کی گنجائش ہے؟] **"فقال لا"** [راہب نے کہا نہیں۔] اتنے سنگین تو نے گناہ کئے ہیں کہ اس سے توبہ کی کوئی صورت نہیں۔ **"فقتله"** [اس نے اس کو بھی قتل کر دیا] اور ننانوے سے سو پورے کر دیے۔ اس کے دل میں پھر توبہ کا خیال آیا۔ اس لیے کہ ندامت اسے بہت تھی چنانچہ پھر لوگوں سے پوچھنا شروع کیا کہ کوئی عالم کا پتہ بتاؤ۔

فدل علیٰ رجل عالم

[چنانچہ ایک اور عالم کا نام بتایا گیا۔] وہ تلاش کرتا کرتا اس عالم کے پاس پہنچا اور اس سے کہا کہ اس نے سو انسانوں کو قتل کیا ہے **"فهل له من توبة؟"** [کیا اب میری توبہ کی کوئی صورت ہے؟] **"قال نعم و من يحول بينه و بين التوبة"** [ہاں ہاں، تیرے لئے توبہ ممکن ہے اور کون تمہارے اور تمہاری توبہ کے درمیان حائل ہوسکتا ہے؟] تمہاری توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے انتہا مہربان ہیں۔

جب بندہ ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ بندہ کے طلب میں دیر ہو سکتی ہے اللہ کے متوجہ ہونے میں دیر نہیں ہو سکتی اور اس سے کہا "انطلق الیٰ ارض کذا و کذا" فلاں فلاں جگہ چلا جا۔

اچھے لوگوں کی صحبت کا فائدہ:

"فان بھا اناسا یعبدون اللہ تعالیٰ" وہاں اللہ کے نیک بندے ہیں جو اللہ کی عبادت میں مشغول ہیں تو بھی وہاں چلا جا اور ان کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو جا۔ "و لا ترجع الی ارضک فانھا ارض سوء" اور اب اپنی بستی میں مت آنا کیونکہ یہ برائی کی جگہ ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ انسان کو اچھے ماحول میں اور نیک اور صلحاء کے پاس رہنا چاہئے۔ اہل خیر اور اہل علم اور اہل ورع کی صحبت انسان کے لئے نفع بخش ہوتی ہے اور اس کے برعکس جہاں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو، گناہ ہوتے ہوں وہاں انسان کو نہ جانا چاہئے۔ چنانچہ وہ شخص چلا۔ "فانطلق حتی اذا نصف الطریق اتاہ الموت" وہ شخص آدھے راستہ پر پہنچا تھا کہ اسے موت آ گئی، اب اس کے پاس رحمت اور عذاب کے فرشتے آ گئے اور باہم جھگڑنے لگے، رحمت کے فرشتوں نے کہا وہ اپنے دل سے توبہ کر کے اللہ کی طرف آیا ہے لہذا اس کی روح ہم قبض کریں گے اور اس کی روح کو ہم لے جائیں گے۔ ملائکۂ عذاب نے کہا اس نے تو زندگی بھر نام کے لئے بھی کوئی نیکی نہیں کی۔

زمین کی پیمائش کرو:

"فاتاھم ملک فی صورۃ آدمی" ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے

ایک فرشتہ انسان کی صورت میں آیا اوراس نے کہا ”قیسوا ما بین الارضین“ زمین کی پیمائش کرو، یہ شخص جس زمین کے قریب ہو وہی اس کی زمین ہوگی اوراس کو انہی میں سے شمار کرلو۔ انہوں نے زمین کی پیمائش کی، دونوں طرف ناپا تو نیک لوگوں کی زمین سے اس کا فاصلہ قریب نکلا۔ ”فقبضته ملائکة الرحمة“ لہٰذا ملائکۂ رحمت نے اس کی روح کو قبض کیا اور ایک صحیح روایت میں ہے نیک لوگوں کی طرف اس کا فاصلہ ایک بالشت کے بقدر قریب نکلا ”فجعل من اهلها“ تو اس کو انہیں نیک لوگوں میں شمار کیا گیا۔ اور ایک صحیح روایت میں ہے ”فاوحی الله تعالیٰ الیٰ هذه ان تباعدی و الیٰ هذه ان تقربی فغفر له“ اللہ تعالیٰ نے پہلی زمین کو جہاں سے وہ چلا تھا حکم دیا کہ تو دور ہو جا اور نیک لوگوں کی زمین کو حکم دیا کہ قریب ہوجا۔ لہٰذا نیک لوگوں کی طرف زمین کا فاصلہ کم نکلا اور برے لوگوں کی زمین کو حکم دیا کہ قریب ہوجا۔ لہٰذا نیک لوگوں کی طرف زمین کا فاصلہ کم نکلا اور برے لوگوں کی زمین کا فاصلہ زیادہ نکلا پس اس کی مغفرت کر دی گئی۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے ”فنادیٰ بصدره نحوها“ وہ زمین پر گرا تو اس نے کیا کیا؟ وہ اپنے سینہ کے بل گھسٹ کر نیک لوگوں کی زمین کی طرف بڑھا۔ مطلب یہ کہ جو اس کی بساط میں تھا، آخری دم تک اس پر عمل کیا۔ اس کی نیت پکی اور سچی توبہ کی تھی اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کی مغفرت کا یہ بہانا ہوگیا اور اس انداز سے اس کی مغفرت کردی گئی، یہ ہے اللہ کی رحمت۔

(بخاری، مسلم، ریاض الصالحین: باب التوبہ)

اللہ تعالیٰ مغفرت کے لئے بہانہ ڈھونڈتے ہیں:

ایک بزرگ نے بڑی عمدہ بات کہی، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس قدر مہربان ہیں کہ بندوں کی مغفرت کرنے کے لئے بہانہ تلاش کرتے ہیں۔ کوئی بھی بہانہ مل گیا تو

ان شاء اللہ اس کی مغفرت فرما دیں گے۔ عذاب دینے کے لئے بہانے تلاش نہیں فرمائیں گے۔مشہور ہے_____:

رحمت حق 'بہانہ' می جوید 'بہا' نہ می جوید

[حق تعالیٰ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے 'بہا' یعنی کثرت اور بہتات کی متلاشی نہیں ہوتی۔]

حق تعالیٰ کو بندے کا کون سا عمل پسند آجائے اور اس کی مغفرت کا فیصلہ ہو جائے۔

بنی اسرائیل کے ایک گنہگار نوجوان کا واقعہ:

امام غزالیؒ نے مکاشفۃ القلوب میں ایک عجیب قصہ نقل فرمایا ہے، اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ لگایئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہیں۔ بنی اسرائیل میں ایک آوارہ شخص تھا جو گناہ اور برے کاموں سے باز نہ آتا تھا، لوگوں نے اسے بہت سمجھایا مگر اس نے کسی کی نہ سنی، شہر کے لوگ اس سے تنگ آ گئے، سب نے مل کر اللہ کی بارگاہ عالی میں دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں بستی میں ایک فاجر اور بدکار شخص ہے اسے اس شہر سے باہر نکال دو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شہر میں تشریف لے گئے اور اس نوجوان کو اس شہر سے نکال دیا۔ وہ جوان وہاں سے ایک دوسرے گاؤں میں چلا گیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اسے وہاں سے نکالو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے وہاں سے بھی نکال دیا۔ وہ جوان اس کے بعد ایک غار میں چلا گیا۔ وہاں نہ کوئی انسان تھا نہ کوئی جانور اور نہ کوئی خلقت۔ وہ وہاں جا کر بیمار ہو گیا۔ اس کے پاس وہاں کوئی مددگار نہ تھا۔ وہ مٹی پر گر گیا اور اس نے اپنا سر مٹی پر رکھ لیا اور کہنے لگا اگر اس وقت میری ماں میرے پاس ہوتی تو وہ مجھ پر رحم کھاتی اور

میری اس ذلت پر روتی۔ اگر میرا باپ ہوتا تو میری مدد کرتا اور میری غم خواری کرتا۔ اگر میری بیوی یہاں ہوتی تو میری جدائی پر روتی، اگر میری اولاد میرے پاس ہوتی تو میرے جنازے پر روتی اور کہتی اے اللہ! ہمارے مسافر باپ پر رحم فرما اور اس کی مغفرت فرما، جو کمزور اور نافرمان اور گنہگار رہے جو اپنے وطن سے جلا وطن کیا گیا اور گاؤں میں دھکیلا گیا اور گاؤں سے غار میں ڈالا گیا اور اب آج غار سے آخرت کی طرف کوچ کر رہا ہے اور ہر چیز سے ناامید ہے۔ پھر کہنے لگا اے اللہ! تو نے مجھے میرے ماں باپ سے اولاد اور بیوی سے جدا کر دیا اپنی رحمت سے ناامید اور جدا نہ کر، یا اللہ! تو نے ان کی جدائیگی سے میرے دل کو جلایا ہے مگر میرے گناہوں کی وجہ سے مجھے دوزخ کی آگ میں مت جلا۔

اللہ نے اس کے گناہ معاف کر دئے:

وہ اسی حالت میں بے بس اور رحمتِ الٰہی کا امیدوار ہو کر مٹی پر پڑا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے ایک حور اس کی ماں کی شکل میں اور ایک حور اس کی بیوی کی شکل میں اور جنت کے چند غلمان اس کی اولاد کی شکل میں اور ایک فرشتہ اس کے باپ کی شکل میں اس کے پاس بھیج دئے۔ وہ سب اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور اس پر رونے لگے، وہ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ میرا باپ، میری ماں، میری بیوی اور میرے بچے میرے پاس حاضر ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد اس کی روح پرواز کر گئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ معاف کر کے پاک وصاف کر کے اس کو اپنے پاس بلا لیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی:

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں غار میں جاؤ وہاں ہمارا ایک دوست

فوت ہو گیا ہے، اس کے کفن دفن کا انتظام کرو۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ یہ تو وہی نوجوان ہے جس کو انہوں نے خدا کے حکم سے پہلے گاؤں کی طرف اور پھر گاؤں سے غار کی طرف نکالا تھا اور حوروں کو اس کے اردگرد بیٹھے ہوئے دیکھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: الٰہی! یہ تو وہی نوجوان ہے جس کو میں نے آپ کے حکم سے نکالا تھا، اب یہ کیا ماجرا ہے؟

غریب الوطن مسافر پر آسمان وزمین والے رحم کھاتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! میں نے اس پر رحم کیا اور اس کے گناہ معاف کر دئے اور حوروں اور فرشتوں کو اس کے اقارب کی شکل میں بھیج دیا۔ انہوں نے اس کی مسافرانہ حالت پر غم کھاتے ہوئے مجھ سے رحم کی درخواست کی۔ اے موسیٰ! جب کوئی غریب الوطن مسافر مرتا ہے تو آسمان اور زمین والے بھی اس پر رحم کھاتے ہیں تو میں کیوں رحم نہ کروں حالانکہ میں ارحم الراحمین ہوں، سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں۔

مسافر کی نزع کے وقت دل جوئی:

جب مسافر نزع کی حالت میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے فرشتو! یہ غریب الوطن مسافر ہے۔ اپنی اولاد، اہل وعیال اور والدین سے دور ہے۔ جب یہ مرے گا تو اس پر نہ کوئی روئے گا، نہ کوئی غم کھائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ اس کے باپ کی شکل میں اور ایک اس کی ماں کی شکل میں، ایک اس کے بچے کی صورت میں اور کسی فرشتہ کو اس کے اقارب کی صورت میں بھیج دیتا ہے۔ وہ سب اس کے پاس آتے ہیں وہ مسافر ان کو دیکھ کر خوش ہو جاتا ہے اور اسی خوشی اور مسرت کی حالت میں اس کی روح نکل جاتی ہے۔

قبر پر دعا کرتے رہتے ہیں:

پھر جب لوگ اس کا جنازہ لے جاتے ہیں تو فرشتے اس کے ساتھ جاتے ہیں اور اس کی قبر پر قیامت تک اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَللّٰہُ لَطِیۡفٌۢ بِعِبَادِہٖ (الشوریٰ: ۱۸)

[اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔]

بے شک اللہ رحیم وکریم ہے، ارحم الراحمین ہے، اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بیان نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر بھی رحم فرماوے۔ آمین

ایک دعا:

بزرگان محترم! تو دونوں صفتیں رحمت اور غضب کو یاد رکھو مگر اللہ کی صفت رحمت غالب ہے اور ایک دعا یاد کرلو، اسم اعظم ہے اور اس تصور کے ساتھ پڑھو کہ میں اللہ تعالیٰ کو اس کی تمام صفات کے ساتھ یاد کررہا ہوں "یا ذا الجلال و الاکرام" دونوں صفتیں آ گئیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جمیع صفات کو تقسیم کریں تو دو صفت بنتی ہیں صفت جلال اور صفت جمال۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رحمتوں سے مالا مال فرمائے، دنیا میں بھی اپنی رحمت ہم پر نازل فرمائے، قبر میں بھی اور حشر میں بھی اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمتوں سے بھرپور حصہ عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿۵﴾

زندگی کوغنیمت سمجھو موت سے پہلے

حضورﷺ نے ارشادفرمایا''اپنی زندگی کوموت سے پہلے غنیمت سمجھو۔''موت آ گئی،اب آدمی کچھ نہیں کرسکتا،اب نیکی کا کام کرنا چاہےتو بھی نہیں کرسکتا،اب موت کے وقت آدمی پچھتا تا ہے اورتمنا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر سے زندگی دے دےتو اب میں اچھے کام کروں گا۔لیکن دوستو!موت کا وقت بالکل متعین ہے جس کے لئے جووقت متعین ہے،ایک لمحہ آگے پیچھے ہونے والانہیں ہے۔

اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لاَ يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلاَ يَسْتَقْدِمُوْنَ. (الاعراف: ۳۴)

[جب موت کاوقت آجاتا ہےتونہ ایک منٹ آگے ہوسکتی ہے نہ پیچھے۔]

توجس نے نافرمانی میں زندگی بسرکی وہ موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگتا ہے، کہتاہے:اے میرے رب!مجھے دنیامیں بھیج دیجئے تاکہ میں نیک کام کرلوں۔ارشادہے: ﴿حَتّٰى اِذَا جَاءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ .﴾ [جب موت آجاتی ہےتو کہتاہےاے میرے رب!مجھے دنیامیں تھوڑی دیرمہلت دے دے۔] کیوں؟ ﴿لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا﴾ [اے اللہ!لوٹادے تاکہ اعمال صالحہ کرلوں۔لیکن اب مہلت ملنے والی نہیں ہے] قرآن کہتا ہے: ﴿اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا﴾ [یہ اس کے منہ کی ایک بکواس ہے جسے وہ کہے جارہاہے] یعنی اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے،وہ اس کے منہ کی ایک بکواس ہے،قیامت تک بھی اب اس کومہلت ملنے والی نہیں ہے۔ ﴿وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ.﴾ (المؤمنون:۹۹،۱۰۰) [اس کے آگے برزخ ہے(جسے ہم قبرکی زندگی کہتے ہیں) قیامت تک۔]

﴿۵﴾

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

زندگی کو غنیمت سمجھو موت سے پہلے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَنَسۡتَعِيۡنُهٗ وَنَسۡتَغۡفِرُهٗ وَنُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ يَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَشَفِيۡعَنَا وَحَبِيۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَ اَهۡلِ بَيۡتِهٖ وَاَهۡلِ طَاعَتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا كَثِيۡراً كَثِيۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ!

عن عمرو بن میمون الاودیؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ و سلم لِرَجُلٍ وَ هُوَ يَعِظُهٗ اِغۡتَنِمۡ خَمۡسًا قَبۡلَ خَمۡسٍ؛ شَبَابَکَ قَبۡلَ هَرَمِکَ، وَ صِحَّتَکَ قَبۡلَ سَقۡمِکَ، وَ غِنَاکَ قَبۡلَ فَقۡرِکَ، وَ فَرَاغَکَ قَبۡلَ شُغۡلِکَ وَ حَيَاتَکَ قَبۡلَ مَوۡتِکَ. (ترمذی شریف)

صدق الله مولانا العظيم و صدق رسوله النبى الكريم و نحن على ذلك من الشاهدين و الشاكرين و الحمد لله رب العالمين۔

اگر نعمتوں کی قدر نہ کی تو؟

بزرگو اور دوستو! ایک حدیث میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے، اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ [پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔] پانچ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں اس کے ختم ہونے سے پہلے اس سے

فائدہ اٹھالو، اس کی صحیح معنیٰ میں قدر کرلو۔ یہ ایسی نعمتیں ہیں کہ جن کے پاس یہ نعمتیں ہیں وہ ان کو معمولی سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ بہت بڑی نعمتیں ہیں، جب یہ نعمتیں نہیں رہیں گی پھر اس وقت ان کی قدر ہوگی، اور اس وقت افسوس کروگے مگر اس وقت افسوس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، سوائے حسرت اور افسوس کے کچھ حاصل نہ ہوگا، اس لئے آج جب کہ یہ نعمتیں حاصل ہیں ان کی قدر کرلو اور ان سے خوب فائدہ اٹھالو۔

زندگی کوغنیمت سمجھوموت سے پہلے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے درخواست کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے، اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ نصیحت فرمائی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ [پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو] ان پانچ نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے:

حَیَاتَکَ قَبْلَ مَوْتِکَ

[اپنی زندگی کوغنیمت سمجھوموت سے پہلے]

آج کی مجلس میں ان شاء اللہ اس نعمت کے متعلق کچھ باتیں عرض کروں گا، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مفید اور نافع باتیں کہلوائیں، اور ہم تمام کو اس پر عمل کی توفیق نصیب فرماوے۔ آمین

بزرگو! زندگی ایک ایسی نعمت ہے کہ جب تک یہ نعمت ہے انسان بقیہ نعمتوں سے بھی فائدہ اٹھاسکتا ہے اور اگر یہ نعمت نہیں رہی تو پھر کسی نعمت سے فائدہ نہیں اٹھاسکتا۔ ہمیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ جو زندگی والی نعمت دی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے،

زندگی کا ایک ایک سانس بہت قیمتی سرمایہ اور بہت ہی عظیم دولت ہے اور یہ زندگی گذرتی جاتی ہے۔اس کو روکے رکھنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔جس نے اس زندگی کو اچھے کاموں میں استعمال کرلیا، کار خیر میں لگادیا، اللہ کی فرمانبرداری والے کاموں میں زندگی کے قیمتی لمحات استعمال کر لئے، دین کے کاموں میں استعمال کر لئے وہ انسان کامیاب ہے، یا چلئے کم از کم دنیا کے کاموں میں استعمال کرلیا، بے کار وقت نہیں گذارا، کچھ نہ کچھ کام کرلیا اس کو بھی یہ حسرت نہ ہوگی کہ بے کار وقت ضائع کر دیا۔

کچھ نہ کچھ کرتے رہو:

حضرت شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ بہت بلند پایہ کے بزرگ گذرے ہیں، حضرت تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔ وہ کسی نوجوان کو دنیا کے کسی کام میں بھی مشغول دیکھتے تو بھی خوش ہوتے کہ چلو کسی نہ کسی کام میں تو مشغول ہے، بے کار وقت تو نہیں گذار رہا ہے۔

ہماری گجراتی میں ایک کہاوت مشہور ہے: ’’فرصتیو نکھودواڑے‘‘ یعنی جو فرصت میں ہوتا ہے وہ کچھ نہ کچھ اوندھا کرتا ہے۔ کیونکہ فرصت میں ہے، بے کار ہے، پتہ نہیں کیا کر گذرے، ہوسکتا ہے اچھے کام بھی کر لے۔ اگر آدمی اچھے کام میں لگا ہے، تلاوت کر رہا ہے، ذکر کر رہا ہے، ماں باپ کی خدمت میں مشغول ہے، مساکین اور محتاجوں اور اپاہجوں کی خدمت میں لگا ہوا ہے تو الحمد للہ بہت بہتر ہے، اللہ کا شکر ادا کرے۔لیکن جو شخص بے کار جو وقت گذارتا ہے یہ بہت خسارے میں ہے، اللہ اس سے ہم تمام کی حفاظت فرماوے۔

موت کا وقت مقرر ہے:

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه. (مشکوة: ۲/۴۱۳)

[آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ لایعنی اور بے کار چیزوں کو چھوڑ دے]

یعنی جس میں نہ دین کا فائدہ ہو اور نہ دنیا کا فائدہ ہو اس سے اپنے آپ کو بچائے۔تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا اپنی زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو۔ موت آگئی، اب آدمی کچھ نہیں کرسکتا، اب نیکی کا کام کرنا چاہے تو بھی نہیں کرسکتا، اب موت کے وقت آدمی پچھتاتا ہے اور تمنا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر سے زندگی دے دے تو اب میں اچھے کام کروں گا۔

لیکن دوستو! موت کا وقت بالکل متعین ہے جس کے لئے جو وقت متعین ہے، ایک لمحہ آگے پیچھے ہونے والا نہیں ہے۔

اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لاَ يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلاَ يَسْتَقْدِمُوْنَ. (الاعراف: ۳۴)

[جب موت کا وقت آجاتا ہے تو نہ ایک منٹ آگے ہوسکتی ہے نہ پیچھے۔]

مہلت کی درخواست:

تو جس نے نافرمانی میں زندگی بسر کی وہ موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگتا ہے، کہتا ہے اے میرے رب مجھے دنیا میں بھیج دیجئے تا کہ میں نیک کام کرلوں۔ ارشاد ہے: ﴿ حَتّٰى اِذَا جَاءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ . ﴾ [جب موت آجاتی ہے تو کہتا ہے اے میرے رب مجھے دنیا میں تھوڑی دیر مہلت دے دے۔]

کیوں؟ ﴿لَعَلِّیٓ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِیۡمَا تَرَکۡتُ کَلَّا ﴾ [اے اللہ! لوٹا دے تا کہ اعمال صالحہ کرلوں۔لیکن اب مہلت ملنے والی نہیں ہے] قرآن کہتا ہے: ﴿اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا﴾ [یہ اس کے منہ کی ایک بکواس ہے جسے وہ کہے جا رہا ہے] یعنی اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، وہ اس کے منہ کی ایک بکواس ہے، قیامت تک بھی اب اس کو مہلت ملنے والی نہیں ہے۔ ﴿وَمِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ. ﴾ (المؤمنون:۹۹،۱۰۰) [اس کے آگے برزخ ہے (جسے ہم قبر کی زندگی کہتے ہیں) قیامت تک۔]

اب وقت ملنے والا نہیں ہے اب تو قبر کی زندگی شروع ہوگی۔اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ

”جس پر حج فرض تھا اور اس نے حج نہیں کیا تو وہ موت کے وقت تمنا کرے گا کہ اے اللہ میری زندگی بڑھا دے تا کہ میں حج کا فریضہ ادا کرلوں۔پھر آپ نے یہی آیت پیش کی۔“

حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ . لَعَلِّیٓ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِيۡمَا تَرَکۡتُ کَلَّا .

تو کسی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے عرض کیا کہ یہ آیت تو کافروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، وہ موت کے وقت یہ تمنا کریں گے نہ کہ مؤمنوں کے بارے میں۔تو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا اچھا میں تم کو ایمان والوں کے بارے میں آیت بتلائے دیتا ہوں، پھر آپ نے سورۂ منافقون کی آیت تلاوت فرمائی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡهِكُمۡ اَمۡوَالُكُمۡ وَلَآ اَوۡلَادُكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَمَنۡ

يَّفعَلُ ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ. (المنافقون: ۹)

[اے ایمان والو! تم کو تمہاری اولاد اور تمہارے اموال اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں، ہلاکت میں نہ ڈال دیں، اور جس کے مال واولاد نے اس کو ہلاکت میں ڈال دیا، یعنی ان چیزوں کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو گیا، وہ خسارے والے ہیں۔]

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ﴾ [اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرلو اس سے پہلے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے] جب موت آجائے گی تو اس وقت کہے گا: ﴿ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَا اَخَّرْتَنِيْ اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ﴾ [اے اللہ! اے میرے رب! مجھے تھوڑی سی مہلت دے دیجئے۔] کیوں؟ ﴿فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ. ﴾ [تاکہ میں صدقہ کرلوں اور صالحین میں سے ہو جاؤں،] مسجد بنالوں، مدرسہ بنالوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَاءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ. ﴾ (المنافقون: ۱۰، ۱۱) [جب موت کا وقت قریب آجاتا ہے تو ایک منٹ نہ آگے ہوسکتا ہے نہ پیچھے، اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی سب خبر ہے۔]

موت کے استحضار کی ضرورت ہے:

تو یہ زندگی بہت بڑی دولت ہے۔ اسی بنیاد پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”زندگی کو غنیمت سمجھو موت سے پہلے“۔ ہر شخص کو قیامت کے دن جزا وسزا ملے گی۔ کسی نے خوب کہا ہے ____:

تیرے کاموں کے ملیں گے تجھ کو پھل
جو کچھ بوئے گا آج، کاٹیگا کل

جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حشر صالحین میں فرماوے، ہم سب کا ایمان تو یہ ہے کہ ایک دن ضرور مرنا ہے لیکن مستحضر نہیں رہتا، ہم اس کو بھول جاتے ہیں، جس کو اس بات کا استحضار حاصل ہو جائے تو اس کے لئے نیک کام کرنا آسان ہو جاتا ہے، اسی طرح گناہ اور برائیوں سے بچنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

دنیا کی نعمت فانی ہے اور آخرت کی نعمت باقی رہنے والی اور دائمی ہے:

لیکن کافر شخص دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھتا ہے، وہ آخرت کو مانتا ہی نہیں۔ یہ عقیدہ کا بہت بڑا فرق ہے۔ ہم روزانہ نماز میں پڑھتے ہیں:

مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ.

[اللہ تعالیٰ ہی روز جزا کا مالک ہے۔]

اللہ تعالیٰ وہاں جو نعمتیں دیگا وہ دائمی ہوں گی اور یقیناً ملیں گی ان شاء اللہ۔ دنیا کی نعمت یقینی بھی نہیں، آج کوئی شخص عالیشان بنگلہ دے دے کل واپس بھی لے لے یا دینے کا وعدہ کرے اور پھر نہ دے اور اگر بنگلہ دے بھی دیا تو وہ دائمی نہیں، کوئی آسمانی بلا آجائے تو وہ فنا بھی ہوسکتا ہے۔ تو دنیا کی نعمت فانی ہے اور آخرت کی نعمت باقی ہے، اس پر زوال نہیں ہے، فنا نہیں ہے۔

دنیا کی زندگی کی مثال:

اور آخرت کی زندگی کتنی طویل ہوگی، اس کا انسان اندازہ ہی نہیں لگا سکتا۔ اس

زندگی کا کوئی کنارہ ہی نہیں ہے۔ایک بہت طویل حدیث ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسا کہ کوئی سمندر میں اپنی ایک انگلی ڈالے اور پھر نکالے تو انگلی پر کتنی تری ہوگی؟ کتنا پانی ہوگا؟ بس جتنی تری ہوتی ہے اتنی دنیا کی زندگی ہے، اور باقی پانی کی مثال آخرت کی زندگی ہے۔اور یہ بھی محض سمجھانے کے لئے ہے ورنہ آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کی مثال اتنی بھی نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوچھے گا:

کَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْن. قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَاسْئَلِ الْعَادِّیْن. (المؤمنون: ۱۱۲، ۱۱۳)

[تم دنیا میں کتنے دن رہے؟ وہ کہیں گے ایک دن یا ایک دن کا بھی کچھ حصہ رہے۔]

تو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی ہیچ ہے، وہ ابدالآباد کی زندگی ہے۔

دوسری مثال:

اس کو سمجھانے کے لئے ہمارے حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوریؒ ایک مثال دیا کرتے تھے کہ زمین وآسمان کے درمیان کے خلاء کو رائی سے بھر دیا جائے (رائی کے دانے کتنے چھوٹے ہوتے ہیں، آپ حضرات جانتے ہیں) آسمان وزمین کے درمیان کھربوں، بلینوں دانے آجائیں گے اور اس کے بعد یہ سمجھو کہ ایک پرندہ کو اس پر بٹھا دیا جائے اور وہ ایک سال میں ایک رائی کا دانہ اٹھا کر لے جائے، پھر ایک سال کے بعد دوسرا دانہ اٹھا کر لے جائے، اس طرح ایک ایک سال میں ایک ایک دانہ اٹھاتا رہے،

کیا آپ اندازہ اور حساب لگا سکتے ہیں کہ وہ دانے کتنے سال میں ختم ہوں گے؟ لیکن یہ متعین ہے کہ ایک نہ ایک دن ضرور ختم ہو جائیں گے؛ اس لئے کہ چاہے وہ کروڑوں ہیں، مگر محدود ہیں، لیکن مرنے کے بعد کی جو زندگی ہے وہ لامحدود ہے وہ کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے، یہ دانے ختم ہو جائیں گے مگر آخرت کی زندگی کبھی ختم نہ ہوگی۔

قرآن بار بار کہتا ہے:

﴿خَالِداً فِیۡهَا﴾ ﴿خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا اَبَداً﴾ ﴿اَصۡحَابُ الۡجَنَّةِ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ﴾

جنتی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اسی طرح جہنم کی زندگی ہے۔ جہنمی جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنتی جنت میں آرام سے رہیں گے اور جہنمی جہنم میں تکلیف اور عذاب میں رہیں گے۔

تمام عالموں میں عالم دنیا سب سے زیادہ اہم ہے:

وہاں کی راحت اور سکون کی دنیا میں کوئی مثال نہیں دے سکتے، لیکن دنیا کی زندگی وہاں کی زندگی کے مقابلہ میں بہت اہم ہے اس لئے کہ اسی دنیا کی زندگی سے وہاں کی زندگی بنتی ہے۔ انسان سفر میں ہے، ہم دنیا اور دنیا کے گھروں کو اصلی گھر نہ سمجھیں۔ پہلے عالم ارواح میں تھے، پھر عالم رحم مادر میں منتقل ہوئے، اس کے بعد اس عالم دنیا میں آئے اور اس عالم دنیا سے عالم برزخ میں جائیں گے اور عالم برزخ سے عالم حشر و نشر میں۔ پھر ایمان والے ان شاء اللہ جنت میں جائیں گے اور کفار جہنم میں۔ تو یہ بہت سارے عالم سے گذر کر جنت میں پہنچیں گے اور وہ آخری مقام ہوگا ان شاء اللہ۔ پھر

وہاں سے کسی اور جگہ منتقل نہیں ہونا ہوگا۔ ان تمام عالموں سے یہ عالم دنیا سب سے اہم ہے، اسی عالم میں انسان کو اپنا فیصلہ کرنے کا موقع دیا جاتا ہے کہ آئندہ اسے کہاں جانا ہے؟ یہ بہت زبردست چانس (CHANCE) ہے۔ یہ چانس اور یہ موقعہ اگر ہاتھ سے نکل گیا اور اس زندگی کو غفلت اور خدا فراموشی میں گذار دیا تو بہت حسرت سے گذرنا ہوگا اور وہاں کی حسرت کچھ مفید نہ ہوگی۔ اس لئے دوستو! ہم کو اللہ پاک نے جو موقع اور چانس دے رکھا ہے اس کو ہم بہت غنیمت سمجھیں اور اس کی قدر کر لیں، دار العمل یہی ہے یعنی دنیا کی زندگی۔

ستر ہزار قرآن ایک سبحان اللہ کے بدلہ میں:

ایک بزرگ کسی قبرستان سے گذر رہے تھے، ان پر ایک قبر کا حال منکشف ہوا۔ یہ اللہ والوں کا حال ہے، اللہ تعالیٰ گاہے گاہے اپنے نیک بندوں پر غیب کی چیزیں کھول دیتے ہیں۔ اس میں ہم جیسوں کے لئے بڑا اسبق ہوتا ہے اور ہمارے لئے بیدار ہونے کا ایک الارم (Alarm) ہوتا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ صاحبِ قبر اپنی قبر میں قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہے۔ اب دونوں کا کنکشن شروع ہوا، دنیا والے بزرگ نے ان سے فرمایا ہم نے تو سنا ہے کہ مرنے کے بعد کوئی عمل نہیں، قبر یا تو جنت کا باغیچہ ہے یا جہنم کا گڈھا، اعمال صالحہ ہے تو ان شاء اللہ جنت کا باغ، کفر اور بداعمالیاں ہیں تو جہنم کا گڈھا اور آپ اب بھی قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہیں۔ صاحبِ قبر نے جواب دیا جب کوئی شخص دنیا سے عالم برزخ میں قدم رکھتا ہے تو پہلے اس سے تین سوال ہوتے ہیں، جب وہ ان تین سوالوں کا صحیح صحیح جواب دے دیتا ہے اس کے بعد اس سے کہا جاتا ہے کہ

تمہیں قبر میں اپنا وقت قیامت تک انتظار میں گذارنا ہے، جب دنیا والے سب آ جائیں گے تو آخرت قائم ہوگی، حشر ونشر ہوگا، حساب وکتب ہوگا۔ لہذا یہ قبر تمہارے لئے ویٹنگ روم ہے، انتظار کرنا ہے، تمہیں دنیا والوں کا انتظار کرنا ہے۔ اگر تمہارا کوئی محبوب مشغلہ ہو تو بتاؤ تمہیں یہاں اس کی اجازت دے دی جائے گی۔ میں چونکہ دنیا میں قرآن مجید سے بڑی محبت رکھتا تھا، رات دن جب بھی موقع ملتا قرآن مجید کی تلاوت کرتا تھا، قرآن مجید کا عاشق زار تھا۔ میں نے عرض کیا اگر مجھے قرآن مجید کی تلاوت کی اجازت مل جائے تو یہ میرے لئے بہت کچھ ہے۔ چنانچہ مجھے اجازت مل گئی اس لئے ہر وقت قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہتا ہوں۔ اس کے بعد صاحبِ قبر نے ان بزرگ سے کہا میں یہاں الحمدللہ ستر ہزار قرآن ختم کر چکا ہوں، میں یہ تمام کے تمام آپ کو دیتا ہوں، آپ اس کے بدلے میں مجھے صرف ایک مرتبہ آپ کے ''سبحان اللہ'' کہنے کا ثواب دے دیجئے۔ دنیا والے بزرگ کہتے ہیں میں بے حد متحیر ہوا اور میں نے قبر والے بزرگ سے کہا یہ تو بڑا سستا سودا ہے، آپ اس پر کس طرح تیار ہو گئے، بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے؟ قبر والے بزرگ نے فرمایا بات اصل میں یہ ہے کہ تم جہاں سے مجھ سے بات کر رہے ہو وہاں سبحان اللہ کا بڑا ثواب ہے، وہ دارالعمل ہے اور یہاں ستر ہزار قرآن شریف ختم کرنے کا ثواب ایک مرتبہ سبحان اللہ کے برابر بھی نہیں۔ اللہ اکبر! اندازہ لگائیے ہماری یہ زندگی کس قدر قیمتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی صحیح قدردانی توفیق عطا فرماوے۔

(ماخوذ از اصلاحی بیانات: حضرت مولانا مفتی عبدالرؤوف صاحب سکھروی)

سب سے بہتر اور سب سے بدتر شخص:

ایک حدیث میں ہے، حضرت ابوبکرہؓ فرماتے ہیں:

ان رجلاً قال یا رسول اللہ ای الناس خیر

[کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے بہتر شخص کون ہے؟]

بڑا اچھا اور کام کا سوال ہے۔ اللہ تعالیٰ صحابہ ؓ کو جزائے خیر عطا فرمائے، انہوں نے امت کے لئے بہت اہم اہم چیزیں سوال کر کے جمع فرمادی ہیں۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من طال عمره و حسن عمله

[وہ شخص جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے اعمال اچھے ہوں۔ یہ سب سے بہتر شخص ہے۔ اس کے بعد اس شخص نے پوچھا:]

قال فای الناس شر قال من طال عمره و ساء عمله.

(مشکوۃ: ۴۵۱)

[سب سے بدتر شخص کون ہے؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے اعمال برے ہوں۔]

تو عمر لمبی ہو اور نیک اعمال ہوں تب تو یہ عمر اس کے لئے خیر کا ذریعہ ہے؛ لیکن اگر اعمال برے ہوں تو عمر کے طویل ہونے کی وجہ سے گناہوں میں اضافہ اور زیادتی ہوتی چلی جائے گی، اس لئے اگر ہم بچوں کو طویل عمر کی دعا دیں تو اس طرح دعا دیں اللہ تعالیٰ نیک اعمال کے ساتھ تمہاری عمر دراز فرمائے۔

صرف آٹھ دن کا فرق:

حدیث شریف میں ایک واقعہ آتا ہے، حضرت عبید بن خالد ؓ فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان مواخاۃ فرمائی یعنی دونوں میں بھائی چارگی کا تعلق قائم فرمایا۔ شروع میں جب صحابہؓ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو چونکہ سب کچھ مکہ مکرمہ میں چھوڑ کر ہجرت کر کے آئے تھے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے کسی باشندے کے ساتھ، انصار مدینہ میں سے کسی کے ساتھ اسے جوڑ دیتے تھے اور ان کے درمیان مواخاۃ فرماتے تھے۔ وہ دونوں اس کے بعد بھائی کی طرح رہتے تھے۔

فقتل احدهما فی سبیل اللّٰه

ان دونوں میں سے ایک ساتھی اللہ کے راستہ میں شہید ہو گئے، شہادت کا مرتبہ پایا۔ پھر اس کے ایک ہفتہ کے بعد دوسرے صاحب کا بھی انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور دفن کر دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، تم نے ان کے متعلق کیا کہا؟ تم نے کیا دعا دی؟ حضرات صحابہؓ نے عرض کیا ہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ ان کی مغفرت فرما اور ان پر رحم فرما اور ان کو ان بھائی کے ساتھ ملا دے۔

فقال النبی ﷺ فاین صلوته بعد صلوته و عمله بعد عمله

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پہلے ساتھی کی شہادت کے بعد انہوں نے ایک ہفتہ تک نمازیں پڑھیں، اعمال صالحہ کئے، ان کا کیا ہوگا؟ ان کا اجر وثواب کہاں جائے گا؟ انہوں نے ان کے بعد روزے رکھے، ان روزوں کا ثواب کہاں جائے گا؟

لما بینهما ابعد مما بین السماء و الارض.

(مشکوۃ: ۲/۴۵۱)

ارشاد فرمایا: ان دونوں کے درمیان آسمان اور زمین کے درمیان برابر فرق ہے، ان کے اعمال صالحہ کی زیادتی کی وجہ سے، نماز کی زیادتی، روزوں کی زیادتی کی وجہ سے ان دونوں کے درجہ کے درمیان وہ فاصلہ ہوگا جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ اللہ اکبر! آپ حضرات نے اس واقعہ پر غور فرمایا۔ پہلے ساتھی شہید ہوئے، ان کو شہادت کا درجہ مل گیا اور دوسرے ساتھی کا اپنے بستر پر انتقال ہوا۔ صرف آٹھ دن کا فرق ہے، اتنے تھوڑے سے دنوں کے فرق کی وجہ سے درجوں میں کس قدر فرق پڑ گیا۔ لہذا جس شخص کو اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما رہے ہیں یہ اللہ کی عظیم الشان نعمت ہے۔ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے۔

جو زندگی ملی اسے غنیمت سمجھیں:

محترم بزرگو اور مخلص دوستو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب قیامت کی بہت ساری پیشن گوئیاں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک وقت کی بے برکتی بھی بیان فرمائی ہے۔ آج دیکھ لیجئے، ہمارا اور آپ کا وقت کس تیزی کے ساتھ گزر جاتا ہے، پتہ بھی نہیں چلتا، یہ وقت کی بے برکتی ہے۔ اس کا بھی تقاضہ یہ ہے کہ وقت کا صحیح استعمال کیا جائے۔ وقت کی ایک خاص بات یہ ہے کہ گزرنے کے بعد وقت واپس نہیں آتا، جو وقت گزر گیا سو گزر گیا اگر بچپن گزر گیا تو بچپن پھر کبھی واپس نہیں آتا، کوئی اپنے بچپن کو کتنا ہی کیوں نہ یاد کرے اور اس کی واپسی کی تمنا کیوں نہ کرے وہ واپس نہیں آسکتا۔ اسی طرح جوانی جب چلی جاتی ہے تو کسی قیمت پر واپس نہیں لوٹتی، چاہے انسان اس کی کتنی ہی خواہش کیوں نہ کرے۔ یہ بتلاتا ہے کہ ہمیں ہماری جوانی کی قدر کرلینی چاہئے، اسے نیکی

کے کاموں میں اللہ کی رضا والے کاموں میں لگانا چاہئے۔عربی کا ایک شعر ہے:

الا لیت الشباب یعود :: فاخبره بما فعل المشیب

ایک عرب شاعر نے کتنی حسرت و یاس کے ساتھ اپنی جوانی کی واپسی کی تمنا کی ہے، وہ کہتا ہے، اے کاش! جوانی لوٹ آتی تو میں اسے بتاتا کہ بڑھاپے نے کیا کیا ستم ڈھائے ہیں۔حیرت اور بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ وقت گزرنے کے بعد اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ ہم نے کتنا لمبا عرصہ گزار دیا بلکہ طویل عرصہ اور عمر کا ایک بڑا حصہ گزارنے کے بعد بہت ہی مختصر لگتا ہے۔

معزز حاضرین! ''ما ہر چہ کردیم شما حذر بکنید'' ایک اللہ والے،صاحب دل-اس سے میری مراد حضرت مولانا اسلام الحق صاحب نور اللہ مرقدہ ہیں- ان سے ایک مرتبہ عرض کیا حضرت کچھ نصیحت فرمایئے ،تو ایک گہری سانس لینے کے بعد بڑے افسوس سے فرمایا، ''بھائی! میں کیا نصیحت کروں میرا بڑھاپا خود ایک نصیحت ہے، زندگی ویسے ہی گزر گئی''۔حالانکہ حضرت کی پوری زندگی قرآن وحدیث کے مشغلہ میں گزری۔حقیقت میں دوستو! جب انسان موت کے قریب ہوتا ہے تو زندگی کے ساٹھ، ستر سال گزارنے کے بعد بھی اسے یوں لگتا ہے جیسا کہ وہ ابھی ہی دنیا میں آیا تھا،ابھی تو وہ بچہ تھا،ابھی جوان ہوا کہ بڑھاپے سے سابقہ بھی پڑ گیا۔جیسے علماء نے لکھا ہے کہ حضرت نوحؑ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی عمر عطا فرمائی تھی، ساڑھے نوسو سال تو قرآن کریم نے ان کے قوم میں تبلیغ کرنے کے ذکر فرمائے ہیں۔تفسیر ابن کثیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ حضرت نوحؑ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور نبوت کے بعد

ساڑھے نوسو سال اپنی قوم کوتبلیغ کی،طوفان کی عالمگیر ہلاکت کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے۔میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی طویل عمر عطا فرمائی تھی، اس کے باوجود بھی جب موت کا فرشتہ آپ کی روح قبض کرنے کے لئے آیا تو اس نے آپؑ سے سوال کیا آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟اس پر حضرت نوحؑ نے فرمایا،اس گھر کی طرح پایا جس کے دو دروازے ہوں، میں ایک دروازہ سے داخل ہوا اور دوسرے دروازہ سے باہر نکل آیا۔میرے بزرگو!غور کیجئے کہ حضرت نوحؑ کو ہزار سال سے زائد طویل عمر کا حصہ بھی موت کے وقت پل بھر محسوس ہوا،اس کے مقابلہ میں ہماری عمریں تو بہت ہی مختصر ہے،کسی نے خوب کہا ہے،ہر انسان اپنی عمر اور زندگی کی پشت پر سوار ہو کر ایک ایسے سفر پر رواں دواں ہے جو اسے منٹوں اور گھنٹوں اور ہفتوں اور مہینوں اور سالوں کے ذریعہ فنا کے گھاٹ اتار رہا ہے،وہ ہر آن،روزانہ،صبح وشام اس حال میں گزار رہا ہے کہ دنیا سے دور ہو رہا ہے اور قبر سے قریب سے قریب تر ہو رہا ہے۔کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے____:

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

محترم بھائیو!اگرچہ دورِ جدید کا انسان بڑے دعوے کے ساتھ کہتا ہے کہ سائنس وٹکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے زندگی کے مختلف میدانوں میں کام کرنے کا موقعہ فراہم ہونے کی وجہ سے آج کا انسان بہت زیادہ مصروف ومشغول ہو گیا، ہر طرف سے very busy کی صدائیں سنائی دے رہی ہیں،مگر بڑے افسوس وحسرت وقلق کے ساتھ کہوں گا اگر آپ حضرات بھی بہت گہرائی کے ساتھ اس بات کا تجزیہ اور سروے (survey) کروگے تو اس نتیجہ تک پہنچنا کچھ مشکل نہیں ہوگا بلکہ آپ حضرات بھی میرے ساتھ اس

بات پر متفق ہوں گے، دور حاضر کے انسان کا وقت بڑے پیمانہ پر لغویات اور گناہوں کے کاموں میں ضائع ہورہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں ایسے ایسے آلات ایجاد کر لئے گئے ہیں جو ہر حال میں انسان کے وقت کو ضائع کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے، مثال کے طور پر ٹی وی کو لے لیجئے، تفریح کے اتنے سارے چینل شروع ہو گئے کہ بہت سے لوگ اکثر اپنے فارغ اوقات ان پر لگا دیتے ہیں۔ بعض لوگ فلمیں دیکھتے رہتے ہیں، کیونکہ ۲۴ر گھنٹے چینلوں پر چلتی رہتی ہیں۔ بعض لوگ جو تفریحی پروگرام کے دلدادہ ہوتے ہیں ان کو ان کے مطلب کے مختلف چینلوں پر بہت پروگرام مل جاتے ہیں، عورتیں جن کی ذمہ داری امور خانہ داری کے ساتھ مزید بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش کی ذمہ داری بھی ان کے سر ہوتی ہے وہ سب کام کاج چھوڑ کر سیریل دیکھنے لگ جاتی ہیں، مگر سیریل ایک کے بعد ایک چلتے رہتے ہیں، رپورٹوں کے مطابق ایک ایک سیریل سالوں سال چلتا رہتا ہے، کہانیاں لمبی ہوتی رہتی ہیں، ان کہانیوں کو کچھ اس انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ دیکھنے والا ان سے چپکا اور بندھا رہتا ہے، اس ٹی وی نے مردوں عورتوں کو ہی نہیں بلکہ ہمارے معصوم نونہال بچے جن کی عمر پڑھنے لکھنے اور کچھ سیکھنے سکھانے کی ہوتی ہے، ان کے لئے کارٹونوں کے چینل چلتے رہتے ہیں چونکہ یہ کارٹونوں کے پروگرام بچوں کے دل ودماغ کا خیال رکھ کر ان کی پوری دل چسپی کا سامان لئے ہوئے ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے قرآن کریم واسلامی تعلیمات تو دور کی بات ہے، بچے ہوم ورک (Home Work) بھی نہیں کر پاتے، بچوں کے کھیلنے کودنے کا وقت جس سے ان کی صحت ونشو ونما پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے مگر یہ ننھے مُنّے بچوں کا وقت ان کارٹونوں کی سیریل کی وجہ سے ضائع

و برباد ہو جاتا ہے، میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ پہلے ہم ٹی وی کا رونا روتے تھے جس میں پانچ سات چینل ہوتے ہیں اب تو انٹرنیٹ (Internet) آگیا ہے، جو ستم بالائے ستم کا مرادف ہے۔ یہی معاملہ ریڈیو کا بھی ہے، اس میں ایسے ایسے پروگرام ہوتے ہیں کہ خدا کی پناہ، خدا کی پناہ۔ آج کل اخبارات و میگزین بھی کسی سے پیچھے نظر نہیں آتے، کیوں کہ اخبارات میں عام طور پر دو چار صفحات ایسے ہوتے ہی ہیں جن میں عریاں و فحاش تصاویر شائع کی جاتی ہیں اور ایسا مواد ہوتا ہے جو نوجوان کو ہی نہیں بلکہ بڑے بوڑھے حضرات کے دماغ میں بھی ہیجان پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح کھیل کود کے ایسے پروگرام ہوتے ہیں جن کے ذریعہ ہر عمر کے لوگوں کا وقت ضائع ہو رہا ہے، مثال کے طور پر مختلف کھیلوں کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ بعض کھیل ایسے بھی ہیں کہ اگر تھوڑی دیر کی ورزش کے لئے ہو تو اس کی اپنی افادیت کا انکار نہیں؛ لیکن صرف کھیلوں کو دیکھنا اور واہ واہ کرنا کسی بھی صورت میں دانشمندی کی بات نہیں ہے۔ مثلاً آج کے موجودہ دور میں ہمارے ایشین لوگوں میں کرکٹ کا جادو ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا، افریقہ وغیرہ کے لوگوں کے سروں پر سر چڑھ کر بول رہا ہے، ہزاروں لوگ براہِ راست اچھے خاصے پیسے خرچ کر کے اسٹیڈیم میں کرکٹ دیکھنے کے لئے پاگل ہوتے ہیں، اور جو نہیں جاتے وہ حضرات مرد عورتیں ہزاروں کی تعداد میں گوندلگا کر ٹی وی پر چپکے ہوتے ہیں، اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ کھیل پورے دن کا ہوتا ہے، اس لئے پورا دن ضائع ہوتا ہے۔ بعض اوقات ٹیسٹ کی شکل میں پانچ دن تک کھیل چلتا رہتا ہے بعض اخبارات اور دوستوں سے معلوم ہوا کہ آج کل انٹرنیشنل کرکٹ کا کھیل پورے سال کسی نہ کسی ملک میں چلتا رہتا ہے، ۲۰×۲۰ میچز

نے نوجوان نسل کواپنے نشہ میں مدہوش کررکھا ہے،میرے دوستو!میری گفتگوطویل ہوگئی، لیکن یہ ایک ایسا ناسور ہے جس نے پوری امت کو بیمار بنارکھا ہے،اورامت کے وقت کو صلاحیتوں کو برباد کررکھا ہے،اللہ کرے میری بات سب کی سمجھ میں آجائے اورامت اس بہت بڑے فتنہ سے بچ جائے۔

وقت کا صحیح استعمال کیسے کریں:

وقت کے صحیح استعمال کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے صحیح مقصد کے حصول کے لئے اپناوقت لگائے، نیکی کے کاموں میں وقت خرچ کرے، دوسروں کی مدد میں وقت لگائے،اللہ تعالیٰ کی عبادت میں وقت لگائے،ان علوم وفنون وصنعت وحرفت وہنر کے سیکھنے سکھانے میں اپنے وقت کولگائے جن کے ذریعہ اپنی زندگی کو دنیاوآخرت میں کامیاب بنایاجاسکے،جن کے ذریعہ انسانیت کی خدمت کی جاسکے۔

میرے مخلص بھائیواور دوستو! ٹھنڈے دل سے سوچو،کہیں ایسانہ ہوکہ یہ قیمتی زندگی گذرجائے اور جب دنیا سے جانے کا وقت آئے تو ندامت اورشرمندگی ہو۔وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لئے عظیم ترین نعمت ہے،جس کا قیامت کے دن حساب دیناہوگا،بقول استاذمکرم حضرت مولانا احمداللہ صاحب راندیری رحمۃ اللہ علیہ؂:

کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے
تہمتیں چند اپنے ذمہ دھر چلے
باغ دنیا میں نہ ہوگا کوئی ہم سا بد نصیب
آئے ایسے باغ میں اور خالی داماں لئے چلے

اللہ تعالیٰ ہم تمام کو وقت کی نعمت کی قدر دانی کی توفیق عطا فرماوے اور اسے صحیح استعمال کرنے کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین یارب العالمین

حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی فکر کریں:

بزرگو اور دوستو! غور کیجئے، صرف آٹھ دن کے فرق پر درجات میں کتنا فرق ہوا۔ ہم اپنے حالات پر بھی نظر ڈالیں، ہمارے کتنے رشتے دار، دوست احباب جو ہمارے ساتھ رہتے تھے، مسجد میں ایک ساتھ نماز ادا کرتے تھے، ایک ساتھ روزہ افطار کرتے تھے، تراویح پڑھتے تھے؛ آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں، اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کی بال بال مغفرت فرمائے، اپنی رحمتیں ان پر نازل فرمائے اور اللہ رب العزت نے ہمیں جو زندگی عطا فرمائی ہے ہمیں اس کی قدر نصیب فرمائے اور زیادہ سے زیادہ اللہ کی اطاعت اور عبادت اور اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ورنہ یہ زندگی تو برف کی طرح پگھلتی رہے گی، گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں، وقت تو گذر ہی جائے گا، تو ہم سب اس بات کی کوشش کریں کہ یہ وقت اور یہ زندگی ہماری آخرت کے بننے کا ذریعہ بن جائے، حقوق اللہ بھی ادا کریں اور حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی اہتمام کریں، دونوں ضروری ہیں۔ اگر نماز، روزے، حج اور عمرہ کا اہتمام ہو اور حقوق العباد اور اپنے والدین، بھائی بہنوں اور رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام نہ ہو تو یہ بھی ہمارے لئے خسران اور نقصان کی بات ہے۔ والدین کی اطاعت اور خدمت کا جذبہ ہو، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کریں، قطع رحمی اور تعلقات توڑنے اور لڑنے جھگڑنے سے بچنے کا پورا پورا اہتمام ہونا چاہئے۔

رحم عربی میں بچہ دانی کو کہتے ہیں، اور صلہ رحمی سے مراد یہ ہے کہ جو رشتہ داریاں بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہی ساتھ میں لے کر دنیا میں آتا ہے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، مثلاً: جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہوتے ہی وہ کسی ماں باپ کا بیٹا ہوتا ہے، بھائی بہن، دادا دادی، نانا نانی، چچا ماموں، خالہ پھوپھی وغیرہ یہ ساری رشتہ داریاں وہ ہیں جو بچہ ماں کے پیٹ سے دنیا میں لے کر آتا ہے، ان رشتہ داریوں کا خیال رکھنا، ان کے حقوق ادا کرنا اور اس کو نبھانا اور ان کو باقی رکھنا اور ان رشتہ داریوں کو مضبوط بنانا اور ان رشتہ داریوں کی وجہ سے جو تعلقات قائم ہوئے ان کا لحاظ رکھنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا صلہ رحمی کہلاتا ہے۔

صلہ رحمی کی عظمت:

قرآن وحدیث میں صلہ رحمی کرنے اور قطع رحمی سے بچنے کے متعلق بہت واضح آیات اور ہدایات ہیں۔قرآن مجید میں ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ (النساء: ۱)

[اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے واسطہ سے سوال کرتے ہو آپس میں اور خبردار رہو قرابت والوں سے]

صلہ رحمی سے رحمت خداوندی:

ایک حدیث قدسی میں ہے، حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جس حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماوے کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا اور وہ قرآن کی آیت نہ ہو تو اس حدیث کو حدیث قدسی کہتے ہیں، تو ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ کے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ انا اللّٰہ و انا الرحمٰن خلقت الرحم و شققت لھا من اسمی فمن وصلھا وصلتہ و من قطعھا بتتہ. (مشکوۃ: ۴۲۰)

[اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میں ہی اللہ ہوں، میں ہی رحمٰن ہوں، میں نے ہی رحم کو پیدا کیا ہے اور میں نے ہی لفظ 'رحم' کو اپنے نام (رحمٰن) سے مشتق کیا ہے۔ (رحم یہ مشتق ہے رحمٰن سے) پس جو شخص اس کو ملائے گا یعنی قطع تعلق نہیں کرے گا اور رشتہ داروں کے ساتھ میل جول رکھے گا اور ان کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آئے گا میں اس کو اپنی رحمت سے ملاؤں گا اور جو اسے کاٹے گا یعنی قطع رحمی کرے گا میں اس کو اپنی رحمت سے کاٹوں گا۔]

کون جنتیوں کی فہرست میں اپنا نام لکھوانا چاہتا ہے؟

محترم بھائیو اور عزیز ساتھیو! توجہ سے سنئے، سید الاولین والآخرین، محبوب رب العالمین، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں امت کو حقوق اللہ کی ادائیگی کی تلقین فرمائی ہے وہیں حقوق العباد کی ادائیگی کی بھی بڑی تاکید بیان فرمائی ہے۔ مگر آج ہمارے معاشرہ میں اس کو کوئی اہمت ہی نہیں دی جاتی، خصوصاً اعزہ واقارب ورشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور تعلقات کو ہموار رکھنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبردست تاکید فرمائی ہے، مگر آج کا معاشرہ اس سے خالی نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ ماں باپ اور اولاد میں دوریاں، خاندانی رشتوں میں دراریں، خونی قریبی رشتہ داروں میں آپسی نااتفاقیاں وناچاکیاں بڑھتی جارہی ہیں۔ معمولی معمولی باتوں پر زندگی بھر کے لئے

قطع تعلق کرلیا جاتا ہے۔حتی کہ حادثات اوراموات کے مواقع پر بھی شریک نہیں ہوتے، خوشی تو خوشی؛ مگرغم کے موقع پر بھی ایک دوسرے کے غم میں شریک نہیں ہوتے، یہ باتیں اسلامی تعلیمات اورقرآن کریم واحادیث رسول کے خلاف ہیں۔جن کی نبی رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اورآپ کی قابل تقلید زندگی میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

محترم بھائیو! کل میدان حشر میں اعزہ واقارب کی دل داری،ان کے ساتھ اچھا سلوک انسان کوسرخ رو کرے گا،عزت کا مقام عطا کرے گا۔جب کہ قطع تعلق اور رشتے ناطے توڑ دینا،ان کے ساتھ بدسلوکی کی وجہ سے انسان رحمت خداوندی سے محروم ہوگا،یہی صلہ رحمی اور رشتہ کی پاسداری وتعلق اللہ کے دربار میں پیش ہوکر انسان کی سفارش کرے گی اور قطع رحمی کرنے والوں کے حق میں بددعا کرے گی۔جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قال رسول الله ﷺ الرحم معلقة بالعرش تقول من وصلنی وصله الله و من قطعنی قطعه الله. (مشکوة: ۴۱۹)

[نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صلہ رحمی عرش الٰہی کے ساتھ لٹکی ہوئی یہ صدا لگائے گی اے اللہ! جس نے مجھ کو جوڑا یعنی میرا خیال رکھا صلہ رحمی کی اس کا تو خیال رکھ اور جس نے مجھ کو توڑا یعنی قطع رحمی کی تو اس کو برباد کردے۔]

جنتیوں کی فہرست اور List میں اپنا نام شامل کرنے کے خواہش مند حضرات اپنے نبی رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ نسخے کو اپنی زندگی میں اپنائیں۔ آج ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا پختہ وعدہ فرمائیں، آج

وعدہ کیجئے کہ آج ہی گھر جا کر جن رشتہ داروں کے ساتھ ترک تعلق ہوا ہے سب سے پہلے ان سے معافی مانگیں گے، اوران سے تعلق کو جوڑیں گے اورآئندہ ان کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھیں گے۔سب اس کا وعدہ کرتے ہیں۔(سامعین نے جواب دیا، جی ہاں!) ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قال النبی ﷺ ثلث تحت العرش یوم القیامة: القرآن یحاج العباد له ظهر و بطن و الامانة و الرحم تنادی الا من وصلنی و صله الله و من قطعنی قطعه الله. (مشکوة: ۱۸۶)

[نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین چیزیں قیامت کے دن عرش الٰہی کے نیچے ہوں گی۔ ۱......قرآن کریم یہ بندوں سے جھگڑے گا یا خدا سے ان کے حق میں جھگڑا کرے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے دنیا میں قرآن کی تلاوت کی قرآنی حکموں پر عمل کیا، قرآن ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے جھگڑے گا کہ ان کی مغفرت کر دی جائے اور جنہوں نے دنیا میں قرآن کی تلاوت نہیں کی اور قرآنی حکموں پر عمل نہیں کیا قرآن ان لوگوں سے جھگڑا کرے گا کہ اس نے قرآنی حقوق کو ادا کیوں نہیں کیا؟

۲......امانت ۳......رحم، یہ آواز لگائے گی کہ سن لو جس نے مجھ کو جوڑا اس کو اللہ تعالیٰ جوڑے گا اور جس نے مجھ کو توڑا اللہ تعالیٰ اس سے ناطہ توڑے گا۔]

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق وسعادت نصیب فرماوے۔ آمین

رزق میں کشادگی اور عمر میں برکت:

ایک اور حدیث میں ہے:

من احب ان یبسط له فی رزقه و ینسأله فی اثره فلیصل رحمه.
(مشکوۃ:۴۱۹)

[حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جوشخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرے۔]

اس حدیث سے صلہ رحمی کے دو بڑے فائدے معلوم ہوئے، آخرت کا ثواب تو ان شاء اللہ یقیناً ہے، دنیا میں بھی صلہ رحمی کا فائدہ ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ رزق کی تنگی دور ہوتی ہے اور دوسرا عمر میں برکت ہوتی ہے۔

کون رزق میں برکت اور رحمٰن کی حفاظت چاہتا ہے؟

محترم سامعین کرام! کون شخص ہے جو اپنے رزق میں برکت اور اللہ تعالیٰ کی حفظ وامان میں رہنا نہیں چاہتا؟ ظاہر بات ہے کہ ہر مسلمان مرد وعورت چاہتے ہیں کہ ان کے رزق میں بڑھوتری ہو، اور ان کی عمریں لمبی ہوں۔ تو غور سے سنئے:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خاندان کے لوگ جب آپس میں صلہ رحمی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر رزق کے دروازے کھول دیتا ہے اور یہ لوگ رحمٰن کی حفاظت میں رہتے ہیں۔

نیز عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جن طاعات ونیکیوں کا بدلہ جلد دے دیا جاتا ہے ان میں سب سے

زیادہ جلدی بدلہ دلانے والا عمل صلہ رحمی ہے اور اس عمل کا نفع یہاں تک ہے کہ ایک خاندان کے لوگ فاجر یعنی بدکار ہوتے ہیں پھر بھی ان کے مالوں میں ترقی ہوتی رہتی ہے اور ان کے افراد اور گھر والوں کی تعداد بڑھتی رہتی ہے جب تک کہ وہ صلہ رحمی کرتے رہتے ہیں۔

(درمنثور:۴/ ۱۷۷، بحوالہ تبلیغی واصلاحی مضامین:۱/ ۷۶)

جومحروم کردے اس کی بھی جھولیاں بھردو:

حضرت عقبہ بن عامرؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے جلدی سے آپ کا دست مبارک پکڑ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جلدی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا، پھر فرمایا کہ اے عقبہ! کیا میں تجھے دنیا وآخرت والوں کے فاضل اخلاق نہ بتادوں؟ پھر خود ہی فرمایا کہ جو شخص تجھ سے قطع تعلق کرے تو اس سے تعلق جوڑے رکھ، جو شخص تجھے محروم کردے تو اس کی جھولیاں بھر دیا کر اور جو شخص تجھ پر ظلم کرے اس کو تو معاف کر دیا کر۔ پھر فرمایا کہ خبردار جو یہ چاہے کہ اس کی عمر دراز ہو اور رزق میں وسعت ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کا برتاؤ کرے۔

(مستدرک حاکم:۴/ ۱۶۲، بحوالہ تبلیغی واصلاحی مضامین:۱/ ۷۶)

رشتہ دار کی مدد پر ثواب:

ایک اور حدیث میں ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

الصدقة على المسكين صدقة و هى على ذى الرحم ثنتان صدقة و صلة. (مشكوة: ۱/ ۱۷۱)

[کسی محتاج اور مسکین کی مدد کرنا صدقہ ہے، یعنی صرف صدقہ کا ثواب ملے گا اور اپنے رشتہ دار کو دینا اور ان کی مدد کرنا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے۔]

تو رشتہ داروں کو دینے میں دو طرح کا ثواب ملے گا، صدقہ بھی ثواب ملے گا اور صلہ رحمی کا بھی ثواب ملے گا ان شاء اللہ۔

قاطع رحم جنت میں داخل نہ ہوگا:

ایک اور حدیث میں ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یدخل الجنة قاطع. (مشکوۃ: ۴۱۹)

[کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔]

قطع رحمی کرنے کا کتنا سخت گناہ ہے۔ آج ہم بلا تکلف اس گناہ کو کر رہے ہیں اور احساس بھی نہیں ہوتا، کوئی اپنے بھائی سے تعلق توڑے ہوئے ہے تو کوئی اپنی بہن سے ناراض ہے تو کسی نے اپنے چچا اور ماموں کو چھوڑ رکھا ہے اور کبھی کبھی تو برسوں گذر جاتے ہیں نہ سلام کلام ہے، نہ خبر گیری ہے، نہ ہمدردی و غمخواری ہے۔ دل ایسے پتھر بنے ہوئے ہیں کہ یہ سب قرآن و حدیث سن کر بھی ہمارے دل نرم نہیں ہوتے اور جھکنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

دوستو! حقیقت میں یہ ہمارے معاشرہ میں بہت سنگین گناہ ہو رہا ہے اور ہم اسے گناہ بھی نہیں سمجھتے۔ اس گناہ سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچنے کی توفیق نصیب فرماوے۔ آمین

رحمت خداوندی سے محرومی:

بلکہ اللہ کی رحمت سے ہم محروم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

عن عبد اللّٰہ بن ابی اوفیؓ قال سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول لا تنزل الرحمۃ علی قوم فیھم قاطع رحم. (مشکوۃ: ۴۲۰)

[حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا، آپ فرماتے ہیں کہ جس قوم میں یا جس خاندان میں قطع رحمی کرنے والا ہو تو اس قوم اور پوری جماعت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل نہیں ہوتی۔]

فقیہ ابواللیثؒ فرماتے ہیں کہ قطع رحمی کرنا اس قدر بدترین گناہ ہے کہ پاس بیٹھنے والوں کو بھی رحمتِ خداوندی سے محروم کردیتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جو شخص اس میں مبتلا ہو وہ جلدی سے جلدی اس سے توبہ کرے اور صلہ رحمی کا اہتمام کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صلہ رحمی کے علاوہ کوئی ایسی نیکی نہیں ہے کہ جس کا بدلہ بہت جلد دنیا میں ملتا ہو اور قطع رحمی اور ظلم کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ جس کا وبال آخرت میں باقی رہنے کے ساتھ ساتھ دنیا میں جلدی نہ مل جاتا ہو۔ (تنبیہ الغافلین)

آسمان کے دروازے بند ہوجاتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک مرتبہ صبح کی نماز کے بعد ایک مجمع میں تشریف فرما تھے، فرمانے لگے تم لوگوں کو قسم دیتا ہوں کہ اگر اس مجمع میں کوئی شخص قطع رحمی کرنے والا ہو تو وہ چلا جائے، ہم لوگ اللہ تعالیٰ سے ایک دعا کرنا چاہتے ہیں اور آسمان کے دروازے قطع رحمی کرنے والے کے لئے بند ہوجاتے ہیں۔ (ترغیب)

آج ہم دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کا سوال کرتے ہیں، مگر

ہمارے اندر ہی یہ عظیم گناہ ہو رہا ہے اور ہمارے معاشرہ میں بہت سے لوگ قطع رحمی کرنے والے ہیں۔ اس سنگین گناہ کی وجہ سے ہم اللہ کی رحمت سے محروم رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں صلہ رحمی کی توفیق عطا فرمائے۔

جہنم سے بچانے والے اور جنت میں لے جانے والے اعمال:

بزرگان محترم! ہر مسلمان مرد و عورت کی اصل کامیابی یہ ہے کہ وہ جہنم سے بچالیا جائے اور جنت میں اسے داخلہ مل جائے، یہی اصل کامیابی ہے، جسے قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا:

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ. (سورۂ آل عمران: ۱۸۵)

[جو شخص جہنم سے بچالیا گیا اور جنت میں اسے داخل کیا گیا وہ حقیقت میں بڑا کامیاب ہے۔]

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوایوب خالد بن زید انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے سوال کیا، یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتلا دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور جہنم سے دور کر دے، صحابئ رسول نے کتنا پیارا سوال کیا، اس سوال میں سب کچھ آ گیا، ہم بھی یہی چاہتے ہیں تو غور سے سنئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تعبد اللّٰہ و لا تشرک به شیئا و تقیم الصلوۃ و تؤتی الزکوۃ و تصل الرحم.

[اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نماز قائم کرو

اور زکاۃ دو اور صلہ رحمی کرو۔]

الحمدللہ اکثر مسلمان مرد وعورتیں نمازوں کی بھی پابندی کرتے ہیں، زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں مگر صلہ رحمی میں بہت کوتاہی وغفلت ہوتی ہے، اگر یہ چیز بھی ہمارے اندر آ جائے تو یہ ہمیں جنت کا حقدار بنادے۔ کتنا آسان نسخہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا، اس لئے ارادہ کرو کہ آج سے ان شاءاللہ ہم صلہ رحمی پر بھی پورا عمل کریں گے۔

رشتہ دار برا سلوک کریں پھر بھی ہمیں اچھا سلوک کرنا چاہئے:

بہت سی مرتبہ ہم رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، معافی صافی کرتے ہیں، لیکن رشتہ دار اپنی ضد اور انانیت پر اڑے رہتے ہیں، ایسے موقعہ پر بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم ان کے ساتھ جو اچھا سلوک کرتے آئے ہیں اس کو جاری رکھیں، ان کی بری روش کی وجہ سے ہم اپنا طریقہ نہ بدلیں، ایسا کرنے پر اللہ کا ایک فرشتہ جب تک ہم ہماری اس عادت کو نہ چھوڑیں گے ہماری مدد کرتا رہے گا۔ چنانچہ اسی کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں:

عن ابی هریرةؓ ان رجلا قال یا رسول اللّٰه! ان لی قرابة اصلهم و یقطعونی و احسن الیهم و یسیئون الیَّ و احلم عنهم و یجهلون علی فقال لئن کنت کما قلت فکانما تسفهم المل معک من اللّٰه ظهیر علیهم ما دمت علی ذلک. (مسلم شریف)

[کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے رشتہ دار ہیں، میں ان کے حقوق ادا کرتا ہوں، لیکن وہ میرے حقوق ضائع کر دیتے ہیں، میں ان کے ساتھ اچھا

معاملہ کرتا ہوں محبت سے پیش آتا ہوں ان کی خوشی اور غمی میں شریک ہوتا ہوں، مطلب میں تو صلہ رحمی کرتا رہتا ہوں مگر وہ لوگ میرے ساتھ برائی سے پیش آتے ہیں اگر ان کی طرف سے کوئی ناگوار بات پیش آتی ہے تو میں تحمل اور بردباری اور برداشت سے کام لیتا ہوں لیکن وہ لوگ میرے ساتھ جہالت سے پیش آتے ہیں؛ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی پیاری بات ارشاد فرمائی، اگر واقعہ یہی ہے اور حقیقتاً یہی بات ہے جیسا کہ تو نے کہا تو گویا تم اپنے اس طرز عمل کے ذریعہ سے ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہے ہو اور سن لو تم ان سے حسن سلوک کرتے رہو اگر چہ وہ بدسلوکی کرتے رہیں؛ جب تک تم اس پر عمل کرو گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ ایک فرشتہ برابر مددگار رہے گا۔]

صلہ رحمی کے متعلق اہم نصیحت:

میرے پیرومرشد حضرت مولانا حکیم اختر صاحب نوراللہ مرقدہٗ - اللہ تعالیٰ نے آپ کو درد بھرا دل عطا فرمایا تھا - صلہ رحمی کے بارے میں کتنے حساس تھے، وہ آپ کے ایک واقعہ سے پتہ چلتا ہے، ایک مرتبہ اپنے خادم خاص اور سفر وحضر کے ساتھی، ہر وقت ساتھ رہنے والے حضرت عشرت جمیل معروف بہ میر صاحب جواب اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے ہیں، میر صاحب حقیقت میں فنا فی الشیخ تھے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت والا نے مجھ کو خانقاہ سے اپنے حجرہ میں طلب فرما کر یہ ملفوظ ارشاد فرمایا کہ:

''اگر کسی رشتہ دار سے کوئی بے وفائی ہو جائے یا اس سے کوئی تکلیف پہنچ جائے

تو بغیر اس کے معافی مانگے اس کو معاف کردو؛ کیونکہ اگر آپ نے اس کو لال پیلی آنکھیں دکھائیں کہ ہم نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا اور آپ نے ہمارے ساتھ یہ بدسلوکی کی تو وہ یا تو ندامت سے محجوب ہوکر بھاگ جائے گا یا غصہ اور تکبر سے اور اکڑ جائے گا کہ ذراسا احسان کیا کردیا کہ میرے اوپر رعب جمارہے ہیں، لہذا یا ندامت سے بھاگے گا یا غصہ سے بھاگے گا یا تکبر سے بھاگے گا۔

اور تینوں صورتوں میں قطع رحمی ہوجائے گی اور ہمیں حکم ہے کہ **"صل من قطعک"** جو رشتہ دار تم سے توڑے تم اس سے جوڑو۔ لہذا مریدین کی اصلاح کا طریقہ اور ہے، رشتہ داروں کا اور ہے۔ مرید کو ڈانٹ ڈپٹ کرو تو بے چارہ روتے روتے بے حال ہوجائے گا لیکن رشتہ دار کہاں معافی مانگتے ہیں۔ ان کو مرید کی طرح محبت تھوڑی ہوتی ہے، لہذا ان کا سبق حضرت یوسفؑ سے حاصل کرو کہ جب ان کو بادشاہت مل گئی اور ان کے بھائی قحط کی وجہ سے ان سے غلہ مانگنے آئے اور ان بھائیوں کو خبر نہیں تھی کہ یہی حضرت یوسفؑ ہیں۔ پورا قصہ سورۂ یوسف میں ہے۔ بہرحال جب ان پر ظاہر ہوگیا کہ یہی یوسفؑ ہیں جن کو ہم نے کنویں میں ڈال دیا تھا تو ان کو سخت شرمندگی ہوئی لیکن حضرت یوسفؑ نے کیا فرمایا **"لا تثریب علیکم الیوم"** [آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں] اور جو تم نے کنویں میں ڈالا وہ تمہاری غلطی نہیں تھی، شیطان نے ہمارے تمہارے درمیان گڑبڑ کردی تھی۔ لہذا بھائیوں کو ان کی بدسلوکی یاد دلا کر

محجوب بھی نہیں کیا اور ان کی خطا کو شیطان پر ڈال دیا تا کہ میرے بھائیوں کی آنکھیں مجھ سے مل سکیں اور وہ شرمندہ نہ ہو جائیں۔

اس سے یہ سبق ملا کہ رشتہ دار اگر ستاویں تو ان کی معافی مانگنے کا انتظار نہ کرو، بغیر معافی مانگے ان کو معاف کر دو اور ان کو محجوب و شرمندہ بھی نہ کرو ورنہ قطع رحمی کا خطرہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ جنت میں اس کے لئے اونچے اونچے محل بنائے جائیں اور اس کے درجات بلند کر دیئے جائیں "**فليعف عمن ظلمه**" اس کو چاہئے کہ جو اس پر ظلم کرے اس کو معاف کر دے۔ "**و يعط من حرمه**" اور جو اس کو محروم کرے اس کی جھولیاں بھر دیوے۔ "**و يصل من قطعه**" اور قطع رحمی کرنے والے کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ یعنی جو خون کے رشتہ کو کاٹنا چاہے، قطع تعلق کرنا چاہے یہ نہ کاٹے اسے جوڑے رکھے۔"

تین دن سے زیادہ بات چیت بند نہ کریں:

ہم انسان ہیں اور کچھ نہ کچھ لغزش ہو جاتی ہے، کبھی ہماری طرف سے اور کبھی ہمارے رشتہ دار کی طرف سے اور شیطان بھی موقعہ کی تلاش میں رہتا ہے جس کی وجہ سے کچھ رنجش ہو جاتی ہے، تو بزرگو اور دوستو! اس رنجش کو قائم نہ رکھیں، ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے قطع رحمی اور بات چیت بند کرنے کا ایک لامتناہی سلسلہ قائم ہو جائے۔ اس کو قائم رکھنا یہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی اخلاق کے بالکل خلاف ہے، زیادہ سے زیادہ تین دن کے بعد تو اپنی رنجش کو ختم کر کے، نفس کشی کر کے، تواضع اختیار کر کے، اللہ تعالیٰ کے احکامات اور

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیمات اوراحادیث مبارکہ کوسامنے رکھ کر بات چیت،سلام کلام شروع ہی کردینا چاہئے۔ایک حدیث میں ہے،حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے،آپؓ فرماتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ لا یحل لرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلاث لیال یلتقیان فیعرض ھذا و یعرض ھذا وخیرھما الذی یبدأ بالسلام.

(مشکوۃ شریف:۴۲۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ کسی شخص کے لئے حلال نہیں ہے کہ اپنے بھائی کوتین دن سے زیادہ چھوڑ دے،یعنی بات چیت،سلام کلام بند کردے اور یہ حالت ہوجائے کہ اگردونوں کا آمنا سامنا ہوجائے تو ایک ادھر کو منہ موڑ دے اور دوسرا ادھر کو منہ پھیر لے اور ایک دوسرے سے اعراض کرتے ہوئے اور کتراتے ہوئے گذرجائیں اوران دونوں میں بہترین وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے۔

ایک سال بات بندر کھنے پرسخت وعید:

ایک اورحدیث میں ہے،حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

من ھجر اخاہ سنة فھو کسفک دمه. (مشکوۃ: ۴۲۸)

[جوشخص اپنے بھائی کوایک سال تک چھوڑے رکھے اوراس سے بات چیت بند کرے،تعلقات توڑے رکھے تو یہ ایسا ہے جیسے کہ اس نے اپنے بھائی کا خون کردیا۔]

اللہ اپنی حفاظت میں رکھے۔ان احادیث کو ہم دیکھیں اوراپنے حال پر اور

معاشرہ پر نظر ڈالیں، ایک سال اپنے بھائی سے ترک تعلق کرنے پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بھائی کا خون کرنے کے برابر گناہ فرمایا ہے، اور ہمیں اس کی ذرہ برابر پرواہ نہیں، یہاں تو ایک سال نہیں کبھی تو سالہا سال گذر جاتے ہیں، اپنے تکبر اور بڑائی میں مست ہیں، ناک کٹ جائے گی اگر جھکیں گے، بس یہ ہمارے خیالات ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔

مغفرت کا معاملہ ملتوی کردیا جاتا ہے:

بزرگو اور دوستو! آپ اندازہ لگائیے مسلمانوں کا آپس میں قطع تعلق کرنا اور سلام کلام بھی بند کردینا اللہ تعالیٰ کو کس قدر ناپسندیدہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی سخت وعید بیان فرمائی ہے۔ بہت ہی فکر کی بات ہے بلکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ان کی مغفرت بھی موقوف کردی جاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یفتح ابواب الجنة یوم الاثنین و یوم الخمیس فیغفر الله لکل عبد لا یشرک بالله عز وجل شیئا الا رجل کانت بینه و بین اخیه شحناء فیقال انظروا هذین حتی یصطلحا. (مشکوۃ: ۴۲۷)

[ہر پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ہر اس بندے کی مغفرت کردی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو، مگر اس شخص کی مغفرت نہیں کی جاتی کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان کینہ ہو۔ ان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ان دونوں کی مغفرت کا معاملہ ابھی رہنے دو

یہاں تک کہ وہ دونوں آپس میں صلح کرلیں۔] یہ مسلم شریف کی روایت ہے۔

آپس میں حسد نہ کرو، بغض نہ رکھو:

بزرگو اور دوستو! ان باتوں سے اندازہ لگایئے کہ اسلام آپس میں محبت اور ہمدردی سے رہنے کو کس قدر پسند کرتا ہے اور آپس کے جھگڑوں اور اختلاف کو کتنا برا سمجھتا ہے۔ آپس میں حسد رکھنا اور قطع تعلق رکھنا اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں۔ ایک حدیث میں ہے:

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ لا تقاطعوا و لا تدابروا و لا تباغضوا و لا تحاسدوا و كونوا عباد الله اخوانا كما امركم الله.
(مسلم شریف:۲/۲۱۶)

[حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آپس میں قطع تعلق نہ کرو اور ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو اور آپس میں بغض نہ رکھو اور حسد نہ کرو اور اے اللہ کے بندو! سب بھائی بھائی بن کر رہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے۔]

کس قدر پاکیزہ تعلیم ہے اور اسلام ہمیں کس طرح دیکھنا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپس میں مل جل کر رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ تمام مؤمنین کو آپس میں بھائی بھائی ارشاد فرمایا ہے۔ "انما المؤمنون اخوة" [بے شک تمام مؤمنین بھائی بھائی ہیں] تو ہمیں آپس میں بھائی کی طرح رہنا چاہئے۔

اصلاح ذات البین کی فضیلت:

آپس میں محبت ہو، ہمدردی ہو، ایک دوسرے کا تعاون کریں۔ یہ صفات

ہمارے اندر ہونا چاہئے اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ اجر وثواب بھی عطا فرماتے ہیں اور آپس میں ہمدردی اور ایک دوسرے کی غمخواری کے ساتھ رہنے کا اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا مقام ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

عن ابی الدرداءؓ قال قال رسول الله ﷺ الا اخبر کم بافضل من درجة الصیام و الصدقة و الصلوة قال قلنا بلیٰ. قال اصلاح ذات البین و فساد ذات البین هی الحالقة.

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو روزہ، صدقہ اور نماز کے درجہ سے بہتر ہے۔ ہم نے عرض کیا ضرور بتایئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: باہمی تعلقات کی درستگی اور آپس کا فساد، آپس میں تعلقات قطع کر دینا؛ یہ ثواب اور نیکیوں کو مونڈنے والا ہے۔

فساد باہمی دین کو مونڈنے والی ہے:

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایاکم و فساد ذات البین فانها هی الحالقة لا اقول انها تحلق الشعر و لکن تحلق الدین.

[جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: باہم تعلقات کے بگاڑ سے بچو، فساد باہمی سے بچتے رہو اس لئے کہ وہ مونڈنے والی چیز ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈ دیتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔] یعنی فساد باہمی

سے دین برباد ہوجاتا ہے۔

جب آپس میں تعلقات کا بگاڑ ہوتا ہے تو ہر شخص دوسرے سے غیر مطمئن ہوجاتا ہے اور عداوت بڑھنا شروع ہوجاتی ہے۔ یہ اس کو تکلیف اور نقصان پہنچانے کی فکر میں رہتا ہے، وہ اس کو نقصان پہونچانے کی تدبیریں سوچتا ہے، یہ اس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے، وہ اسے ذلیل کرنے کی کوشش میں رہتا ہے اور اس حال کے بعد جائز ناجائز کا بھی خیال نہیں رہتا۔ بس اب تو یہ فکر ہوتی ہے کہ کس طرح اس کو نقصان پہنچاؤں، کس طرح اس کو ذلیل وخوار کروں۔ اب اس چکر میں نہ جائز کو دیکھتا ہے نہ ناجائز کو۔ بس جو چیز بھی اس کو نقصان پہنچانے والی ہو اس کو اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح آہستہ آہستہ دین ختم ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض مرتبہ ڈائرکٹ بدلہ نہیں لے سکتے تو اپنے رشتہ دار اور کبھی خونی رشتہ دار پر بھی جادو اور سفلی عمل کرواتے ہیں، اور بعضے تو کافروں اور بے ایمانوں کے پاس جاتے ہیں، جس کی وجہ سے خود کا ایمان بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ اللھم احفظنا منہ

کافر قیامت کے دن کہے گا:

بزرگو اور دوستو! بہت دور بات چلی گئی، کہنے کا حاصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو زندگی عطا فرمائی ہے وہ بہت غنیمت ہے۔ اپنی زندگی ایسے کاموں میں گذارنا چاہئے جس سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوں اور بندوں کے حقوق بھی ادا ہوں۔ دونوں کا خیال کر کے اپنی زندگی گذارنا ہے۔ اگر یہاں ان تمام باتوں کا خیال کرتے ہوئے زندگی گذاری تو ان شاء اللہ وہاں بھی اچھی گذرے گی اور اگر یہاں کی زندگی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بغاوت میں گذاری تو وہاں کی زندگی خسارے میں گذرے گی۔ اس لئے کافر

وہاں کہے گا، قرآن نے اس کا عجیب نقشہ کھینچا ہے:

رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ. (الغافر: ۱۱)

[اے ہمارے رب! اے ہمارے داتا! آپ نے ہمیں دو مرتبہ مردہ رکھا اور دو مرتبہ زندگی عطا فرمائی۔]

دو موت، دو زندگی۔ ایک مرتبہ پیدائش سے پہلے؛ کہ ہم بے جان مادہ کی صورت میں تھے، جب ماں کے پیٹ میں آئے تو وہاں بھی ابتداء میں بے جان تھے۔ پھر دنیا میں آئے تو دنیا کی زندگی ملی۔ یہ ایک موت اور ایک زندگی ہوئی۔ اس کے بعد وقت مقررہ پر موت آئی اور عالم برزخ میں رہے، پھر عالم آخرت میں زندگی ملی تو یہ دوسری زندگی ہوئی۔ آگے فرماتے ہیں:

فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ.

[اے ہمارے رب! ہم اپنے گناہوں اور خطاؤں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اب کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل ہے؟]

کہ ہم یہاں سے دنیا میں دوبارہ چلے جائیں اور اپنے گناہوں کا تدارک کرلیں اور اعمال صالحہ کرلیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یہ دارالجزاء ہے، دنیا دارالعمل تھا وہ تو ختم ہو گیا۔

آخرت کے لئے تیاری کی ایک مثال:

کسان کا جب کاشت کا وقت آتا ہے تو کیسا تیار ہو جاتا ہے اور ہر چیز کی تیاری

شروع کردیتا ہے۔ زمین صاف کرتا ہے، ہل چلاتا ہے، دانہ یعنی بیج ڈالتا ہے۔ پھر اس بیج کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ پابندی سے کھیت جاتا ہے اوران تمام کاموں کے کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے آس لگاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتا ہے، بارش کا انتظار کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ کھیت کے اندر کھیتی کو اگانے والا وہی ہے۔ قرآن کہتا ہے:

ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ. (الواقعة: ۶۴)

[کیا تم کھیتی اگانے والے ہو، یا ہم اگانے والے ہیں؟]

بے شک اللہ تعالیٰ ہی کھیتی کو اگانے والے ہیں۔ یہ ہمارا ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے بارش برساتے ہیں اور اپنی قدرت سے ان دانوں اور بیجوں سے پودے نکالتے ہیں اور چند دانوں کے بدلہ میں کئی من دانے اگتے ہیں۔ پودا نکلتا ہے، آہستہ آہستہ بڑھتا ہے، پھر کھیتی لہلہاتی ہے، کتنا خوشنما منظر ہوتا ہے۔ اب کسان وہ ہری بھری اور لہلہاتی کھیتی دیکھ کر خوش ہوتا ہے، کیونکہ اس کی محنت اور فکروں کا پھل سامنے لگا ہوا ہے، اس کے دل کی آرزو پوری ہوتی نظر آرہی ہے تو خوش ہے اور اس کا خوش ہونا حق بجانب ہے اور اس کے برعکس دوسرا ایک کسان ہے جب کھیتی کا وقت آیا تو نہ زمین صاف کی، نہ ہل چلایا، نہ کھیت میں بیج ڈالا، نہ کچھ بویا اور نہ کچھ سینچا۔ اب جب کہ کھیتی کاٹنے کا وقت آیا تو یہ بھی وہاں پہنچ گیا۔ بتلایئے کیا اس کو کچھ ملے گا؟ ظاہر ہے کچھ نہیں ملے گا۔ اب تو صرف حسرت اور افسوس ہوگا مگر اس حسرت اور افسوس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ بس اسی طرح یہاں کی زندگی یہ اعمال کے بونے کا وقت ہے، اعمال کے بیج اپنے دل کی زمین

میں ڈالو۔ ان شاء اللہ آخرت میں اس کا پھل ملے گا اور اگر یہاں اعمال نہیں بوئے تو آخرت میں خالی ہاتھ رہو گے، آخرت تو دارالجزاء ہے، اس کا نام بھی روزِ جزا ہے، وہ دار العمل نہیں ہے، ہر وقت اس کو مستحضر رکھنے کی ضرورت ہے۔

زندگی برف کی طرح ہے:

اور اسی طرف متوجہ کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "اغتنم خمساً قبل خمسٍ" [پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو] "حیاتک قبل موتک" [زندگی کو غنیمت سمجھو موت سے پہلے] اس سے زندگی کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالْعَصْرِ. اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ. (العصر: ۱، ۲)

[زمانہ کی قسم! تمام انسان خسارہ میں ہیں]

انسان کس طرح خسارہ میں ہے؟ ایک بزرگ نے اس کی مثال دی، ایک دیہاتی آدمی شہر میں برف بیچنے کے لئے آیا اور وہ کھیل تماشہ دیکھنے میں مصروف ہوگیا حتی کہ اس کا برف پگھل کر ختم ہوگیا اور وہ آدمی شام کو گھر واپس لوٹا اس حال میں کہ وہ نہ گھر والوں کے لئے کچھ سامان لے سکا اور نہ اسے کچھ نفع ہوا بلکہ اس کی پونجی بھی ختم ہوگئی۔ اور ایک وہ دیہاتی جو کھیل تماشہ چھوڑ کر اپنے کام میں لگا رہا تو وہ شام کو نفع بھی لے کر جائے گا اور گھر والوں کے لئے کچھ سامان اور کھانا وغیرہ بھی لے کر جائے گا۔

موت مؤمن کا تحفہ ہے:

اسی طرح یہ دنیا اور دنیا کی زندگی لہو ولعب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ (العنكبوت: ٦۴)

[یہ دنیا کی زندگی محض لہولعب کے سوااور کوچھ بھی نہیں۔]

آخرت کے مقابلہ میں ایسی دنیا کی کچھ حیثیت نہیں۔ جو شخص دنیا میں لہو ولعب میں لگا اس نے آخرت کی پونجی برباد کردی اور اگر اس نے یہ زندگی آخرت کی تیاری میں لگا دی تو یہاں سے خوش ہو کر جائے گا۔ سخت گرمی ہو اور اس وقت اگر ٹھنڈا پانی مل جائے تو کتنی مسرت ہوگی۔ اسی طرح اگر آخرت کی تیاری کر کے جا رہا ہے تو موت اس کے لئے انتہائی پسندیدہ اور محبوب چیز ہوگی اور اسی وجہ سے حدیث میں فرمایا ہے "تحفة المؤمن موت" مؤمن کا تحفہ موت ہے۔

(مشکوۃ شریف: ۱۴۰)

موت جنت کا ایک دروازہ ہے:

علامہ طیبیؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اعلم ان الموت ذريعة الى وصول السعادة الكبرىٰ و وسيلة الى نيل الدرجة العليا.

فرماتے ہیں کہ یاد رکھو یقیناً موت ہی سعادت کبریٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اور بلند درجات کے حصول کا وسیلہ ہے۔ موت ہی کے ذریعہ انسان اپنے محبوب اور اپنے اللہ کے حضور پہنچ سکتا ہے اور ایک مؤمن جس کے دل میں اللہ کی محبت ہے وہ اپنے حبیب اور دوست کی ملاقات کو پسند کرتا ہے تو موت ہی وہ پل ہے جس پر سے پار ہو کر وہ اپنے حبیب تک پہنچ سکتا ہے اور فرماتے ہیں:

وهو احد الاسباب المؤصلة للانسان الى النعيم الابدى.

اسی موت کے ذریعہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتوں کو حاصل کرسکتا ہے۔ یہ موت ان اسباب میں سے ایک سبب ہے جس سے انسان ہمیشہ کی نعمتوں کو حاصل کرسکتا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

و هو انتقال من دار الی دار فهو و ان كان فی الظاهر فناء و اضمحلالٌ و لكن فی الحقيقة ولادة ثانية و هو باب من ابواب الجنة يتوصل اليها و لو لم يكن الموت لم يكن الجنة.

(حاشیہ مشکوٰۃ:۱۴۰)

فرماتے ہیں موت درحقیقت ایک دار سے دوسرے دار میں منتقل ہونا ہے، ایک گھر سے دوسرے گھر جانا ہے، موت اگر چہ بظاہر فناء ہے لیکن دوسرے اعتبار سے یہ ولادتِ ثانیہ ہے اور یہ موت جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ اگر موت نہ ہوتی تو جنت نہ ہوتی۔

بڑھاپے کی شکایت کرنے کی مثال:

بزرگو! بہت سے لوگ بڑھاپے کی شکایت کرتے ہیں، لیکن اگر آخرت کی تیاری کی ہو تو دراصل یہ بڑھاپا بہت بڑی نعمت اور رحمت ہے، کیونکہ ہماری زندگی کا مقصود حقیقی اگر آخرت اور جنت ہو تو بڑھاپا اس کا مقدمہ ہے ہمیں اس کا خیر مقدم کرنا چاہئے۔ حضرت مولانا یعقوب مجددی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے: جب مؤمن بندہ اور بندی کا مقصد آخرت اور جنت ہے، یہی اس کا مقصود اور نتیجہ ہے تو بڑھاپا اور موت اس کا ذریعہ اور پل ہے، اس لئے مجھے تعجب ہوتا ہے جب کوئی بڑھاپے کی شکایت کرتا ہے اور بڑے درد و حسرت سے شکایت کرتا ہے کہ اب تو مرنا ہی باقی ہے، اور وہ لڑکوں اور جوانوں کو حسرت سے دیکھتا ہے

اور اپنی جوانی کے ایام یاد کرتا ہے، کبھی میں بھی ایسا ہی نو جوان تھا، اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے کوئی کسان خوشی خوشی کھیتی کرے اور جب غلہ کاٹنے اور غلہ اٹھانے کا وقت آئے تو رنجیدہ اور مایوس ہوجائے؛ حالانکہ یہ ساری محنت ومشقت اسی دن کے لئے تھی، اب افسوس کیوں؟ اب تو غلہ اٹھانے اور گھر لے جانے کا وقت آیا، حدیث میں آتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شائق ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کے مشتاق ہوتے ہیں۔

من احب لقاء الله احب الله لقائهٗ.

[جو اللہ سے ملاقات کا شوق رکھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو پسند کرتے ہیں۔]

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس کا صحیح معنیٰ میں مصداق بنائے، آمین۔

سفر کی تیاری:

تو بزرگو! موت تو مؤمن کی انتہائی پسندیدہ چیز ہے، لیکن موت سے اسی وقت محبت ہوگی جب اس نے دنیا میں رہ کر موت کی تیاری کی ہوگی۔ انسان سفر پر جاتا ہے تو کچھ نہ کچھ تیاری ضرور کرتا ہے اور عقل منداور ہوشیار انسان جیسا سفر ہوتا ہے اس کے مطابق تیاری کرتا ہے، چھوٹا سفر تو مختصر تیاری، طویل سفر ہو تو طویل تیاری۔ دنیا کے سفر میں توشۂ سفر ساتھ رکھنا ہے اور آخرت کے سفر کے لئے پہلے سے بھیجنا ہے۔

دنیا کا چاہے جتنا لمبا سفر ہو واپس آنے کی امید ہے اور واپسی کی نیت ہی سے سفر بھی کیا جاتا ہے مگر آخرت کا سفر وہ سفر ہے جہاں سے واپسی کی کوئی امید نہیں۔ اس لئے دوستو! اللہ تعالیٰ نے اس وقت جو زندگی دے رکھی ہے، زندگی کے ان قیمتی لمحات کو ہم

آخرت کی تیاری میں استعمال کریں۔

دنیا کو آباد اور آخرت کو برباد کر رکھا ہے:

امام ابو حازمؒ سے ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک نے دریافت کیا کہ یہ بتایئے کہ ہم موت سے کیوں گھبراتے ہیں؟ ابو حازمؒ نے فرمایا اس لئے گھبراتے ہو کہ تم نے دنیا کو آباد اور آخرت کو برباد کیا ہے، لہٰذا آبادی سے ویرانہ میں جانا پسند نہیں کرتے۔ سلیمان نے کہا واقعی آپ نے سچ فرمایا۔ تو دوستو! بات یہی ہے انسان کو یوں کہا جائے کہ اس بہترین مکان اور بنگلہ کو چھوڑ کر جنگل میں جا کر رہو تو کیا وہ پسند کرے گا؟ لیکن اسی جنگل میں تفریح کا سامان جمع کیا ہو اور دل لگانے کی چیزیں وہاں موجود ہوں تو انسان جلدی جلدی چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی آخرت کو اور قبر کو برباد نہ کریں، ہم وہاں کی تیاری کرتے رہیں اور تیاری کس طرح کرنا ہے۔

پہلے الحمدللہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات کو پورے کرنا ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو اختیار کرنا ہے، حقوق اللہ کا بھی خیال ہو اور حقوق العباد کا بھی اہتمام ہو، کسی کا حق ہم پر باقی نہ رہے، کسی کو ہم اپنی زبان اور ہاتھ سے تکلیف نہ پہنچائیں، ہر ایک سے محبت کریں، دوسرے کا تعاون کریں، غریبوں اور کمزوروں پر رحم کریں، اپنے رشتے داروں کا خوب خیال رکھیں، صلہ رحمی اور حسن سلوک کرتے رہیں، والدین کی خدمت کو انتہائی ضروری سمجھیں، ان کی پوری پوری اطاعت کریں، ان کا دل نہ دکھائیں۔ وہ اللہ کی عظیم نعمت ہیں۔ اس طرح زندگی بسر کریں گے تو ان شاء اللہ آخرت کی زندگی آباد ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

اہل جنت کی ایک حسرت:

وقت کس قدر قیمتی ہے، اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایئے:

عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لیس یتحسر اهل الجنة الا علیٰ ساعة مرت بهم لم یذکروا الله تعالیٰ فیها.

(رواہ الطبرانی، بیہقی، جامع صغیر: ۲/ ۴۶۸)

[حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جانے کے بعد اہل جنت کو کسی چیز کا بھی قلق اور افسوس اور حسرت نہ ہوگی، بجز اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر گذر گئی۔]

جنتی بڑی بڑی نعمتوں میں ہوں گے۔ ﴿**لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ.**﴾ کسی بھی چیز کا نہ خوف ہوگا نہ غم وحسرت۔ مگر دنیا میں ان کا جو وقت غفلت میں گذرا ہوگا، اللہ کے ذکر سے غافل رہا ہوگا، اس پر وہ افسوس اور حسرت کریں گے۔ اندازہ لگایئے وقت کتنا قیمتی سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خلاصۂ کلام:

الحمدللہ! ایک ہی بات پر قدرے تفصیل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق بخشے اور قبول فرمائے۔ موقع ملا تو ان شاء اللہ کسی موقع پر بقیہ چار باتوں کو بیان کروں گا، ذہن نشیں کر لیجئے، بلکہ ساتھ میں دل نشیں بھی کر لیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔

۱......جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔

۲......صحت کو بیماری سے پہلے۔

۳......مالداری کو فقیری سے پہلے۔

۴......فرصت کو مشغولی سے پہلے۔

۵......زندگی کو موت سے پہلے۔

علامہ حالی مرحوم نے اس کو اس طرح نظم میں کہا ہے______:

غنیمت ہے صحت، علالت سے پہلے
فراغت، مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی، بڑھاپے کی زحمت سے پہلے
اقامت، مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہے، دولت
جو کرنا ہے کر لو، کہ تھوڑی ہے مہلت

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ۶ ﴾

زندگی کی حقیقت اور فکرِ آخرت کی دعوت

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّلَہۡوٌ وَّزِیۡنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیۡنَکُمۡ وَتَکَاثُرٌ فِی الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ (الحدید: ۲۰)

[جان لو! کہ دنیا کی زندگی محض لہو ولعب اور زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال اور اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے۔]

انسان کی زندگی میں ایک بچپن کا زمانہ ہوتا ہے، ایک جوانی کا زمانہ ہوتا ہے، اور اس کے بعد بڑھاپے کا زمانہ آتا ہے۔ یہ تین مراحل اور تین حالتیں ہوتی ہیں، عموماً ان تین مراحل سے ہر انسان گذرتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ان تینوں حالتوں اور ان تینوں زمانوں کو انوکھے انداز میں بیان کیا ہے، کہ ان تینوں زمانوں میں انسان جن لغو کاموں میں مشغول ہوتا ہے ان کو بیان کیا ہے، اس سے مقصد ان کاموں کا لغو ہونا اور بے ثبات ہونا اور آخرت کا پائیدار ہونا اور آخرت کی فکر کی طرف لگنے کو بیان کرنا ہے۔

﴿ ۶ ﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

زندگی کی حقیقت اور فکرِ آخرت کی دعوت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَا وَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥
اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰىہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا وَفِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَّمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ. (الحدید: ۲۰)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

زندگی کی حقیقت اور فکرِ آخرت کی دعوت:

بزرگانِ محترم! اللہ تبارک و تعالیٰ کا احسان و کرم ہے کہ آج تراویح میں ستائیسواں پارہ پورا ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اس میں سے ایک آیت میں نے آپ

حضرات کے سامنے تلاوت کی، جس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی فانی زندگی کے احوال کو بیان کیا ہے اور فکر آخرت کی دعوت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (الحدید: ۲۰)

[جان لو کہ دنیا کی زندگی محض لہو ولعب اور زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال اور اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے۔]

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں زندگی کی حقیقت اور آخرت کی فکر کو بیان کیا ہے، اور آج اسی موضوع پر قدرے تفصیل سے گفتگو ہوگی، ان شاء اللہ۔

انسان کی زندگی میں ایک بچپن کا زمانہ ہوتا ہے، ایک جوانی کا زمانہ ہوتا ہے، اور اس کے بعد بڑھاپے کا زمانہ آتا ہے۔ یہ تین مراحل اور تین حالتیں ہوتی ہیں، عموماً ان تین مراحل سے ہر انسان گذرتا ہے۔ باقی بچپن میں کوئی اللہ کی رحمت میں پہنچ جائے وہ بات الگ ہے، ورنہ عام طور پر یہ تین زمانے ہر انسان کی زندگی میں آتے ہیں، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ان تینوں حالتوں اور ان تینوں زمانوں کو انوکھے انداز میں بیان کیا ہے، کہ ان تینوں زمانوں میں انسان جن لغو کاموں میں مشغول ہوتا ہے ان کو بیان کیا ہے، اس سے مقصد ان کاموں کا لغو ہونا اور بے ثبات ہونا اور آخرت کا پائیدار ہونا اور آخرت کی فکر کی طرف لگنے کو بیان کرنا ہے۔

’لعب‘ کی تعریف:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ﴾ [بے شک دنیا

کی زندگی محض لہوولعب ہے] اس میں اللہ تعالیٰ نے بچپن اور بچپن میں انسان جن کاموں میں لگتا ہے اس کو بیان کیا ہے، کہ انسان بچپن 'لعب اور لہوٗ میں گذار دیتا ہے، اور بعد میں جب یہ زمانہ گذر جاتا ہے تو پھر پچھتاتا ہے کہ میں نے اپنا یہ وقت کن بے کار کے کاموں میں گذار دیا۔ اول یہ جان لینا چاہئے کہ لہوولعب کسے کہتے ہیں؟ تو 'لعب' کہتے ہیں ایسے کام کرنا اور ایسی حرکتیں کرنا جو بے کار ہوں جن میں مطلق فائدہ نہ ہو؛ جیسے بچے کرتے ہیں۔ بچوں کی عادت کیا ہوتی ہے؟ کچھ توڑ دیا، کچھ پھوڑ دیا، ادھر سے ادھر کر دیا۔ بچپن کے جو کھیل تماشے ہوتے ہیں اس کو لعب کہتے ہیں۔ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور بچہ بھی خود نہیں سمجھتا ہے کہ یہ کام اچھا ہے یا برا ہے۔

'لہوٗ کی تعریف:

پھر کچھ مدت گذرنے کے بعد جب تھوڑی سمجھ آجاتی ہےتو بچے کھیل کود کے میدان میں نظر آتے ہیں، پھر ان کھیلوں میں مشغول ہوتے ہیں جس سے مقصود تفریح اور دل بہلانا اور وقت گذاری ہوتی ہے، البتہ اس سے کچھ دنیاوی فائدہ بھی ہو جاتا ہے، اس کو 'لہوٗ کہتے ہیں۔ جیسے فٹ بال میں ورزش ہو جاتی ہے لیکن ان کا مقصود ورزش نہیں ہوتا، ان کا مقصد تو بس کھیل ہوتا ہے اور اپنے دل کو اسی سے خوش کرنا مقصود ہوتا ہے۔

اسلامی کھیل:

اسلام بھی کھیل کود کی اجازت دیتا ہے لیکن کونسا کھیل؟ وہ کھیل جس میں انسان جہاد کی تیاری کر سکے، اس کا وہ کھیل جہاد کا ذریعہ بنے۔ جیسے گھوڑے کی سواری کرنا، تیر چلانا، بندوق اور رائفل چلانا اور سیکھنا، نشانہ لگانا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ

میں گھوڑے کی سواری عام طور پر جہاد کے کام میں آتی تھی اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب بھی دی ہے اور اس کے فضائل بھی بیان فرمائے ہیں۔

جوانی میں بچپن کے کھیل بے وقعت نظر آتے ہیں:

تو عمر کا بالکل ابتدائی حصہ تو خالص کھیل یعنی 'لعب' میں گذرتا ہے، اس کے بعد 'لہو' شروع ہوتا ہے۔ پھر جب انسان جوانی کی عمر کو پہنچتا ہے اور اسے اپنا بچپن یاد آتا ہے اور اپنے بچپن میں جن کھیلوں میں مشغول رہتا تھا وہ کھیل یاد آتے ہیں تو اسے یاد کر کے خود اپنے اوپر ہنستا ہے کہ وہ بھی کچھ کھیل تھے، جن کھیلوں کو وہ اپنا سرمایۂ زندگی اور سب سے بڑی دولت جانتا تھا کہ جسے کوئی چھین لے تو اسے ایسا ہی صدمہ ہوتا تھا جیسا کہ کسی بڑے آدمی کا مال واسباب اور کوٹھی بنگلہ چھین لیا گیا ہو، لیکن اس دور سے آگے بڑھنے کے بعد اس کو حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ جن چیزوں کو ہم نے اس وقت مقصود زندگی بنایا ہوا تھا وہ کچھ نہ تھیں، سب خرافات تھیں۔ تو جوانی میں اسے بچپن کے کھیل بالکل بے وقعت نظر آتے ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنے بچپن کے کھیل کا قصہ لکھا ہے کہ بچے بچپن میں گوٹی سے کھیلتے ہیں، اپنے بچپن کی بات لکھی ہے کہ ایک مرتبہ کھیلتے کھیلتے اپنے دوست کے ساتھ سب گوٹیاں ہار گیا، اس دن مجھے بہت ہی غم اور افسوس ہوا کہ آج تو میرا سب کچھ ختم ہو گیا۔ اب جب وہ بات یاد آتی ہے تو اپنے اوپر ہنسی آتی ہے کہ بھلا وہ بھی کچھ افسوس اور رونے کی بات تھی۔ تو جوانی میں جب بچپن کی بات یاد آتی ہے تو انسان اپنے اوپر افسوس کرتا ہے۔

کھیل کو ایک ہنر بنا دیا گیا ہے:

مگر اب تو حکومت اور دنیا والوں نے کھیل کو مستقل ایک ہنر کا درجہ دے کر لوگوں کو اس میں مشغول کر دیا ہے۔ حکومت کھیلوں کا سپوٹ کرتی ہے، لاکھوں روپے اس پر برباد کرتی ہے اور قوم کو اس میں لگا رکھا ہے، کسی کو کرکٹ میں، کسی کو فٹ بال میں، کسی کو ہاکی میں۔ دنیا بھر کے کھیل ایجاد کرر کھے ہیں اور عالمی پیمانے پر وہ کھیلے جاتے ہیں۔ لوگ بھی پاگلوں کی طرح ان کھیلوں کے دیوانے بنے ہوئے ہیں۔ کرکٹ کے گراؤنڈ میں گیارہ، تیرہ افراد کھیلتے ہیں اور ان کے پیچھے تیرہ لاکھ دیوانے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ نہ نماز کا اہتمام نہ دوسرے کاموں کی فکر۔

آج کل کے کھیل خود فراموشی اور خدا فراموشی کے مشغلے ہیں:

ہم نے ہندوستان میں دیکھا کہ جب ورلڈ کپ کھیل ہوتے ہیں اور اس کی کومینٹری (Commentary) ریڈیو اور اب تو ٹی وی پر بھی آتی ہے، وقت کا تفاوت ہوتا ہے، کبھی صبح صبح کومینٹری کا وقت ہوتا ہے، وہ نوجوان اور کھیل کے شوقین صبح کی نماز کے لئے اٹھ کر مسجد میں تو کیا پہنچتے؛ مگر کھیل کے دنوں میں صبح نماز سے پہلے اٹھ کر اس کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں اور تیری میری میں اس نورانی وقت میں مشغول ہیں، انا اللہ۔ یہ کس قدر غفلت ہے، دل میں معاذ اللہ نمازوں کی اہمیت اور عظمت نہیں اور کھیل کے ایسے دیوانے اور عاشق کہ رات کے بارہ بجے ہوں یا صبح کے چار، اپنا آرام اور نیند قربان کرنے کے لئے تیار اور نماز کے لئے اٹھانے اور تاکید کرنے کے باوجود کچھ بھی نہیں۔ یہ بہت بری علامت ہے، ایمان کی سخت ناقدری اور بے وقعتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوانوں

کی آنکھ کھول دے اور ہم سب کو ایسے غفلت کے کاموں سے محفوظ رکھے۔آمین

اسلام کسی بھی صورت میں ایسے کھیلوں کو نہ پسند کرتا ہے اور نہ ایسے کھیل قابل تعریف کہے جاسکتے ہیں۔خدا فراموشی اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے کے مشغلے ہیں اور اپنے قیمتی وقت کو برباد کرنے کے لہو ولعب ہیں اور خدا فراموشی وخود فراموشی ہے، دیوانگی اور پاگل پن ہے، وقت کو برباد اور خود کو تباہ کرنا ہے۔

جوانی میں زینت اور باہمی تفاخر:

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ

پھر جوانی کا زمانہ آتا ہے، اس میں اول زینت آتی ہے پھر باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا آتا ہے، جوانی میں انسان کو بننا سنورنا بہت اچھا لگنے لگتا ہے، اپنے تن بدن اور لباس کی زینت کی فکر ہونے لگتی ہے، پھر ہم عصروں اور ہم عمروں سے آگے بڑھنے اور ان پر فخر جتلانے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، الغرض اس عمر میں انسان عام طور پر زینت اور تفاخر کے کاموں میں لگتا ہے، عام طور پر انسان کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے، ''ہم چوں دیگرے نیست'' کا خمار سر پر سوار رہتا ہے۔اسی کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا ﴿وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ ﴾ کہ اس دنیا کی زندگی میں انسان پر ایک وقت وہ آتا ہے کہ اسے بننا سنورنا اور باہم فخر کرنا اچھا لگنے لگتا ہے، بننا سنورنا اور باہم فخر کرنا اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے، انسان اپنا یہ قیمتی وقت زینت اور فخر والے کاموں میں گذار دیتا ہے، اور جب یہ وقت گذر جاتا ہے تو پچھتاتا ہے کہ میں کس بے کار کے کام میں مشغول تھا۔یہ کیفیت اور

حالت بڑھاپے تک رہتی ہے۔

قرآن کریم نے ان تمام اوصاف کو آخرت کے مقابلہ میں بیان کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں یہ تمام حالتیں بے وقعت ہیں اور فانی ہیں، اپنے اوقات کو ان کاموں میں نہ لگاؤ اگلا دور برزخ پھر قیامت کا ہے اس کی فکر کرو کہ وہی اصل ہے۔

جوانی پر افسوس ہوگا:

بہر حال جوانی میں انسان کو بچپن کے کھیل بے وقعت نظر آتے ہیں، پھر جب بڑھاپے کی عمر کو پہنچیں گے تو اس وقت جوانی کے ان کھیلوں پر افسوس ہوگا کہ جوانی کا قیمتی وقت کن بے کار کے کاموں میں ختم کر دیا، کاش جوانی کی قدر کر کے کچھ کر لیتے اور بڑھاپے کی عمر کو پہنچ کر یہ جوانی کے کھیل بھی ختم ہو جاتے ہیں اور انسان ان کھیلوں سے ریٹائر ہو جاتا ہے۔

بڑھاپے کا تحفہ:

اب بڑھاپا شروع ہوا تو جن کی طبیعتوں میں پہلے سے دنیا کی محبت رچی بسی ہوئی ہے اس میں اور اضافہ ہوتا ہے اور اب ﴿وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ﴾ مال اور اولاد کی کثرت کا شوق اور خواہش ہونے لگتی ہے۔ بوڑھے میاں بیٹھے ہیں تذکرہ ہے تو اس بات کا کہ میرے اتنے بیٹے ہیں، ہر ایک کے پاس دو دو کان ہے، پہلے بیٹے کے اتنے بچے ہیں، دوسرے کے اتنے۔ بیٹے، پوتے، نواسے نواسیوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر

سچی بات ارشاد فرمائی۔ آپ خود بھی اس کا تجربہ کرلیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بڑھاپے میں دو چیزیں جوان ہوجاتی ہیں، یعنی بڑھ جاتی ہیں، مال کی حرص اور عمر کی زیادتی کی حرص۔

عن انسؓ قال قال رسول الله ﷺ یهرم ابن آدم و یشیب منه اثنان الحرص علی المال و الحرص علی العمر. متفق علیه

(مشکوۃ شریف:۴۴۹)

[نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انسان بوڑھا ہوجاتا ہے اور اس میں دو چیزیں جوان ہوجاتی ہیں مال کی حرص اور عمر کی حرص۔]

مال کی حرص کا یہ عالم ہوتا ہے کہ دل کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ میری دوکان جیسی کسی کی دوکان نہ ہو، میری کار جیسی کسی کی کار نہ ہو، میرے مکان جیسا کسی کا مکان نہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں انسان کی زندگی کے ان تینوں مرحلوں کو نمبر وار بیان فرمایا ہے۔ پہلے لعب اور لہو، پھر زینت اور تفاخر، اور پھر مال و اولاد کی کثرت کا شوق۔

اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (الحدید: ۲۰)

[تو خوب جان لو! کہ دنیا کی زندگی تو بس یہی ایک جی کا بہلانا اور کھیل ہے اور ظاہری آرائش اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال و اولاد میں ایک دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے۔]

انسان پر جتنے دور اس ترتیب سے آتے ہیں غور کرو تو ہر دور میں وہ اپنے اسی حال پر قانع اور اسی کو سب سے بہتر جانتا ہے، جب ایک دور سے دوسرے دور کی طرف

منتقل ہوتا ہے تو سابقہ دور کی کمزوری اور لغویت سامنے آجاتی ہے، پھر وہ پچھتا تا ہے کہ اس نے اپنے قیمتی اوقات کو کن بے کار کے کاموں میں گذار دیا۔قرآن کریم نے اس ترتیب کے ساتھ ان سب مشاغل و مقاصد دنیویہ کا زوال پذیر، ناقص اور نا قابل اعتماد ہونا بیان فرمادیا،اور آگے اس کو ایک کھیتی کی مثال سے واضح فرماتے ہیں۔

زندگی کی مثال کھیتی کی طرح ہے:

آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا

[جیسے مینہ (برستا) ہے کہ اس کی پیداوار (کھیتی) کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے پھر اس کو تو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے۔]

آیت میں کافر سے مراد یا تو حقیقی کافر ہو یا کسان۔اصل میں کافر عربی لغت میں چھپانے والے کو کہتے ہیں۔چونکہ کسان بھی دانہ کو زمین میں چھپاتا ہے اس لئے اس کو بھی کافر کہتے ہیں اور چونکہ کافر بھی اللہ کی نعمتوں کو چھپاتا ہے ان کی ناشکری کرتا ہے اس لئے اس کو بھی کافر کہتے ہیں۔اور کافر کے معنیٰ 'انکار کرنے والا' بھی آتا ہے، کافر اللہ کا منکر ہوتا ہے تو حقیقی معنیٰ کے اعتبار سے آیت میں کفار سے کافر مراد لو یا کسان، دونوں ہو سکتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے تشبیہ کھیتی سے دی ہے کہ جیسے وہ لہلہاتی ہے شباب پر آتی ہے، پھر

ایک وقت آتا ہے کہ وہ زرد اور پیلی ہو جاتی ہے، اسی طرح انسان ہے کہ اس کا ایک دور بچپن کا ہوتا ہے جیسے کھیتی، اس کا ایک دور بالکل ابتداء کا ہوتا ہے، پھر لہلہاتی ہے شباب پر آتی ہے، اس وقت کسان کی خوشی کی انتہاء نہیں ہوتی، دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان پر بچپن کے بعد جوانی آتی ہے۔ کھیل کود، بڑے بڑے پروگرام اور پلان بنا رہا ہے، یہاں جانا ہے، وہاں جانا ہے، خوش وخرم ہے، صحت ہے تندرستی ہے، قوت ہے، جوانی ہے، دیکھنے میں خوبصورت دکھتا ہے، اپنے کنٹرول سے باہر ہے، نہ کسی کی سننے کے لئے تیار، نہ کسی کا مشورہ قبول کرنے پر آمادہ۔

پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ ﴿ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا﴾ پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے اور پھر اس کو دیکھتے ہیں کہ وہ زرد ہو گئی، پیلی ہو گئی ہے، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے، اس کا بھوسا بھوسا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کھیت میں جاؤ تو دھول نظر آتی ہے، جو کچھ باقی ہو تو اسے بھی جلا دیا جاتا ہے۔ بس انسان کا یہی حال ہوتا ہے۔ جوانی کے بعد بڑھاپا آتا ہے تو وہ آہستہ آہستہ بدن کی تازگی اور حسن و جمال سب کو ختم کر کے رکھ دیتا ہے۔ اب بے چارے بوڑھے میاں ہیں، اعضاء کمزور ہو چکے ہیں، توانائی اور طاقت کا خاتمہ ہو چکا ہے، گویا کھیتی پک گئی ہے، اس کے بعد زندگی کی شام ہو جاتی ہے اور اپنے تمام ارمانوں کو لے کر قبر کی آغوش میں پہنچ جاتا ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے ـــــــ:

دم نکلتے ہی ہوا بوجھ سبھی کو معلوم
جلد لے جاؤ اب اس ڈھیر میں رکھا کیا ہے

جتنے سامان تھے عشرت کے سب یہیں چھوڑ چلے
سر تلے ہاتھ بھی نہیں اپنا تکیہ کیا ہے
جن کو زعم تھا امارت پر اپنی
نام تک بھول گئی ہائے یہ دنیا کیا ہے
کل تو آغوش محبت کے مزے لے لیتے تھے
آج آغوش لحد میں یہ قصہ کیا ہے

ایک دلچسپ واقعہ؛ ’متاع، رقیم، تبارک‘ کے معنیٰ:

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی حقیقت اور زوال پذیر ہونے کو بیان فرما دیا، تو پھر اصل مقصود آخرت کی فکر کی طرف دھیان دلایا، اور اس کی طرف توجہ دلانے کے لئے آگے ارشاد فرمایا:

وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ

[اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے]

اب آگے جو نصیحت کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْر.

[دنیا کی زندگی کچھ نہیں، مگر دھوکہ ہے]

قرآن نے دنیا کی زندگی کو متاع کہا ہے اور وہ بھی متاع الغرور۔ متاع کس کو کہتے ہیں؟ شاید میں نے کبھی آپ کو سنایا ہو۔ ایک بہت بڑے صاحبِ لغت تھے یعنی عربی زبان کے الفاظ کی تحقیق کرنے والے اور اس کے معنی اور اس کے موقعِ استعمال کو جاننے

والے۔ان کو تین لفظوں کی تحقیق مطلوب تھی۔مقامی لوگوں سے اور علماء سے اس کی تحقیق نہ ہوسکی تو اس کے لئے مستقل سفر کیا، دیہاتوں میں، جنگلوں میں۔وہاں لوگ عربی بولتے ہیں اور خالص عربی گاؤں والے اچھی طرح بولتے ہیں۔تو دیہاتوں کا سفر کیا تاکہ ان کی بول چال سنیں، شاید کہیں اس کی تحقیق ہوجائے۔سفر کرتے کرتے ایک جنگل میں پہنچے تو دیکھا کہ ایک جھونپڑا ہے اور ایک بڑھیا اس میں رہتی ہے۔یہ اس کے پاس گئے، بڑھیا نے اس مسافر کو دیکھا تو بہت خوش ہوگئی کہ آج ہمارے گھر مہمان آئے۔اس نے کہا آج ہمارے یہاں ٹھہرو۔انہوں نے قبول کرلیا۔بڑھیا نے ہانڈی چڑھائی اور بچہ سے کہا میں اور لکڑیاں چن کر لاتی ہوں۔ بڑھیا چلی گئی، تھوڑی دیر کے بعد واپس آئی تو دیکھا کہ ''صافی'' جو کپڑے کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے ہانڈی اٹھانے کے لئے کیچن میں رہتا ہے، کبھی ہاتھ پوچھنا ہو تو اس سے پوچھ لیا، ہمارے یہاں اس کو صافی کہتے ہیں۔بالکل میلا کچیلا رہتا ہے، اس میں تیل سالن وغیرہ بھی لگا رہتا ہے، ایک بالکل حقیر اور معمولی سا کپڑا ہوتا ہے۔گجراتی زبان میں ہم اس کو 'چیتھڑا' کہتے ہیں، کوئی حیثیت اس کی نہیں ہوتی۔وہ بڑھیا جب آئی تو پوچھنے لگی ''این المتاع؟'' مہمان کے کان کھڑے ہوگئے، ان کو اسی لفظ کی تحقیق مطلوب تھی۔بچہ نے کہا: **''جاء الرقیم و اخذ المتاع و تبارک الجبل''** مہمان خوشی سے اچھل پڑے، جن لفظوں کی تحقیق کے لئے سفر کررہے تھے وہ تینوں ہی لفظ اس ایک جملہ میں موجود تھے۔یعنی کتا آیا، وہ صافی جو ہاتھ وغیرہ پوچھنے کا حقیر کپڑا تھا وہ لیا اور لے کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ان تینوں لفظوں کے معنی اور حقیقت اور ان کا موقعِ استعمال ان کے سامنے آگیا۔ ''تبارک'' یعنی بہت بلند و بالا۔ہم کہتے ہیں 'اللہ تبارک وتعالیٰ' یعنی

اللہ تعالیٰ کی ذات جو بلند و بالا اور برتر ہے۔تو متاع کہتے ہیں معمولی حقیر چیتھڑے کو جسے انسان برت کر چھوڑ دیتا ہے، وہ اتنا معمولی ہوتا ہے کہ اس کی طرف کوئی میلان نہیں ہوتا۔ اور بعض مفسرین کہتے ہیں ہانڈی کی چکناہٹ، ہانڈی جب خالی ہوجاتی ہے تو اس میں کنارے کنارے ادھر ادھر کچھ چکناہٹ چربی وغیرہ لگی ہوتی ہے، عورتیں اس کو ہاتھ سے نکال کر پھینک دیتی ہیں۔ہم نے ہمارے یہاں سورت (گجرات) میں دیکھا کہ جب عورتیں اسے باہر پھینکتی ہیں تو کتا دوڑتا ہوا اس کے پاس آتا ہے، وہ غریب سمجھتا ہے کہ اس میں ہڈی ہوگی، گوشت ہوگا جو اسے بڑا پسند ہے۔اس پھینکی ہوئی چیز کو بھی ’متاع‘ کہتے ہیں۔بہر حال پہلے معنی ہوں یا دوسرے معنی دونوں سے یہ معنی مفہوم ہوتا ہے کہ بالکل حقیر اور معمولی چیز کو متاع کہا جاتا ہے۔

کفار کا دنیا میں گھومنا تم کو دھوکہ میں نہ ڈالے:

تو قرآن کہتا ہے ﴿وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْر﴾ [دنیا کی زندگی محض ایک دھوکہ ہے] اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿مَتَاعٌ قَلِیْلٌ﴾ [یہ تو متاع قلیل ہے] ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ﴿لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ﴾ [ان کافروں کا ایک شہر سے دوسرے شہر گھومنا (کبھی جرمن، کبھی جاپان، کبھی پیرس) تم کو دھوکہ میں نہ ڈالے۔کیوں؟] ﴿مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰیھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِھَادُ﴾ (آل عمران:۱۹۷) [یہ تو متاع قلیل ہے تھوڑے دنوں کا ہے پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔]

تو دنیا کو اللہ تعالیٰ نے متاع کہا، یعنی حقیر اور معمولی شئ، جو دل لگانے کے قابل

نہیں ہے، جیسے صافی کپڑا ہوتا ہے کہ کوئی اس سے دل نہیں لگاتا، ویسا معاملہ دنیا کے ساتھ ہونا چاہئے کہ مواقعِ ضرورت میں اس سے کام لیوے مگر دل کو اس کے ساتھ مشغول نہ کرے۔

وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی:

اور آخرت کی زندگی کے متعلق ارشاد فرمایا ﴿وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی﴾ آخرت خیر بھی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ تو اصل زندگی جو ہے وہ موت کے وقت شروع ہوتی ہے؛ اس لئے دنیا کی زندگی تو فانی ہے اور اس کا کچھ بھروسہ نہیں ہے کہ کب ختم ہو جائے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ہمارا آخری بیان ہو؛ لیکن موت کے بعد جو زندگی ہے وہ ہمیشہ کی ہے جس میں کبھی فنا نہیں ہے۔ اس لئے اصل زندگی تو وہی آخرت کی زندگی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے ۱۲۰ر صحابہؓ کی زیارت کی ہے:

حضرت حسن بصریؒ بہت بڑے درجہ کے تابعین میں سے ہیں۔ بڑے اونچے درجہ کے اللہ والے ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ حضرت عمرؓ کے یہاں باندی تھیں۔ یہ جب کسی کام سے جاتی تھیں تو حضرت عمرؓ کی بیوی ان کو اپنا دودھ پلا دیتی تھیں تو اس اعتبار سے یہ حضرت عمرؓ کے رضاعی بیٹے ہو گئے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ انھوں نے ایک سو بیس صحابہؓ کو دیکھا ہے۔ کتنے بڑے درجہ کے تابعی ہوں گے، کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟

آخرت کے لئے کتنا عمل کریں:

کسی نے ان سے پوچھا کہ آخرت کے لئے کتنا عمل کریں؟ تو انھوں نے دو لفظوں میں انتہائی مختصر اور جامع جملہ ارشاد فرمایا کہ دنیا کی زندگی جتنی ہے اس کے بقدر اس

کی تیاری کرو اور آخرت کی زندگی جتنی ہے اس کے بقدر اس کی تیاری کرو۔ دنیا کے لئے اتنی تیاری کرو جتنی یہاں کی زندگی ہے اور آخرت کے لئے اتنی تیاری کرو جتنی بڑی وہاں کی زندگی ہے۔ ایک آدمی سفر میں جاتا ہے، قریب کا سفر ہے تو مختصر تیاری کرتا ہے اور لمبا سفر ہے تو لمبی تیاری کرتا ہے۔ تبلیغی جماعت تین دن کی ہے تو تین دن جیسی تیاری، چلّے کی جماعت ہے تو چلّے جتنی تیاری کرتے ہیں، چار مہینہ کے لئے جانا ہے تو اس کے مناسب تیاری کی جاتی ہے اور سال کا سفر ہے تو سال جتنی تیاری ہوتی ہے۔ غرض تین دن اور سال کی جماعت میں فرق ہے۔

آخرت کی زندگی کا کنارہ ہی نہیں:

آخرت کی زندگی جس کا کنارہ ہی نہیں، لامحدود زندگی ہے، اس زندگی کی شام ہی نہیں، اس پر فنا کا نام نہیں تو اس کی تیاری بھی اسی طرح کرو۔ یہ مختصر بات ہے مگر کس قدر جامع ہے جو حضرت حسن بصریؒ نے فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اہل اللہ کے قلوب پر ایسی مفید اور جامع باتیں القاء فرماتے ہیں اس لئے بزرگوں کے پاس کبھی کبھی موقع نکال کر جایا کرو، ان کے پاس بیٹھا کرو، بہت فائدہ ہوتا ہے۔

ابوحازم انصاریؒ اور سلیمان ابن عبدالملک کی ملاقات:

خلافت بنوامیہ میں ایک بادشاہ گذرا ہے سلیمان ابن عبدالملک، بڑا بادشاہ گذرا ہے۔ پہلے جو بادشاہ ہوتے تھے عموماً ان میں دینی رجحان بھی ہوتا تھا اور دین سے دلچسپی بھی ہوتی تھی اور آخرت کی فکر بھی ہوتی تھی، علماء اور صلحاء کے پاس بھی وہ جایا کرتے تھے۔ تو ایک مرتبہ سلیمان ابن عبدالملک مکہ مکرمہ حج کے لئے گیا، پوچھا: یہاں کوئی اللہ والے

زندہ دل شخص ہیں؟ اگر پرانے بزرگوں میں سے کوئی ہو تو میں ان کی ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ خدام نے تحقیق کر کے بتلایا کہ یہاں ایک پرانے بزرگ ہیں جو اللہ والے ہیں، تابعین میں سے ہیں جن کا نام نامی اسم گرامی ابو حازم انصاریؒ ہے۔ بادشاہ نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ بادشاہ ان سے ملنے کی خواہش رکھتا ہے۔ خدام نے بادشاہ کا پیغام پہنچایا۔ ابو حازمؒ نے فرمایا: بادشاہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے، چلو میں خود ہی چلتا ہوں۔ چنانچہ ابو حازمؒ بادشاہ کے پاس پہنچے۔ وہاں دربار لگا ہوا تھا، وزراء اور ارکان سلطنت بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ابو حازمؒ پہنچے تو بادشاہ نے ان کا احترام کیا، بڑی عزت کے ساتھ ایک جگہ بٹھایا، خیریت پوچھی، حالات دریافت کئے، پھر بادشاہ نے درخواست کی کہ کچھ نصیحت فرمائیں۔ تو ابو حازمؒ نے بہت سی نصیحتیں فرمائیں، ان میں سے کچھ باتیں موقع کی مناسبت سے سناتا ہوں، بڑے کام کی باتیں ہیں، غور سے سنیں اور ان سے عبرت حاصل کریں۔

آباد گھر سے ویران گھر جانا کون پسند کرتا ہے؟:

بادشاہ نے پوچھا: حضرت! یہ تو بتایئے ہم موت کو کیوں برا سمجھتے ہیں، موت سے کراہت کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو ابو حازمؒ نے کتنا پیارا جواب دیا۔ آپ نے فرمایا: کوئی آباد گھر سے ویران گھر میں جانا پسند کرتا ہے؟ بادشاہ نے کہا: نہیں! ابو حازمؒ نے فرمایا: بس اب سمجھو! ہم نے دنیا کو آباد کیا ہے اور آخرت کو ویران کر رکھا ہے تو کون آباد گھر سے ویران گھر جانا پسند کرے گا؟ اور جن لوگوں نے آخرت کو آباد کیا ہے وہ موت سے خوش ہوتے ہیں، گھبراتے نہیں۔

سلف صالحین کا یہی حال تھا، ان کو دنیا آباد کرنے کی فکر نہیں تھی، آخرت کو خوب آباد کر رکھا تھا تو وہ موت کو پسند فرماتے تھے۔ جیسا کہ حضرت خالد بن ولید ؓ صرف ۶۰؍ حضرات کو لے کر دشمن کے مد مقابل کھڑے ہو گئے، دشمن کے چیف کمانڈر نے کہا: کیا سب کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے ہو؟ تمہارے پاس نہ ہتھیار ہے، نہ سامان ہے اور ہمارے پاس لشکر ہے، سامان ہے، ہتھیار ہے۔ جاؤ اپنا کام کرو کیوں لشکر کو ہلاک کرتے ہو، اگر اناج چاہیے، مال و دولت چاہیے تو میں دیتا ہوں۔

میرا ہر ساتھی موت کو پسند کرتا ہے:

حضرت خالد بن ولیدؓ نے فرمایا: وعظ کرنا ہے یا جنگ کرنا ہے؟ الحمد للہ ہمارے ساتھیوں کے پاس وہ ہتھیار ہے جو تمہارے لشکر والوں کے پاس نہیں۔ تم ہتھیاروں پر اور مال و دولت اور اسباب و وسائل پر خوش ہو، اللہ نے ہمیں جو طاقت دی ہے ہم اس پر الحمد للہ خوش ہیں۔ اس کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے فرمایا: میرا ہر ساتھی موت کو ایسا پسند کرتا ہے جیسا تمہارا لشکر شراب کو پسند کرتا ہے۔ تو جنہوں نے آخرت کو آباد کیا ہے وہ موت سے ڈرتے نہیں تھے بلکہ اس کے آنے سے خوش ہوتے ہیں۔ تو ابو حازمؒ نے کتنا عمدہ جواب عنایت فرمایا کہ آباد گھر کی طرف جانا کون پسند کرتا ہے، جس نے دنیا کو آباد کیا وہ موت کو کیسے پسند کرے گا۔

قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کس طرح ہوگی؟

بادشاہ سلیمان بن عبد الملک نے دوسرا سوال یہ کیا کہ حضرت! قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے سب کی پیشی ہونے والی ہے، کوئی اس سے چھوٹنے والا نہیں ہے، ہر

ایک کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوکر جواب دینا ہے، قرآن کریم میں فرمایا:

یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ. (المطففین: ٦)

[جس دن تمام لوگ جملہ لوگ پروردگار کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے]

تو وہ پیشی کیسی ہوگی؟ کیسی گھبراہٹ ہوگی؟ دنیا کی کورٹ میں کوئی شخص جاتا ہے تو کس طرح گھبراتا ہے، وہاں معاملہ کس طرح ہوگا؟

میں تھوڑی سوئی تو اتنی پٹائی ہوئی، آپ تو پوری رات سوتے ہو آپ کا کیا ہوگا؟

مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا، ایک مرتبہ رات کو ابراہیم بن ادہمؒ جب بادشاہ تھے، شکار کے لئے جنگل میں گئے، رات کو اپنے محل آنے میں دیر ہوگئی، ان کی ایک باندی تھی اس کے دل میں آیا کہ بادشاہ سلامت کا بیڈ روم دیکھوں کیسا ہے؟ ان کی خواب گاہ کیسی ہے، ذرا مشاہدہ کروں! وہ بادشاہ کی خواب گاہ میں گئی، اس کے گدّے، اس کی قالین اور اس کی سجاوٹ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر وہ دنگ رہ گئی اور بڑی خوش ہوئی، دل میں آیا کہ ذرا اس پر تھوڑی دیر سو کر دیکھوں کیسا لگتا ہے؟ چنانچہ وہ لیٹی تو نیند آ گئی۔ بادشاہ آیا اس نے دیکھا کہ باندی سو رہی ہے اور خراٹے لے رہی ہے۔ بادشاہ کو غصہ آ گیا کہ باندی کو یہ جرأت کس طرح ہوئی، اس نے باندی کو اٹھایا اور اس کو خوب مارا۔ پھر آخر میں بڑے زور سے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور کہا کہ میرے بیڈ پر سونے کا مزہ چکھ لیا؟ وہ ہنسی اور کہا: کہ ہاں خوب مزہ چکھ لیا۔ بادشاہ کو اس کے ہنسنے پر تعجب ہوا اور اس سے پوچھا کہ یہ وقت تو ہنسنے کا نہیں ہے پھر تو کیوں ہنسی؟ باندی نے کہا اگر مجھے جان کی امان دی جائے تو کہوں۔ بادشاہ

نے کہا ٹھیک ہے تجھے امان ہے۔تو باندی نے کہا: بادشاہ سلامت! میں اس بیڈ پر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سوئی تو اتنی پٹائی ہوئی، آپ پوری رات سوتے ہو اور کتنی مدت سے سور ہے ہو تو آپ کا کیا ہوگا؟ بات دل سے نکلی تھی اثر کرگئی۔دل بدلنے کے لئے لمبی تقریر کی ضرورت نہیں، گاہے ایک جملہ بھی کافی ہوجاتا ہے ـــــ:

بات دل سے جو نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

بادشاہ کے دل پر باندی کی بات اثر کرگئی، بزبان حال کہنے لگا ـــــ:

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی :: مرا باجان جاں ہمراز کر دی

اللہ تجھے جزائے خیر دے کہ تو نے میرے دل کی آنکھیں کھول دیں۔ملک بلخ کے بادشاہ تھے، بادشاہت چھوڑ کر درویش، اللہ والے بن گئے۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی حکیمانہ نصیحت کا سبق آموز واقعہ:

ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ حضرت میں پریشان ہوں، میرا مسئلہ حل فرمایئے، وہ یہ کہ دنیا کی زندگی لہو ولعب میں گذر رہی ہے، کل چھٹکارے کی کیا صورت ہوگی؟ آج نافرمانی میں گذر رہی ہے، کوئی تعویذ عنایت فرمایئے کہ مسئلہ حل ہوجائے، گناہ تو مجھ سے چھوٹتا نہیں ہے۔حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے فرمایا عجیب بات ہے تو گناہ چھوڑ نہیں سکتا اور آخرت میں چھٹکارا بھی چاہتا ہے، یہ دونوں کیسے جمع ہوسکتے ہیں؟

اس کا رزق کھائیں اور اسی کی نافرمانی کریں، یہ کہاں کی انسانیت ہے؟

پھر آپ نے اس سے فرمایا میں تم سے چند باتیں کہنا چاہتا ہوں، تمہارے پاس

ان کا معقول جواب ہو تو مجھے بتاؤ۔ اس شخص نے کہا اگر مجھ سے جواب بن پڑے گا تو جواب دوں گا۔ آپ نے اس سے فرمایا ہو سکے تو جس دن تم کوئی گناہ کرو اس دن خدا کا رزق نہ کھانا۔ اس شخص نے کہا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ میں خدا کا رزق نہ کھاؤں، رزّاق تو وہی ہے، وہی اپنی مخلوق کو روزی دیتا ہے، دنیا میں وہی رزق پیدا کرتا ہے، کھیتیاں اگاتا ہے، پھل اور میوے پیدا کرتا ہے، سب اسی کا ہے پھر یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ میں اللہ کا رزق نہ کھاؤں؟ آپ نے فرمایا: یہ کہاں کی انسانیت ہے جس کا رزق کھائیں اسی کی نافرمانی کریں، اس کا کھائیں اور اسی کی بات نہ مانیں۔ یہ تو نمک حرامی ہے کوئی شریف شخص ایسا نہیں کر سکتا ہے جس کا کھائے اسی کا کھودے، جس تھالی میں کھائے اسی میں چھید کرنا کونسی شرافت ہے؟ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی یہ حکیمانہ بات سن کر وہ شخص خاموش ہو گیا۔

ایسی جگہ جا کر گناہ کرو جہاں اللہ کا ملک نہ ہو:

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے اس کے بعد دوسری بات کہی، فرمایا جب تمہارا ارادہ گناہ کرنے کا ہو تو اللہ کے ملک سے نکل کر کرو۔ اس شخص نے حیرانی سے کہا: یہ کیوں کر ممکن ہے؟ زمین و آسمان میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اللہ کی حکومت نہ ہو اور جہاں ان کی بادشاہت نہ ہو۔ آپ نے فرمایا: رعایہ کے لئے بادشاہ کی حکم عدولی مناسب نہیں، یہ کہاں کی غیرت مندی ہے کہ جس کو تم اپنا بادشاہ تسلیم کرو اور اسی کے ملک میں اس کے حکم کے خلاف کرو اور نافرمانی کرو۔

یہ تو عالمی بین الاقوامی قانون ہے جس ملک میں رہتے ہو تو اس ملک سے

بغاوت کرنے والا تو سب سے بڑا مجرم کہلاتا ہے۔قرآن کریم میں فرمایا:

يٰـمَعْشَرَ الْـجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۔ (الرحمٰن: ۳۳)

[اے گروہ جن وانس اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو، (لیکن حال یہ ہے کہ) تم بغیر قوت اور زور کے نہیں نکل سکتے۔]

اگر حدود اراضی وسماوی سے کہیں بھاگ سکتے ہو تو بھاگ جاؤ لیکن بھاگ نہیں سکتے۔جس طرح آج تمہاری حالت کمزور کی سی ہے اور بے بسی کی ہے اسی طرح عالم آخرت میں بھی تم عاجز اور بے بس ہو گے، بچ کر بھاگ نہیں سکو گے۔اللہ تعالیٰ کے ملک سے کیسے بھاگ سکتے ہو؟

ان کی اس دوسری بات کا بھی اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، بالکل لا جواب ہو گیا۔

ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں اللہ نہ ہو اور اس سے چھپ کر گناہ کرو:

حضرت نے تیسری بات ارشاد فرمائی۔فرمایا: جب تمہارا گناہ کا ارادہ ہو تو ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں وہ تمہیں نہ دیکھتا ہو۔وہ شخص یہ سن کر بہت زیادہ متعجب ہوا، اس نے کہا اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ موجود ہے، ہر چیز ان کے سامنے ہے پھر ان سے کیوں کر چھپا جا سکتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے فرمایا عزیز من! جس مالک کا دیا ہوا رزق کھائیں،

جس کی بنائی ہوئی زمین پر رہیں اور جو ہر جگہ حاضر وناظر ہو، ہمارے ایک ایک عمل کو دیکھتا ہو، کوئی چیز اس سے مخفی اور پوشیدہ نہ ہو اس کے حکموں پر نہ چلنا اور نافرمانی کرنا نمک حرامی نہیں تو اور کیا ہے؟ ان کی ان باتوں کا بھی اس شخص کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

تم جہاں بھی ہو اللہ تمہیں دیکھتا ہے اور تمہارے ساتھ ہے، ایک سبق آموز واقعہ:

تو اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں، سب کچھ دیکھتے ہیں۔ اس پر ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک شخص آیا، طالب صادق تھا، دل وجان سے کام میں لگ گیا۔ بزرگ نے تھوڑے ہی دنوں میں اس کی اندرونی کیفیات کا اندازہ لگالیا اور اس کو خلافت عطا فرمادی۔ دوسرے مریدین کو حسد ہوا کہ ہم مدتوں سے ہیں، ہمیں خلافت نہیں ملی اور یہ ابھی ابھی آیا اور اس کو خلافت مل گئی۔ بزرگ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ مریدین میں چہ می گوئیاں ہو رہی ہیں۔ حضرت نے اس کے بعد تمام مریدین سے عرض کیا کہ کل تم سب ایک ایک مرغ لے کر آنا۔ دوسرے دن جب مریدین حاضر ہوئے اور سب کے ہاتھ میں مرغ تھا تو حضرت نے سب کو ایک ایک چھری دی اور فرمایا یہ مرغ ایسی جگہ ذبح کر کے لے آؤ جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو، کسی کی نظر نہ پڑے۔ تمام مریدین گئے اور ذبح کر کے لے آئے۔ وہ مرید جس کو خلافت دی گئی تھی وہ زندہ ہی لے کر آ گیا تو حضرت نے اس سے پوچھا کہ تم نے کیوں ذبح نہیں کیا تو انہوں نے عرض کیا میں نے جدھر دیکھا ''اللہ اللہ'' ہی نظر آیا، کوئی جگہ ایسی نہیں ملی جہاں وہ مجھے نہ دیکھتا ہو۔____:

بسا　　ہے　　کچھ　　نظروں　　میں　　ایسا

جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

ابھی سورۂ حدید میں آپ نے سنا:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (سورۂ حدید: ۴)

[اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو] اور قرآن نے دوسری جگہ کہا: ﴿**مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ**﴾ [کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس کا چوتھا وہ (یعنی) اللہ نہ ہو] ﴿**وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ**﴾ [اور پانچ کی سرگوشی نہیں ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ (یعنی اللہ) نہ ہو] کوئی کہے ہم تین نہیں ہم دو ہیں یا پانچ سے زیادہ ہیں تو قرآن نے اس کو بھی بیان کردیا ﴿**وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ**﴾ [اگر اس سے کم ہو یعنی اگر تم ایک ہو تو دوسرا وہ (یعنی اللہ) ہوتا ہے، اور اگر تم دو ہو تو تیسرا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے زیادہ یعنی پانچ سے زیادہ، چاہے جتنے بھی ہوں اگر تم نناوے ہوتے ہو تو سوواں اللہ ہوتا ہے] آگے فرمایا: ﴿**اَيْنَ مَا كَانُوْا**﴾ (سورۂ مجادلہ:۶) [چاہے وہ لوگ کہیں بھی ہوں] غرض جہاں کہیں بھی تم ہو اللہ تعالیٰ وہاں ہوتے ہیں اور ہر چیز ان کے سامنے ہے ﴿**لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ**﴾ (سورۂ انعام:۱۰۳) [ہماری آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور اللہ تعالیٰ سب کی نگاہوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے] اللہ کی ذات عالی سے ہم ایک لمحہ کے لئے غائب نہیں ہوسکتے، تو اس شخص نے کہا کون سی جگہ زمین میں ایسی ہے کہ میں وہاں جا کر اللہ عز وجل سے چھپ کر گناہ کرلوں، وہ تو ہر لمحہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

موت کے فرشتہ سے توبہ کی مہلت طلب کرنا:

پھر آپ نے چوتھی بات کہی، فرمایا کہ جب موت کا فرشتہ تمہارے پاس تمہاری روح قبض کرنے کے لئے آئے تو اس سے اپنے گناہوں پر توبہ کرنے کی مہلت طلب کرنا۔اس شخص نے شرمندگی کے ساتھ جواب دیا موت کا فرشتہ بھلا کسی کو مہلت دیتا ہے؟ وہاں تو ایک لمحہ اور ایک سیکنڈ کی مہلت نہیں مل سکتی۔

اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لاَ يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلاَ يَسْتَقْدِمُوْنَ. (الاعراف: ۳۴)

[جب موت کا وقت آجاتا ہے تو نہ ایک منٹ آگے ہوسکتی ہے نہ پیچھے۔]

حضرتؒ نے فرمایا: اے نا سمجھ! جب تیرا یقین ہے اور تو سمجھتا ہے کہ موت کا فرشتہ کسی کو ایک سیکنڈ کی مہلت نہیں دیتا اور اس وقت توبہ کرنے اور اعمال صالحہ کرنے کا کوئی موقعہ نہیں مل سکتا تو اللہ کے بندے موت سے پہلے کیوں توبہ نہیں کر لیتا۔ ابھی تیرے پاس زندگی ہے، قوت ہے، عقل اور سمجھ ہے، صحت اور تندرستی ہے، اللہ کی نعمتیں تیرے پاس ہیں، ان تمام نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے مالک اور خالق کی معرفت حاصل کر، اللہ کا خوف اپنے اندر پیدا کر اور ابھی وقت ہے اس کو غنیمت سمجھتے ہوئے توبہ کرنے میں اور اعمال صالحہ کرنے میں عجلت کر اور سبقت کرتے ہوئے اللہ کو راضی کرنے کی کوشش شروع کرو۔ اللہ تعالیٰ نے کتنے اچھے انداز میں بندوں کو دعوت دی ہے:

وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ. (آل عمران: ۱۳۲)

[اللہ کی مغفرت کی طرف سبقت کرو اور ایسی جنت کی طرف جلدی جلدی بڑھو

جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔] لہٰذا توبہ میں عجلت کر اور تقویٰ اور اعمال صالحہ جلدی سے جلدی اختیار کر، یہی عقل مندی اور دانائی اور ہوشیاری ہے۔ جو آخرت کی تیاری میں لگ جائے وہ سب سے بڑا عقل مند ہے۔

منکر نکیر کے سوالوں کا جواب نہ دینا اور ان کو بھگا دینا:

اس کے بعد آپ نے اس سے پانچویں بات کہی کہ جب قبر میں منکر نکیر آئیں اور تجھ سے سوال کریں تو ان کو ڈانٹ کر بھگا دینا اور ان کے سوالوں کا جواب نہ دینا۔ یہ سن کر اس شخص نے کہا کہ منکر نکیر کے سامنے کس کی چلے گی اور کس کو طاقت ہے کہ ان کو بھگا دے اور ان کے سوال کا جواب نہ دے اور وہ کسے چھوڑتے ہیں کہ مجھے چھوڑ دیں گے، الا ما شاء اللہ۔ تو حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے فرمایا جب تو جانتا ہے کہ سوال و جواب کے بغیر منکر نکیر تجھے نہیں چھوڑیں گے تو ان کے سوالات کا جواب دینے کے لئے خود کو تیار کیوں نہیں کرتا اور خود کو ایمان کے تقاضوں پر کیوں نہیں چلاتا اور اپنے اندر ایمان کی حقیقت پیدا کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا کہ قبر کا معاملہ آسان ہو اور قبر کی وحشتوں میں اللہ کی محبت اور ان کی ذات عالی کا تعلق کام آئے اور اعمال صالحہ چاروں طرف سے تجھ کو اپنی حفاظت میں لے لیں اور ان تمام چیزوں کی برکت سے تو عذاب قبر سے محفوظ رہے۔ وہ شخص ان باتوں کو سن کر خاموش رہا اور اس بات کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

میدان محشر میں جہنم میں جانے سے انکار کر دینا:

اس کے بعد حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے اس سے چھٹی بات کہی کہ میدان محشر میں جب گنہگاروں کو دوزخ میں لے جانے کا حکم ملے تو دوزخ میں جانے سے انکار کر

دینا۔اس شخص نے کہا عذاب کے فرشتے بھلا کیوں چھوڑنے لگیں؟ ان کو تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا،اس کی خلاف ورزی کرتے ہی نہیں۔

لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ. (التحریم: ٦)

[وہ فرشتے ایسے ہوتے ہیں جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجالاتے ہیں۔]

ان کو تو جو کہہ دیا گیا بس اسی کام میں لگے رہتے ہیں،لہذا جب ان کو حکم ہوگا تو وہ زنجیروں میں باندھ کر لے جائیں گے اور بچنے کی کوئی صورت نہ ہوگی الاّ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے اور معاف فرمادے یا اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوئی سفارش کردے۔حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے فرمایا اے غافل! میں نے تیرے سامنے جتنی باتیں پیش کیں تو ان سب سے عاجز ہے اور ایک بات بھی تو اپنے اختیار سے نہیں کرسکتا ہے تو دیکھ اور سوچ ابھی تیرے پاس توبہ کا موقع ہے، زندگی ہے، نیک اعمال کرسکتا ہے، اپنے اللہ کو راضی کرسکتا ہے۔لہذا اب توبہ کرنے اور اعمال صالحہ کرنے میں تاخیر مت کر، پتہ نہیں کب تیری موت کا وقت آجائے اور تیری زندگی کی شام ہوجائے اور پھر سوائے حسرت اور ندامت کے کچھ نہ ہو اور وہ حسرت وندامت کچھ کام بھی نہ آئے۔ان باتوں سے وہ شخص بے حد متاثر ہوا اور سمجھ گیا کہ بس نجات کی راہ یہی ہے کہ توبہ کرکے اپنے اللہ کو راضی کرنے والے اعمال میں لگ جاؤں، وہ رحیم وکریم ذات اپنے فضل سے میرے گناہوں کو بخش دے گا اور مجھے اپنی رضا نصیب کردے گا۔چنانچہ اس نے سچے دل سے اپنے تمام گناہوں سے توبہ کی اور یاد الٰہی میں مشغول ہوگیا اور اسی حالت صالحہ میں دنیا سے رخصت ہوا۔رحمة الله عليه رحمة واسعة

صلحاء اور نیک بندوں کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیشی کی کیفیت:

بزرگانِ محترم! میں آپ کو ابو حازمؒ اور سلیمان بن عبد الملک کا واقعہ سنا رہا تھا۔ درمیان میں اللہ کے ایک بزرگ بندے حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کا ذکرِ خیر آ گیا۔ تو سلیمان بن عبد الملک نے حضرت ابو حازم سے دریافت کیا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کس طرح ہوگی؟ حضرت ابو حازمؒ نے جواب عنایت فرمایا قیامت کے میدان میں سب کی پیشی اللہ کے حضور ہوگی لیکن نیک لوگوں کی پیشی کی شان علیحدہ ہوگی اور فجار فساق اور کفار کی پیشی کی نوعیت الگ ہوگی، نیک لوگوں اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی پیشی ایسی ہوگی جیسے کہ ایک شخص کہیں سفر پر گیا ہو اور اس نے اپنے اس سفر میں ہمیشہ اپنے مقصدِ سفر کو سامنے رکھا ہو اور سفر کے دوران ہمیشہ اپنے گھر والوں کا اور رشتہ داروں کا خیال رکھا ہو اور سفر سے واپسی کے وقت ہر ایک کے لئے تحفے خریدے ہوں، ان کی ضرورت کی چیزیں اور ان کی فرمائش کی اشیاء خرید لی ہوں۔ بتاؤ اس شخص کو اپنے گھر جانے کی کس قدر خوشی ہوگی اور گھر والوں کو بھی اس کی آمد پر کس قدر مسرت ہوگی۔ جیسے جیسے وہ اپنے گھر کے قریب ہوتا جائے گا اس کی خوشی اور مسرت میں اضافہ ہوتا جائے گا اور گھر والوں کو بھی اس کی آمد کا شدت سے انتظار ہوگا اور استقبال کے لئے آنکھیں بچھائے ہوں گے اور ایک ایک لمحہ شمار کر رہے ہوں گے۔ بس اسی طرح اللہ والوں کی پیشی ہوگی یہ بھی اللہ تعالیٰ کی لقاء کو پسند کرتے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ بھی ان سے ملنے کو پسند فرماتے ہیں۔ بڑے اعزاز اور احترام کا معاملہ ہوگا، عرش کے سایہ میں جگہ ملے گی، نور کے ممبروں پر ہوں گے اور پھر بڑے اعزاز سے جنت میں داخل ہوں گے۔

مجرمین کی پیشی:

کفار، فجار، فساق اللہ کے نافرمان بندوں کی پیشی ایسی ہوگی جیسے کہ کوئی غلام ہو، اپنے مالک کی چوری کر کے بھاگا ہو اور مالک سے چھپ چھپا کر ادھر ادھر پھر رہا ہو، اسے پکڑ لیا گیا اور ہاتھ پیر باندھ کر اس کو مالک کے پاس لے جایا جا رہا ہو۔ بتلایئے اس شخص کی کیا حالت ہوگی؟ اپنے مالک کے پاس جانے میں اسے کوئی خوشی اور مسرت ہوگی؟ اور اس کا مالک اس کے آنے پر خوش ہوگا؟ سچ یہ ہے کہ اس غلام کو واپس جانے میں موت نظر آئے گی اور لوٹ کر جانا بالکل پسند نہ کرے گا۔ بس یہی حالت نافرمانوں اور مجرموں کی اللہ رب العالمین کے پاس جاتے وقت ہوگی، ان کو پکڑ کر لایا جائے گا، زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے، میدان محشر میں بے انتہا ذلیل و خوار ہوں گے، ذلت اور پژمردگی ان کے چہروں پر چھائی ہوئی ہوگی اور اسی ذلت و خواری کے ساتھ جہنم میں ڈال دئے جائیں گے اور وہاں ان کی حالت یہ ہوگی؛

لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى. (طٰهٰ: ۷۴)

[نہ موت آئے گی اور نہ راحت کی زندگی ہوگی۔]

ایسی زندگی ہوگی کہ جس میں سکون نہ ہو، وہ زندگی کہلانے کے قابل بھی نہیں ہوتی۔ دوسری جگہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ. ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ.

[پکڑو، جکڑو ان کو اور جہنم میں ان کو ڈال دو۔] مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ وہاں کی ایک زنجیر ایسی ہوگی کہ اس کو اٹھانے کے لئے ستر ہزار فرشتے ہوں گے، اتنی بڑی

زنجیر ہوگی۔حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قال قال رسول الله ﷺ یؤتیٰ بجهنم یومئذ لها سبعون الف زمامٍ مع کل زمام سبعون الف ملک یجرونها. (رواه مسلم)

[قیامت کے دن جہنمی کو لایا جائے گا اس حال میں کہ وہ ستر ہزار زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوگا اور ہر زنجیر کو ستر ہزار فرشتوں نے تھاما ہوا ہوگا۔]

اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے اور ہم سب کو میدان محشر کی رسوائیوں اور جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے۔آمین

مجرمین چہرے سے پہچان لئے جائیں گے:

اور سورۂ رحمٰن میں ارشاد فرمایا کہ مجرمین اپنے چہرے سے پہچان لئے جائیں گے۔

یُعۡرَفُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ بِسِیۡمٰهُمۡ

[مجرم لوگ اپنے چہرے سے پہچان لئے جائیں گے]

جیسا کہ مؤمنین کاملین نمازیوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ان کے اعضاءِ وضو روشن اور چمکدار ہوں گے، اعضاء وضو کی چمک اور چہروں کی نورانیت سے ہی پہچان لیا جائے گا کہ یہ لوگ اللہ کے اطاعت گذار بندے ہیں۔

یَّوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ (آل عمران: ۱۰۶)

[اس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ سیاہ ہونگے۔]

الغرض مجرمین بھی اپنے چہروں سے پہچان لئے جائیں گے۔آگے ارشادفرمایا:

فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِىْ وَالْاَقْدَامِ. (الرحمٰن: ۴۱)

[سوان کے پیشانی کے بال اور پیر پکڑ کران کوجہنم کی طرف لایا جائے گا۔]

اللہ تعالیٰ استحضار نصیب فرمائے:

بزرگان محترم! عالم برزخ، محشر اور آخرت کی بڑی دشوار گذار گھاٹیاں ہیں، ان کے لئے متفکر ہونے اور وہاں کی تیاری کرنے کی بہت ہی سخت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں استحضار نصیب فرمائے۔ الحمدللہ! ہم لوگ دین کی باتیں سنتے رہتے ہیں، استحضار اور عمل کی ضرورت ہے۔ جن کو فکر آخرت حاصل ہوگئی وہ ان شاءاللہ کامیاب ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری غفلتوں اور خدافراموشی کو معاف فرمائے اور اپنی یاد والی اور اپنی رضامندی والی زندگی اور موت عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ۷ ﴾

شکر کی حقیقت

(قسط اول)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنا دین کی اہم اور بنیادی باتوں میں سے ایک ہے۔اب یہ کہ شکر کسے کہتے ہیں؟ تو لغت میں شکر کے اصلی معنیٰ یہ ہیں کہ جانور میں تھوڑے سے چارہ ملنے پر بھی تر وتازگی پوری ہواور دودھ زیادہ دے۔اس سے انسانوں کے محاورہ میں یہ معنیٰ پیدا ہوئے کہ کوئی کسی کا تھوڑا سا بھی کام کر دیوے تو دوسرا اس کی پوری قدر کرے اس کا احسان مانے۔چنانچہ کہتے ہیں ''آپ کا شکریہ'' یعنی میں آپ کا احسان مانتا ہوں۔شکر تین طرح سے ادا ہوتا ہے۔

۱......دل سے،یعنی کسی کے احسان کو محض دل سے ماننا۔

۲......زبان سے،یعنی دل سے مانتے ہوئے زبان سے اس کا شکریہ بھی ادا کرنا۔

۳......جسم کے اعضاء وجوارح سے،یعنی دل سے احسان مان کر عمل سے اس کا شکرادا کرنا۔

شکر کا مدمقابل 'کفر' آتا ہے،چنانچہ ناشکری کو'کفران نعمت' کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں لفظوں کوایک ساتھ قرآن مجید کی سورۂ دہر میں بیان فرمایا ہے:

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ﴾ [پھر ہم نے اس کی رہنمائی کی] ﴿اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ [اب آدمی چاہے شکر گذار بندہ بن جائے،چاہے ناشکرا بن جائے اس کے اختیار میں ہے۔]

﴿ ۷ ﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شکر کی حقیقت

(قسط اول)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَا وَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَکَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیْماً.

(النساء:۱۴۷)

[اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر کیا کریں گے اگر تم شکر کرو اور ایمان والے بن جاؤ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے والے اور خوب جاننے والے ہیں۔]

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

جو شخص اس آیت میں صحیح معنی میں تدبر کر لے تو یہ آیت اس کے دل کو موم کر دے گی:

بزرگو! اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کا مطالبہ فرمایا ہے اور بڑی رحمت کا وعدہ فرمایا ہے اور وہ بھی بڑے عجیب انداز سے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کیا پوچھنا؟

اگر ہم تھوڑا بہت عربی سے واقف ہوتے تو یہ آیت ایسی ہے کہ اس کو سن کر مسلمان کا دل موم ہو جائے، اس کو رونا آ جائے کہ ہمارا مہربان رب کیا کہہ رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ

[اگر تم شکر کرو اور ایمان والے بن جاؤ تو اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر کیا کریں گے!]

اس کے بعد فرمایا: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْماً. ﴾ [اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے والے اور خوب جاننے والے ہیں۔]

شکر کے معنیٰ:

بزرگو! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا دین کی اہم اور بنیادی باتوں میں سے ایک ہے۔ اب یہ کہ شکر کسے کہتے ہیں؟ تو لغت میں شکر کے اصلی معنیٰ یہ ہیں کہ جانور میں تھوڑے سے چارہ ملنے پر بھی تروتازگی پوری ہو اور دودھ زیادہ دے۔ اس سے انسانوں کے محاورہ میں یہ معنیٰ پیدا ہوئے کہ کوئی کسی کا تھوڑا سا بھی کام کر دیوے تو دوسرا اس کی پوری قدر کرے اس کا احسان مانے۔ چنانچہ کہتے ہیں ''آپ کا شکریہ'' یعنی میں آپ کا احسان مانتا ہوں۔ یہ معنیٰ تب ہے جب شکر کی نسبت انسان کی طرف کی جائے، اور اگر شکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس کا معنیٰ ہوگا قدر کرنے والا۔ جیسا کہ مذکور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا ﴾ تو یہاں شکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے تو اس کا معنیٰ ہوگا [اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے والے ہیں] قدر

کرنے والے ہیں یعنی بہتر بدلہ دینے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی صفت جیسے 'شاکر' ہے ویسے ہی اللہ کی صفت 'شکور' بھی ہے،شکور بھی شکر ہی سے مشتق ہے؛ البتہ شکور کے معنی ہیں 'تھوڑے عمل پر زیادہ بدلہ دینے والا' محدث عظیم ملا علی قاریؒ مشکوۃ کی شرح مرقاۃ میں شکور کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الذی یعطی الاجر الجزیل علی الامر القلیل

(مرقاۃ:۵/۸۵،بحوالہ کشکول معرفت)

[جو قلیل عمل پر عظیم جزاء عطا فرماوے اس کو شکور کہتے ہیں۔]

شکر تین طرح سے ادا ہوتا ہے:

شکر تین طرح سے ادا ہوتا ہے۔

۱......دل سے،یعنی کسی کے احسان کو محض دل سے ماننا۔

۲......زبان سے،یعنی دل سے مانتے ہوئے زبان سے اس کا شکریہ بھی ادا کرنا۔

۳......جسم کے اعضاء وجوارح سے،یعنی دل سے احسان مان کر عمل سے اس کا شکر ادا کرنا۔

شکر کی ضد کفر آتی ہے:

شکر کا مد مقابل 'کفر' آتا ہے، ویسے تو کفر کے لغت میں بہت سے معنی ہیں 'ناشکری کرنا' 'انکار کرنا' 'چھپانا'؛ البتہ جب یہ شکر کی ضد میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی متعین ہوجاتے ہیں ناشکری کرنا۔اور محاورہ میں کسی کے کام یا احسان پر پردہ ڈالنے اور زبان ودل سے اس کے اقرار اور عمل سے اس کے اظہار نہ کرنے کے ہیں۔اس سے

ہماری زبان میں کفران نعمت کا لفظ استعمال میں ہے، چنانچہ ناشکری کو 'کفران نعمت' کہتے ہیں۔

یہی کفر وہ لفظ ہے جس سے زیادہ برا لفظ اسلام کی لغت میں نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے احسانوں اور نعمتوں کو بھلا کر دل سے اس کا احسان مند نہ بننا، زبان سے اس کا اقرار اور عمل سے اپنی اطاعت شعاری اور فرماں برداری ظاہر نہ کرنا کفر ہے، اور کافر اس کا ارتکاب کرتا ہے اس لئے اسے کافر کہتے ہیں۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے سیرت النبی میں یہی معنیٰ بیان کیا ہے۔

اب کفر اور کافر کے معنی آپ کو سمجھ میں آ گئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں لفظوں کو ایک ساتھ قرآن مجید کی سورۂ دہر میں بیان فرمایا ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا.

[اے انسان! تجھ پر ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے کہ تیرا نام ونشان بھی نہ تھا۔] تیرا تذکرہ بھی نہ تھا۔

انسان کی دو حالتیں:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا.

[ہم نے انسان کو ایک مخلوط ناپاک قطرہ سے بنایا پھر ہم نے اس کو سننے والا اور دیکھنے والا بنایا۔] جسم وبدن کی تخلیق سے پہلے انسان منی کا قطرہ تھا اور منی کا قطرہ خون سے بنا اور خون غذا سے بنا اور غذا سارے عالم میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس سے ہم نے تجھ کو پیدا کیا، اس سے قبل تیرا نام اور تذکرہ بھی نہیں تھا۔ اب آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا هَدَیۡنٰهُ السَّبِیۡلَ﴾ [پھر ہم نے اس کی رہنمائی کی] ﴿اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوۡرًا﴾ [اب آدمی چاہے شکر گذار بندہ بن جائے، چاہے ناشکرا بن جائے اس کے اختیار میں ہے۔]

تو شکر کی نسبت جب اللہ کی طرف ہو تو اس وقت مطلب ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے شکر گذار بندوں کی قدر کرنے والے ہیں اور ان کے تھوڑے عمل پر بھی ان کو بہت زیادہ بدلہ دیتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی جس قدر نعمتیں ہیں ان نعمتوں کو اگر ہم دیکھیں تو ہمارے بس میں نہیں ہے کہ ہم ان نعمتوں کا شکر ادا کر سکیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے شکر کے محتاج نہیں:

حضرت لقمانؑ کی پند و نصائح بہت مشہور ہیں، آپ اپنے بیٹوں کو نصیحت کیا کرتے تھے، وہ نصیحت کی باتیں بہت ہی حکمت اور دانائی والی ہوتی تھی، جو صد پند لقمان سے مشہور ہیں، ان کی کچھ نصیحتیں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی بیان فرمائی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمانؑ کو حکمت اور دانائی عطا فرمائی تھی، اس حکمت اور دانائی کے وصف کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِکۡمَةَ اَنِ اشۡکُرۡ لِلّٰهِ وَمَنۡ یَّشۡکُرۡ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِهٖ وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ. (سورۂ لقمٰن: ۱۲)

[ہم نے لقمان کو یہ دانائی بخشی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اور جو شکر گذار بنتا ہے تو وہ اپنا ہی فائدہ کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے پس بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور وہ اپنی ذات میں لائق تعریف ہے]

اس آیت سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱......ایک یہ کہ شکر گذاری دانائی کی بات اور وصف ہے۔

۲......دوسرا یہ کہ شکر گذاری خود انسان کے حق میں مفید ہے اور ناشکری نقصان دہ ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِيْدٌ.﴾ (الابراہیم:۷) [اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہاری نعمتوں میں اور اضافہ کردوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا دردناک ہے۔]

۳......تیسری بات اس آیت سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات میں کسی کے شکر کے محتاج نہیں ہے اگر کوئی اس کا شکر ادا نہ بھی کرے، اس کی حمد بیاں نہ بھی کرے تب بھی وہ حمد وشکر کے لائق ہے، اس کی عظمت اپنی جگہ مسلم ہے۔

شکر کے متعلق حضرت داؤدؑ کا عجیب اعتراف عجز:

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ سے فرمایا: ﴿اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ﴾ (سورۂ سبا:۱۳) [اے آل داؤد! میرا شکر ادا کرو اور میرے بندوں میں میرے شکر گذار بندے بہت کم ہیں۔] تو حضرت داؤدؑ نے ہتھیار ڈال دئے کہ یا اللہ! سب نعمتیں آپ ہی نے دی ہیں، اگر میں ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے بیٹھوں گا تو اس کی توفیق بھی آپ ہی کی دی ہوئی ہے، آپ کی نعمتوں پر شکر کی توفیق مل جانا یہ مستقل ایک نعمت ہے اس پر بھی مستقل شکر ضروری ہوگا اور پھر اس توفیق شکر پر مستقل شکر ضروری ہوگا اور پھر یہ سلسلہ ختم نہیں ہوسکتا۔ یا اللہ! میں کس طرح شکر ادا کروں؟ میں تو عاجز ہوں۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”الاٰن شکرتنی یا داؤد“ [اے داوٗد! اب آپ نے شکرادا کر دیا] اس لئے کہ ہتھیار ڈال دیئے اور حق شکر ادا کرنے سے اپنے عجز کا اعتراف کر لیا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ انسان اللہ کی نعمتوں کا حق شکر ادا نہیں کر سکتا۔ عبدیت یہی ہے کہ ہم اپنے عجز کا اقرار کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ عرض کر دیں کہ اے اللہ! ہم سے حق شکر ادا نہیں ہو سکتا۔

انسان ایک نعمت کا احصاء نہیں کر سکتا:

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (سورۂ ابراھیم: ۳۴)

[اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔]

اس موقعہ پر مفسرین نے تحریر فرمایا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لفظ ”نعمت“ واحد کا صیغہ بیان کیا ہے، اور حق یہ ہے کہ ایک نعمت کے تحت کتنی نعمتیں ہیں انسان اس کا احصاء اور اس کا شمار نہیں کر سکتا۔ مثلاً آپ نے ایک لقمہ منہ میں رکھا، ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ایک نعمت کھائی ہے مگر آپ غور کیجئے یہ لقمہ کہاں سے آیا۔ یہ اناج ہے، اناج کہاں سے پیدا ہوا؟ زمین اللہ کی نعمت ہے، زمین سے کس طرح اناج پیدا ہوا؟ کس نے پیدا کیا؟ آسمان سے پانی کس نے برسایا؟ سورج کی شعائیں، چاند کی چاندنی، کسان کی محنت، کھیت سے کاٹا گیا، کھلیان میں لایا گیا، ہوتے ہوتے آپ کے گھر وہ اناج پہنچا، پھر اس کو پکایا گیا۔ تو دوستو! یہ ایک لقمہ ہے مگر اس کے تحت کتنی نعمتیں ہیں بے شک ہم اللہ کی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے۔

سانس عظیم نعمت ہے:

آپ سانس لیتے ہیں، حق یہ ہے کہ یہ سانس بھی اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ ایک سانس پر اندر کی بد بودار ہوا باہر نکلتی ہے اور باہر کی تازہ خوشگوار ہوا اندر جاتی ہے۔ تو ایک سانس پر دو شکر ادا کرنا واجب ہے لیکن بندہ کا خیال بھی نہیں جاتا کہ یہ نعمت ہے اور مجھے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ مولانا ابرار احمد صاحب دھلیویؒ فرماتے تھے انسان کو آدم زاد بھی کہتے ہیں۔ درمیان میں سے دم نکالو؛ ''آزاد'' ہے۔ یہ سانس انسان کے لئے کس قدر ضروری ہے، اس کے بغیر انسان کی زندگی باقی نہیں رہ سکتی؛ مگر دیکھو اللہ تعالیٰ نے اسے کتنا آسان کر دیا۔ نہ اس کے لئے انسان کو محنت کرنا پڑتی ہے، نہ اس کا کوئی بل ادا کرنا پڑتا ہے، بیداری اور سونے کی حالت میں بھی انسان سانس لیتا ہے، چلتے پھرتے ہر وقت بے اختیار سانس لیتا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ چوبیس گھنٹے میں انسان کم و بیش چوبیس ہزار مرتبہ سانس لیتا ہے۔ لوگ شکایت کرتے ہیں کہ مولوی صاحب! میں اتنی نماز پڑھتا ہوں، روزے رکھتا ہوں پھر بھی میرے یہاں کڑکی ہے، تنگی ہے، تکلیف ہے، اللہ نے مجھے نعمت نہیں دی ہے۔ ارے اللہ کے بندے تو غور کر، اللہ نے تجھے کس قدر نعمتیں دے رکھی ہیں!!! یہ جو تو سانس آسانی سے لے رہا ہے، کوئی تکلیف نہیں ہے، کیا یہ نعمت نہیں ہے؟ جاؤ ان لوگوں کو دیکھو جو دم کے مرض میں مبتلا ہیں، ان کو جب دورہ پڑتا ہے تو صرف سانس لینے میں ان کو کس قدر تکلیف ہوتی ہے۔ اس وقت انسان کو اس نعمت کی قدر ہوتی ہے۔ تو دوستو! ہم ہر لمحہ اللہ کی نعمتوں کو استعمال کر رہے ہیں، اس کا ہمیں احساس کرنا چاہئے اور ہمیں ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

اس سے بڑھ کر کوئی نعمت ہے!!

ایک صحابیؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تشریف لائے اور کہنے لگے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے سورۂ اخلاص یاد ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس سے بھی بڑھ کر کوئی نعمت ہے۔

بادشاہت کی قیمت:

ہمارے بزرگ مولانا سید ابرار احمد دھلیوی صاحبؒ ایک قصہ سنایا کرتے تھے۔ کسی زمانہ میں کسی ملک کا ایک بادشاہ تھا، اس کے پیٹ میں درد ہوا، بادشاہ لوگ علاج معالجہ میں بہت خرچ کرتے ہیں، کچھ ان کے خدام اور چمچے بھی ہوتے ہیں وہ اور تکلفات کرتے ہیں جیسا کہ ایک نواب صاحب نے زور سے ریح خارج کی تو درباری خوشامدی لوگوں نے کہا اللہ تعالیٰ نواب صاحب کو صحت عطا فرمائے؛ حالانکہ یہ بے ادبی ہے مگر اس پر دعا دیتے اور دوسری جانب بے چارہ غریب آدمی مر جائے، اس کی روح نکل جائے بقول حضرت تھانوی قدس سرہ کہ بادشاہ کی تو ریح کی بھی قدر ہے اور بے چارہ غریب کی روح کی بھی قدر نہیں۔ تو بادشاہ صاحب تھے ان کے پیٹ میں درد ہوا اور ریح بند ہو گئی جس کی وجہ سے بڑی بے چینی اور تکلیف میں مبتلا تھے۔ علاج و معالجہ بہت کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بادشاہ صاحب نے کہا خزانے کا منہ کھول دو اگر میں مر گیا اور روح نکل گئی اور ریح چالو نہیں ہوئی تو کیا فائدہ؟ اس درمیان ایک اللہ والے بھی پہنچ گئے، انہوں نے کہا میرے پاس اس کا علاج ہے لیکن میری دوا بہت مہنگی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیا قیمت ہے؟ کہا تمہاری بادشاہت مجھے دے دو۔ بادشاہ نے سوچا صحت بھلی ہے، بادشاہت بھلی نہیں،

صحت نہیں تو بادشاہت کس کام کی۔ تو بادشاہ نے وعدہ کرلیا کہ تم کو بادشاہت دے دوں گا۔ اللہ والے نے ایک گولی دی اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی۔ ادھر دوا دی، ادھر دعا کی، ان کی دعا کی برکت سے بادشاہ کو افاقہ ہوگیا۔ ڈکاریں آئیں، پیٹ کچھ ہلکا ہوا، اور راحت محسوس ہوئی۔ بادشاہ نے اللہ والے کو بلوایا اور کہا حسب وعدہ بادشاہت لے لو۔ اللہ والے نے کہا بادشاہت تمہیں مبارک ہو، میں تجھے بتانا چاہتا ہوں کہ تیری بادشاہت کی قیمت ایک گندی ریح کے برابر ہے۔ اللہ والے بھی عجیب انداز سے بادشاہوں اور مالداروں کے دماغ ٹھیک کرتے ہیں۔ ان کا اندازِ اصلاح بھی بڑا مؤثر اور نرالا ہوتا ہے۔ ہر ایک سے اس کے حال کے موافق پیش آتے ہیں۔ بادشاہ کا دماغ ٹھیک ہوگیا اور اپنی اور اپنی بادشاہت کی حقیقت سامنے آگئی۔

اگر پیشاب بند ہوجائے تو......؟

میرے دوستو! اگر آدمی ایک گلاس پانی پیئے اور اس کے نکلنے کا راستہ اللہ تعالیٰ بند کردے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو کھول سکتا ہے؟ دوا میں تاثیر کون پیدا کرتا ہے؟ اگر آپریشن کرایا جائے تو وہ کون ہے جو آپریشن کامیاب کرتا ہے؟ جو سمجھدار ڈاکٹر ہوتے ہیں اور جن کی نگاہ اللہ پر ہوتی ہے وہ آپریشن سے پہلے کہتے بھی ہیں کہ اللہ سے دعا کرو، اللہ آپریشن کامیاب کرے، ہمارا کام صرف آپریشن کرنا ہے کامیابی اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔

یہ بھی عظیم نعمت ہے:

ایک اللہ والے کے پاس ایک شخص گیا اور اس نے اس اللہ والے کی خوب خدمت کی، جب جانے لگا تو اس نے اس اللہ والے سے کہا، حضرت! دعا کرنا۔ انہوں

نے کہا: اللہ تمہیں دنیا و آخرت کی عافیت عطا فرمائے۔اس کے دماغ میں بات نہ آئی۔اللہ والے سمجھ گئے کہ یہ میری بات نہیں سمجھا ہے۔فرمایا: میاں! تم میری دعا کا مقصد بھی سمجھے؟ فرمایا: دنیا کی عافیت یہ ہے کہ وقت پر کھانا مل جائے اور کھانا ہضم ہو کر آسانی سے قضاء حاجت ہو جائے اس لئے کہ اگر قضاء حاجت نہ ہو تو انسان موت کے منہ تک پہنچ جاتا ہے اور وقت پر کھانا نہ ملے تو بھیک مانگنا پڑے، بھیک مانگنے کی عادت پڑے گی تو حریص بن جائے گا۔گذارہ کا ہے پھر بھی مانگتا پھرے گا، کتنے اس قسم کے فقیر گذرے ہیں کہ جب وہ مرے ہیں تو ان کی گدڑی میں سے ہزاروں روپے نکلے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بلاضرورت سوال کیا قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہ ہوگا، بس ہڈیاں ہوں گی اور گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہوگی اور تمام لوگ اسے دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ دنیا میں لوگوں سے سوال کر کے بھیک مانگ کر اپنی عزت کھوتا تھا، اپنی آبرو کی لاج نہ رکھتا تھا تو آج سب کے سامنے ذلیل ہو رہا ہے اور چہرہ بے آب ہو رہا ہے۔اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔بہر حال وقت پر کھانا مل جائے اور پھر وہ ہضم ہو کر قضاء حاجت ہو جائے یہ کیا کم نعمت ہے!؟

شکر کا بڑا مقام ہے:

میرے دوستو! شکر کا دین میں بہت اہم مقام ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔میں نے شکر اور کفر کا لغوی معنی بتایا، اس کو ذہن میں رکھیں، دونوں مدمقابل ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنۡ تَکۡفُرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنۡکُمۡ وَلَا یَرۡضٰی لِعِبَادِهِ الۡکُفۡرَ وَاِنۡ تَشۡکُرُوۡا

يَرْضَهُ لَكُمْ (الزمر: ۷)

[اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا حاجت مند نہیں، تمہارے کفر سے اس کو کوئی ضرر نہیں (مگر یہ بات مسلم ہے کہ) وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا] اور اگر تم شکر کرو گے (جس کا فرد اعظم ایمان ہے تو چونکہ اس میں تمہارا نفع ہے اس لئے) شکر کو وہ تمہارے لئے پسند کرتا ہے۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ (الزمر:٦٦) [بلکہ تم اللہ کی عبادت کرو اور شکر گذار بندوں میں سے ہو جاؤ۔] اس سے اندازہ لگائیے کہ اللہ تعالیٰ خود حکم فرما رہے ہیں کہ شاکرین میں سے ہو جاؤ تو اللہ کے یہاں شکر کا کیا مقام ہوگا۔

شیطان کا حربہ:

شیطان کا سب سے بڑا حربہ یہ ہے کہ وہ انسان کو ناشکرا بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ شیطان نے کہا تھا:

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْن. (الاعراف: ۱۷)

پھر میں ان پر حملہ کروں گا، ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کی دائیں جانب سے بھی اور ان کی بائیں جانب سے بھی۔ غرض کہ چاروں طرف سے ان کو صراط مستقیم سے ہٹانے اور ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ ﴿وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْن.﴾ [اور تو ان میں سے اکثر کو شکر کرنے والا نہیں پائے گا۔]

شکر پر اللہ کا وعدہ اور ناشکری پر وعید:

شکر تین طرح کا ہے۔ دل سے شکر، زبان سے شکر، اعضاء و جوارح سے شکر۔ جیسی نعمت ویسا شکر اور اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کی قدر کرتا ہے اور شکر کا بدلہ بہت عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ. (الابراھیم: ۷)

[اے میرے بندو! اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہاری نعمتوں میں اور اضافہ کر دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔]

آیت کریمہ میں غور کیجئے ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ اس میں تاکید در تاکید ہے، لام تاکید کا ہے اور نون بھی تاکید کے لئے ہے اور یہ جملہ شرط کی جزا واقع ہو رہا ہے یہ خود ایک تاکید ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے میری نعمتوں کا شکر ادا کیا کہ ان کو میری نافرمانیوں اور ناجائز کاموں میں خرچ نہ کیا اور اپنے اعمال و افعال کو میری مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کی اور اس میں لگے رہے، مجاہدہ کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں ان نعمتوں میں اضافہ کروں گا اور ان کو زیادہ کروں گا۔ یہ زیادتی اور اضافہ نعمتوں کی مقدار میں بھی ہوسکتی ہے اور ان کے بقاء اور دوام میں بھی۔ تو نعمتوں پر شکر کرنے میں ان شاء اللہ وہ نعمت بھی باقی رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں زیادتی بھی ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو شکر ادا کرنے کی توفیق ہوگئی وہ کبھی نعمتوں میں برکت اور زیادتی سے محروم نہ ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا: ﴿وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ.﴾ [اور اگر تم نے

میری نعمتوں کی ناشکری کی تو یاد رکھو میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔] ناشکری جس طرح زبان سے ہوتی ہے ویسے عمل سے بھی ہوتی ہے، عمل سے ناشکری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی اور ناجائز کاموں میں خرچ کرنا، نہ زبان سے شکر ہو نہ اعمال و جوارح سے بلکہ نعمتوں سے غلط کام کر رہا ہے تو یہ بھی اس نعمت کی ناشکری ہے، اور یہ اس آیت کی وعید میں داخل ہے۔ کفرانِ نعمت کا عذابِ شدید دنیا میں بھی ہوسکتا ہے کہ نعمت سلب ہو جائے یا ایسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے کہ نعمت کا فائدہ نہ اٹھا سکے اور آخرت میں بھی عذاب میں گرفتار ہو۔ معلوم ہوا کہ شکر گذاری بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے اور جن جن لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا صحیح طریقہ پر اور صحیح جگہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نعمتوں کو استعمال کیا؛ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نعمتوں میں بہت اضافہ کیا اور ان کو ہر طرح سے نواز دیا۔

نعمتوں کی ناشکری پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ:

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ناشکری کرنے والوں کی شکایت کی اور ان کی ایک مثال بیان کی:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ (النحل: ۱۱۲)

[اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں اور ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں سو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کی]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مثال بیان کی ایک بستی کی، یعنی بستی والوں کی حالت عجیبہ کی کہ وہ بڑے امن واطمینان میں رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بافراغت رزق دیا تھا، ان کے کھانے پینے کی چیزیں چاروں طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں مگر یہ بستی والے ایمان نہیں لائے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرادا نہ کیا ﴿فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ﴾ [انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کی،] کفروشرک میں مبتلا رہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ﴿فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ﴾ [تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھوک کا لباس پہنا دیا۔] اکثر حضرات کے نزدیک بستی سے مراد مکہ مکرمہ کی بستی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ ایک شدید قحط میں مبتلا ہوئے جو تقریباً سات سال تک رہا، دانہ دانہ کے محتاج ہو گئے، مردار اور کتے اور غلاظت کھانے پر مجبور ہو گئے۔ ﴿وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ [اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی ان حرکتوں کے سبب خوف کا مزہ چکھایا] اور مسلمانوں کا خوف بھی ان پر مسلط ہو گیا، پھر مکہ کے سرداروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کفر اور نافرمانی کے قصوروار تو ہم کفار ہیں، بے زبان جانور اور بچے تو بے قصور ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مدینہ منورہ سے کھانے وغیرہ کا سامان بھجوایا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں اگر چہ یہ بات ایک خاص بستی کے متعلق ہے لیکن قیامت تک کی ہر بستی اور ہر انسان کے لئے یہی حکم ہوگا کہ جو بھی اللہ کی اطاعت کرے گا اور اس کی نعمتوں کا شکرادا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی نعمتوں میں اضافہ کر دیں گے اور جو ناشکری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو عذاب میں مبتلا کریں گے۔ اگر دنیا میں نہیں کیا تو آخرت میں تو اس کو عذاب ہوگا ہی۔

قوم سبا کا عبرت ناک واقعہ:

قوم سبا کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

لَقَدۡ کَانَ لِسَبَاٍ فِیۡ مَسۡکَنِہِمۡ اٰیَۃٌ جَنَّتٰنِ عَنۡ یَّمِیۡنٍ وَّ شِمَالٍ

قوم سبا کے لئے ان کے وطن میں نشانیاں موجود تھیں، دائیں اور بائیں باغ کی قطاریں تھیں، ایسی باغ و بہار تھی کہ پھلوں کے موسم میں جب کوئی سر پر ٹوکرا لے کر گذرتا تھا تو ٹوکرا پھلوں سے بھر جاتا تھا۔ ﴿کُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّکُمۡ وَ اشۡکُرُوۡا لَہٗ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں [اپنے رب کا رزق کھاؤ اور شکر ادا کرو] ﴿بَلۡدَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَّ رَبٌّ غَفُوۡرٌ﴾ [عمدہ شہر ہے اور بخشنے والا پروردگار۔] یہ کہہ کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ عیش اور آرام اور راحت صرف دنیا کی زندگی تک نہیں بلکہ اگر تم شکر گذاری پر قائم رہے تو آخرت میں اس سے بڑی اور دائمی نعمتوں کا وعدہ ہے کیونکہ جس ذات نے تم کو یہ نعمتیں عطا کی ہیں وہ بڑا معاف کرنے والا اور مغفرت کرنے والا بھی ہے۔ اگر کبھی اتفاقی طور پر شکر گذاری میں کمی یا غفلت ہوگئی تو اس کو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ لہذا اب ایسا رحیم و کریم رب تم کو ملا ہوا ہے تو اس پر مزید شکر گذاری کرو اور اپنے رب کی اطاعت و عبادت اور شکر گذاری میں لگے رہو۔

فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ سَیۡلَ الۡعَرِمِ

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی قدر کرتے اور اپنے رب کی اطاعت اور شکر گذاری میں مصروف رہتے اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شروع کر دی، اللہ کے احکام سے سرکشی اور روگردانی کرنے لگے تو ہم نے ان پر سیل عرم چھوڑ دیا۔

عَرِم کے کئی معنی آتے ہیں۔ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس جگہ ''عرم'' کے معنی ''سد'' یعنی بند کے بیان فرمائے ہیں جس کو آج کل ڈیم کہتے ہیں۔ قوم سبا جس شہر میں آباد تھی اس کا نام ''مارب'' ہے۔ یہاں ان لوگوں نے سیلاب سے بچنے کے لئے ایک زبردست ڈیم بنایا تھا۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ تھا کہ سیلاب سے حفاظت ہوتی اور دوسرا یہ کہ ڈیم میں پانی کا ذخیرہ جمع رہتا اس سے اپنے باغات سیراب کرتے مگر جب ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کی تو اسی ڈیم کو اللہ تعالیٰ نے آفت اور مصیبت بنادیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر مفسرین نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو سزا دینے کا ارادہ کیا تو اس پانی کے عظیم الشان بند پر اندھے چوہے مسلط کردئے جنہوں نے اس کی بنیاد کو کھوکھلا اور کمزور کر دیا۔ جب بارش اور سیلاب کا وقت آیا تو پانی کے دباؤ نے اس کمزور بنیاد کو توڑ کر رکھ دیا اور اس بند کا پانی پوری وادی میں پھیل گیا۔ تمام مکانات منہدم اور درخت تباہ ہوگئے۔ نافرمانی اور ناشکری میں ان کا جو انجام ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان فرمایا:

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَىْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَىْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ.

[اور ہم ان کے ان دو رویہ باغوں کو ایسے دو باغوں سے بدل دیا جس میں بدمزہ پھل تھے اور جھاؤ تھی اور قدرے قلیل بیری تھی۔]

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے قیمتی پھلوں اور میوں کے درخت کے بدلہ میں ایسے درخت اگا دئے جن کے پھل بدمزہ اور خراب تھے اور قدرے قلیل بیری مگر وہ بھی جنگلی

بیری خودرو جس پر کانٹے زیادہ اور پھل کم اور وہ بھی بے مزہ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ذٰلِکَ جَزَیْنٰھُمْ بِمَا کَفَرُوْا﴾ یہ سزا ہم نے ان کو اس لئے دی کہ انہوں نے کفر کیا۔ جیسا کہ شروع میں عرض کیا تھا کفر کے معنی ناشکری کے بھی آتے ہیں اور دین حق سے انکار کے بھی آتے ہیں۔ یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں کیوں کہ انہوں نے ناشکری بھی کی تھی اور اللہ کے دین کی تکذیب بھی اور انکار بھی کیا تھا۔ ﴿وَھَلْ نُجٰزِیْٓ اِلَّا الْکَفُوْرَ﴾ (سورۂ سبا:۱۱) [اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو دیا کرتے ہیں] ورنہ معمولی خطا اور معمولی غلطیوں کو تو ہم معاف کر دیتے ہیں۔

رب اکرم کی شکایت اپنے ناشکرے بندوں کے نام:

ایک دوسری جگہ سورۂ عادیات میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ناشکری کی عادت کو بڑے عجیب انداز میں بیان فرمایا ہے، اور بعد میں اس مرض کے ازالہ کا طریقہ بھی بیان کیا ہے، اس کو غور سے سماعت فرمائیں، اور اس پر عمل کریں تو ان شاء اللہ ہم میں سے یہ ناشکری والا مرض دور ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ.﴾ [بے شک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔] یہاں اول ''کَنُوْد'' کے معنی جان لینا چاہئے؛ کنود کی تفسیر میں مفسرین کے چند اقوال ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ کَنُوْد وہ شخص ہے جو مصائب کو تو یاد رکھے اور نعمتوں کو بھول جائے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتنی نعمتیں ہیں ہم اس کو نہیں دیکھتے اور دوسروں کے پاس جو نعمتیں ہیں اس کو دیکھتے ہیں اور ہم ناشکرے بن جاتے ہیں۔ دوسرا قول ابو بکر واسطیؒ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

کی نعمتوں کو معصیتوں میں صرف کرنے والا کَنُوْد ہے۔اور امام ترمذیؒ نے فرمایا جو شخص نعمت کو تو دیکھے اور منعم حقیقی یعنی نعمت دینے والے کو نہ دیکھے وہ کَنُوْد ہے۔

ان تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ نعمت کی ناشکری کرنے والے کو کنود کہتے ہیں، اس لئے کنود کا ترجمہ ناشکری کیا گیا ہے۔میرے استاذ مکرم حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ کنود کا ترجمہ کرتے تھے کہ'انسان بڑا نمک حرام ہے'۔

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ناشکرے بندوں کی شکایت کی ہے اور انسانوں میں پائی جانے والی ایک بڑی بیماری کا ذکر کیا ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کے شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے پھر بھی اس تک پہنچنے میں اتنی دشواری کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے مرض کو بیان فرمایا ہے اور آگے اس کا ازالہ بھی بتا دیا ہے، یہ بتانے کا طرز بھی عجیب وغریب ہے وہ مرض جہاد کے گھوڑوں کی قسم کھا کر بیان کیا۔

گھوڑوں کی صفات:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا. فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا . فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا . فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا. فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا. اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ.

(العادیات:۱،۲،۳،۴،۵،۶)

[قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر پتھر پر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں، پھر صبح کے وقت تخت تاراج کرتے ہیں پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں اور (دشمنوں کی) جماعت میں جا گھستے ہیں۔بے شک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ گھوڑوں کی پانچ صفات کی قسم کھا کر بتاتے ہیں کہ یہ ناشکری کا مرض انسانوں میں ہے وہ مرض جہاد کے گھوڑوں میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ گھوڑوں کی قسم کھا کر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ انسانوں کو ان گھوڑوں سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان گھوڑوں کی قسم جو خوب دوڑتے ہیں، اللہ کے راستہ میں اتنا دوڑتے ہیں کہ ہانپنے لگتے ہیں اور ٹراٹر دوڑنے کی وجہ سے نعل آہنی کے پتھریلی زمین پر لگنے سے چنگاریاں نکلتی ہیں اور شرارے اڑتے ہیں۔ رات بھر اپنے مجاہد کو پیٹھ پر سوار کر کے دوڑتے ہیں پھر بھی صبح آرام نہیں کرتے بلکہ ان مجاہدین اور ان کے سامان یعنی ڈبل بوجھ کو لے کر پوری رات دوڑنے کے باوجود صبح میں آرام نہیں کرتے بلکہ صبح میں دشمن پر حملہ اور دشمنوں کے تخت تاراج کرتے ہیں اور دن کا جتنا حصہ گزرتا جاتا ہے ان کا جوش بڑھتا چلا جاتا ہے، ان کے دوڑنے کی وجہ سے فضا میں گرد وغبار اڑتا رہتا ہے نیز تلوار و نیزے چلنے کے باوجود یہ گھوڑے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور دشمنوں کی صفوں میں بے خوف وخطر گھس جاتے ہیں۔ اللہ جل شانہ ان گھوڑوں کی صفات بیان کر کے انسانوں کو متوجہ کر رہا ہے اے انسانو! ذرا غور تو کرو کہ گھوڑا اپنے آقا کے احسان کے بدلہ میں اپنی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، اپنے محسن کے احسان کے بدلے میں خود کو قربان کر دیتا ہے اور قربان ہونے کو جانتا ہے اور اپنی پیٹھ پر اپنے آقا کو جو کہ سوار ہے اس کی ایڑی سے چلتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ میرا آقا ہے وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ اے انسانو! گھوڑوں کو دیکھ لو، اے کم عقل انسانو! میں نے تمہیں پیدا کیا اور میں تمہارا محسن ہوں اور منعم حقیقی ہوں اے کم بخت انسان! تو اطاعت اور میری شکر گزاری کو تیار نہیں ہے حالانکہ گھوڑے کا

مالک گھوڑے کا خالق نہیں ہے، گھوڑے کو پیدا کرنا تو دور کی بات اس کو جو گھاس چارا کھلاتا ہے وہ بھی انسان کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے اس کا کام تو صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے رزق کو ان تک پہنچا دیتا ہے، یہ انسان ان تک رزق پہنچانے میں واسطہ بنتا ہے اس کے باوجود گھوڑے کو دیکھئے وہ انسان کے اتنے سے احسان کو کیسا پہچانتا ہے اور مانتا ہے۔ اور اس کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے اور سخت سے سخت مشقت برداشت کرتا ہے۔ اے انسان! تو احسان شناس نہیں ہے بلکہ احسان فراموش ہے، سر سے پیر تک میرے احسانوں کے بوجھ تلے لدا ہوا ہے، ہر آن میری نعمتوں کی بارش تجھ پر مسلادھار برستی رہتی ہے لیکن جب میرا کوئی فرمان تیری طرف متوجہ ہوتا ہے تو تو اس کو پورا نہیں کرتا، گھوڑا ہر چند گرمی، سردی، بارش ہر طرح کے مخالف ماحول میں بھی دوڑنے کے لئے آقا کی فرماں برداری میں مستعد اور تیار رہتا ہے، لیکن انسان اپنے آقا، محسن رب العالمین کو ماننے کے لئے تیار نہیں اور رب العالمین کے حکموں کو ماننے کے لئے تیار نہیں، حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

آگے اس ناشکری کے وصف کے ازالہ کا طریقہ بھی بتلایا، آگے دو آیت کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ . وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ . اِنَّ رَبَّھُمْ بِھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ. (العادیات: ۹، ۱۰، ۱۱)

[کیا اس کو وہ وقت معلوم نہیں جب زندہ کئے جاویں گے تمام مردے جو قبروں میں ہیں۔ اور ظاہر ہو جائے گا جو کچھ دلوں میں ہے، بے شک ان کا رب ان

کے حال سے اس روز پورا آگاہ ہے۔]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی منظر کشی کی ہے کہ انسان کو سوچنا چاہئے کہ قیامت کے دن اسے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اس کے دلوں کے بھید سب ظاہر ہو جائیں گے، اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ رب العالمین سب کے سب حالات سے باخبر ہیں تو اس کے مطابق جزا سزا دیں گے، اس حال کو انسان بھول بیٹھا ہے اس لئے ناشکری کر رہا ہے، اگر وہ اس حالت کو یاد کرے گا، اللہ کے سامنے حاضر ہونے کو یاد کرے گا، ناشکری پر اللہ کی سزا کو یاد کرے گا تو پھر ناشکری نہیں کرے گا۔

ہر موقع کی دعا کا اہتمام بھی شکر ہے:

تو بات یہ چل رہی تھی کہ شکر جس طرح زبان سے ہوتا ہے اسی طرح دل سے بھی ہوتا ہے اور عمل سے بھی ہوتا ہے۔ اب شکر کو دوسرا نام دے دو 'حمد'۔ اللہ کی جیسی نعمت ملے اس پر اللہ کی حمد کرنا۔ حدیث میں ہے کہ جس شخص نے کھانا کھایا اس طرح کہ شروع میں بسم اللہ پڑھی اور آخر میں الحمد للہ کہا،

غفر له ما تقدم من ذنبه

[تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں]

تو اس کھانے کے عمل سے بھی مغفرت ہو جاتی ہے۔ یعنی اس نے اس نعمت کا شکر بھی ادا کر دیا۔ شمائل ترمذی اٹھا کر دیکھو، ہر آن اور ہر وقت کی دعا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی ہے۔ ان دعاؤں کا پڑھنا بھی اس نعمت کا شکرانہ ہے۔ کھانے سے پہلے

بِسۡمِ اللّٰہِ وَ بَرَکَۃِ اللّٰہِ
(مستدرک:۴/۱۰۷)

اور کھانا کھا کر

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ اَطۡعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ.
(ترمذی:۲/۱۸۴)

[اے اللہ تیرا شکر ہے تو نے ہمیں کھلایا پلایا اور ہمیں مسلمانوں میں سے بنایا]

اور ایک جگہ فرمایا:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہ الَّذِیۡ ھُوَ اَشۡبَعَنَا وَ اَرۡوَانَا وَ اَنۡعَمَ عَلَیۡنَا وَ اَفۡضَلَ.

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے یہ دعا پڑھ لی قیامت کے دن اس کھانے کا حساب نہیں لیا جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پانی پیو تو بسم اللہ پڑھو اور پی چکو تو الحمد للہ کہو اور ایک مستقل دعا بھی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ سَقَانَا عَذۡبًا فُرَاتًا بِرَحۡمَتِہٖ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡہُ مِلۡحًا اُجَاجًا بِذُنُوۡبِنَا.

(طبرانی: ح۔نمبر:۸۹۹ ۲/۱۲۱۸)

[اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے اپنی رحمت سے میٹھا پانی پلایا اور میرے گناہوں کی وجہ سے اس پانی کو تلخ اور کڑوا نہیں بنایا۔]

فرعونیوں پر کھانا پانی ان کے گناہوں کے پاداش میں خون بن جاتا تھا۔ تو جو شخص ہر موقعہ کی دعاؤں کا اہتمام کرتا ہے وہ بھی مقام شکر پر ہوتا ہے۔ اور ﴿وَکَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیۡماً. ﴾ [اور اللہ تعالیٰ بڑے قدر شناس اور سب کا حال جاننے والے ہیں]

مغفرت کا ایک واقعہ:

محدث عظیم ملا علی قاریؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے:

ان رجلا روی فی المنام فقیل له ما فعل الله بک فقال حاسبنی فخفت کفه حسناتی فوقعت فیها صرة فتعلقت فقلت ما هذا قال کف تراب القیت فی قبر مسلم. (مرقاة: ۵/۸۵)

[ایک صاحب نے اپنے دوست کو خواب میں دیکھا تو پوچھا حق تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو اس شخص نے کہا، جب میرا حساب ہوا تو میں ڈر گیا کہ نیکیوں کا پلڑا ہلکا تھا۔ اچانک اس میں مٹی کی تھیلی آ گری اور نیکیوں کا وزن بڑھ گیا، میں نے عرض کیا یہ تھیلی کہاں سے آئی؟ ارشاد ہوا کہ یہ وہ مٹی ہے جو تو نے کسی مسلمان کی قبر میں ڈالی تھی۔]

(بحوالہ کشکول معرفت: حضرت اقدس مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ)

سبحان اللہ! اللہ کی رحمت کتنی وسیع ہے۔ صحیح ہے کسی نے جو کہا ہے ؎:

رحمت حق بہانہ می جوید بہا نہ می جوید

[اللہ کی رحمت تو بہانہ ڈھونڈتی ہے، بہا یعنی کثرت کو نہیں دیکھتی] نوازنے کے لئے کوئی بھی بہانہ مل جائے اللہ تعالیٰ اس بہانے اپنی بے پناہ رحمتوں سے نواز دیتے ہیں۔ نوازنے کے لئے بہت سارے اعمال ضروری نہیں۔

شکر کی وجہ سے نعمت میں اضافہ پر ایک واقعہ:

میرے عزیز دوستو! خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ ہم پر اپنی نعمتوں کو زیادہ کر دیں گے اور اگر ناشکری کریں گے

تو اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے۔امام احمد بن حنبلؒ نے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سائل آیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درہم دیا۔ اس نے کہا مجھے یہ ایک درہم نہیں چاہئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آپ کی مرضی۔ وہ چلا گیا، تھوڑی دیر میں دوسرا سائل آیا اس نے سوال کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ایک درہم اس سائل کو دے دیا۔ اس نے کہا الحمدللہ (اللہ تیرا شکر ہے) کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے مجھے اتنا مل گیا جو کافی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے اور فرمایا وہ چالیس درہم بھی اس کو دے دو جو گھر میں ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ وہ بالکل سچ ہے۔

’الحمدللہ‘ کلمۂ شکر بھی ہے اور کلمۂ دعا بھی ہے:

میرے عزیز ساتھیو! ابھی احقر نے کہا الحمد للہ کہنا شکر بھی ہے۔ امام ابن جریرؒ نے اسے کلمۂ شکر پر محمول کیا ہے۔ گویا حمد شکر کا معنی بھی دیتا ہے۔ لہذا یہ شکر کا کلمہ بھی ہے اور الحمدللہ یہ کلمۂ دعا بھی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے:

افضل الذکر لا اله الا الله و افضل الدعاء الحمد لله.

[یعنی سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر ہے اور تمام دعاؤں میں افضل دعا الحمدللہ ہے۔]

(ترمذی: ۲/۱۷۴باب ماجاء ان دعوۃ المعلم مستجابہ)

ایک اور حدیث میں ہے: ”الحمد لله تملأ الميزان“ [یعنی الحمدللہ کہنے

سے اللہ تعالیٰ کا میزان پر ہو جاتا ہے۔]

نیز یہ بھی وارد ہے کہ سبحان اللہ الحمد للہ ملا کر پڑھنے سے زمین و آسمانوں کی درمیانی فضا پر ہو جاتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ مؤمن ہمیشہ یہی کہتا ہے:

الحمد لله على كل حال و اعوذ بالله من حال اهل النار.

[اے اللہ! ہر حال میں آپ کی حمد و ثنا ہے اور اے اللہ میں آپ سے دوزخ والوں کے حال سے پناہ چاہتا ہوں۔]

آپ مجھے دوزخ سے پناہ دیجئے، دوزخ اور دوزخ کے عذاب سے نجات عطا فرما دیجئے۔ تو مؤمن کی شان یہی ہونا چاہئے کہ وہ ہر حال میں اللہ کی حمد کرے، اللہ کا شکر کرے۔

کون اللہ تعالیٰ کا محبوب اور مقبول بندہ بننا چاہتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ حضرت ابراہیمؑ کی تعریف میں کتنی پیاری بات ارشاد فرمائی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ اِبْـرٰهِيْـمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيْفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ اجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ.

(سورۂ نحل: ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲)

[حضرت ابراہیمؑ بڑے مقتدا تھے اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے بالکل ایک طرف کے ہو رہے تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے اللہ کی نعمتوں کے شکر گذار تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو منتخب کر لیا تھا اور ان کو سیدھے راستہ پر ڈال

دیا تھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبیاں دی تھیں اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں ہوں گے۔]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانوں کی شکر گزاری یہ ہے کہ دین کی راہ اختیار کی جائے۔ صراط مستقیم پر چلا جائے۔ اور احکام الٰہی کی پیروی کی جائے۔ اور شرک سے بالکلیہ پرہیز کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا اور اس کا انعام یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت عطا فرمائیں گے، دنیا میں بھی بہتری ملے گی اور آخرت میں نیک لوگوں میں حشر ہوگا۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ شکر ایمان کی جڑ، دین کی اصل واطاعت الٰہی کی بنیاد ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے کہ جس کی بنا پر بندہ کے دل میں اللہ کی قدر وعظمت اور محبت پیدا ہوگی۔ اور اسی قدر وعظمت ومحبت کی قولی وعملی باتیں واعمال کے ظہور کا نام شکر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم دل سے بھی اللہ کا شکر ادا کرنے والے بنیں، زبان سے بھی اللہ کا شکر ادا کرنے والے بنیں، اور اعضاء وجوارح سے بھی ہم اللہ کا شکر ادا کرنے والے بنیں۔ اخیر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے شکر گزار بندوں میں شامل فرمائے اور جب تک زندہ رکھے ایمان پر زندگی عطا فرمائے اور جب ہمارا خاتمہ ہو تو ہم میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے وقت موعود پر حسن خاتمہ نصیب فرمائے، ایمان کے ساتھ دنیا سے جانا نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

﴿ ۸ ﴾

شکر کی حقیقت

(قسط دوم)

شیخ سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں ــــــ:

کسے را کہ باشد دل حق شناس   نشاید کہ بندد زبان سپاس

[جس کسی کا دل خدا کو پہچاننے والا ہو، اسے چاہئے کہ وہ اپنی زبان کو شکر سے بند نہ کرے۔]

نفس جز شکر خدا بر میار   کہ واجب بود شکر پروردگار

[کوئی بھی سانس شکر کے بغیر باہر مت نکال، اس لئے کہ پالنے والے کا شکر کرنا واجب ہے۔]

ترا مال و نعمت فزاید ز شکر   ترا فتح از در در آید ز شکر

[شکر کی وجہ سے تیرا مال اور تیری نعمت زیادہ ہو جائے گی، شکر کی وجہ سے تجھے کامیابی حاصل ہوگی۔]

اگر شکر حق تا بروز شمار   گزاری نہ باشد یکے از ہزار

[اگر قیامت کے دن تک بھی تو اللہ کا شکر ادا کرتا رہے تب بھی ہزار حصہ میں سے ایک حصہ کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔] اللہ کی نعمتیں انسان پر اتنی زیادہ ہیں۔

(کریما سعدی)

﴿ ۸ ﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شکر کی حقیقت

(قسط دوم)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَا وَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ. (النحل: ۷۸)

[اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے۔ اور اس نے تم کو کان دیئے اور آنکھ اور دل؛ تا کہ تم شکر کرو]

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

شکر دین کی بنیاد ہے:

بزرگان محترم! گذشتہ کل میں نے شکر اور اس کی حقیقت کو بیان کیا تھا۔ اگر آپ

حضرات کو میری باتیں یاد ہوں تو کل میں نے کہا تھا کہ شکر تین طرح سے ادا ہوتا ہے۔ ایک زبان سے، ایک قلب سے اور ایک عمل سے۔ اور کل یہ بھی کہا تھا کہ شکر وہ نعمت ہے جو کہ دین کی اصل اور بنیاد ہے۔ قرآن مجید میں بار بار اس کے متعلق تذکرہ آیا ہے۔ شکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تھوڑے سے عمل کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کی قدر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو شاکرین میں سے بنا دیوے۔ آمین

قلب کا شکر:

قلب کا شکر یہ ہے کہ منعم حقیقی کی نعمتوں کا اعتراف کرے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں کہ انسان ان نعمتوں کو شمار بھی نہیں کر سکتا۔ بقول ہمارے حضرت مولانا عبید اللہ بلیاویؒ کے -جو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کے سب سے پہلے خلیفہ تھے، اب تو ان کا انتقال ہو چکا ہے، آپ نے اپنی زندگی میں دین کے بڑے بڑے کام کئے ہیں، ان کا جملہ مجھے یاد آتا ہے- فرماتے تھے: ''اگر بڑی بڑی نعمتوں کو ہم گنیں مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسان بنایا جو بہت عظیم نعمت ہے، جانور نہیں بنایا۔ اس کے بعد فرمایا: انسان ہونے کے ساتھ اسلام کی دولت سے نوازا اور بغیر مانگے اور طلب کئے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا۔

امت محمدیہ کا مقام:

امت محمدیہ میں پیدا ہونا یہ بھی بہت بڑا اشرف ہے اور بہت عظیم نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کا

مقام کیا ہے؟ حضرت آدمؑ سے لے کر تمام نبیوں کی امت کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور ایک طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کو رکھا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا مقام ان تمام امتوں سے بڑھ جائے گا۔"

قیامت کے دن تمام انسان صفوں میں کھڑے ہوں گے، حضرت آدمؑ سے لے کر دنیا میں پیدا ہونے والے آخری انسان تک تمام انسانوں کی صفیں بنیں ہوئی ہوں گی، کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی، اس میں سے اَسّی صفیں صرف امت محمدیہ کی ہوگی، اور سب سے پہلے جنت میں امت محمدیہ جائے گی، قیامت کے دن امت محمدیہ کے اعضائے وضو نور کی طرح روشن اور چمکدار ہوں گے، اس امت کو اللہ تعالیٰ نے شب قدر جیسی ہزار مہینوں سے افضل رات عطا فرمائی، نیز امت محمدیہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو حلال کر دیا اس سے پہلے کسی امت کے لئے مال غنیمت حلال نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو یہ فضیلت دی ہے کہ اس کے علماء کا وہ مرتبہ ہے جو بنی اسرائیل کے انبیاء کا تھا، یہ امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے کبھی ایک ساتھ پورے پوری ہلاک نہیں ہوگی، ایسی بہت سی فضیلتیں ہیں اس امت کی۔

اس امت کی صفات اور حضرت موسیٰؑ کی تمنا:

بڑے بڑے نبیوں نے اس امت میں ہونے کی تمنا کی تھی۔ تفسیر ابن کثیر اٹھا کر دیکھ لیجئے، حضرت موسیٰؑ نے تمنا کی تھی، حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ تھے، آپ اللہ رب العزت سے کلام کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ اللہ رب العزت سے کلام کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! میں نے ایک ایسی امت پیدا کی ہے جو سب سے آخر میں آئے

گی اور سب سے پہلے جنت میں جائے گی، تو حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے رب! کیا وہ میری امت ہوگی؟ فرمایا نہیں، وہ میرے محبوب احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوگی۔ اور فرمایا میں نے ایک امت پیدا کی ہے وہ اپنے نماز کے اوقات سورج سے معلوم کرے گی، حضرت موسیٰ نے فرمایا: اے رب! کیا وہ میری امت ہوگی؟ فرمایا نہیں، وہ میرے محبوب احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوگی۔ اور فرمایا کہ میں نے ایک امت پیدا کی ہے کہ اگر وہ بلندی پر چڑھے گی تو اللہ اکبر کہے گی اور جب پستی کی طرف چلے گی تو سبحان اللہ کہے گی، حضرت موسیٰ نے عرض کیا یا رب! کیا وہ میری امت ہوگی؟ فرمایا نہیں، وہ میرے محبوب احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوگی۔ فرمایا: اگر وہ ایک نیکی کرے گی تو کم از کم دس نیکیاں میں دوں گا۔ تو حضرت موسیٰ نے عرض کیا یا رب! وہ میری امت ہوگی؟ فرمایا نہیں، وہ میرے محبوب احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوگی۔ غرض بہت سی صفات اس امت کی بیان کیں یہاں تک کہ یہ بھی بیان فرمایا کہ وہ اپنے نیچے کے حصہ میں تہہ بند باندھے گی تو حضرت موسیٰ نے کہا اے باری تعالیٰ! مجھے اس امت کا نبی بنا دیجئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! میں نے اس امت کا نبی منتخب کر لیا ہے۔ اگر میں ان کو نہ پیدا کرتا تو نہ جنت بناتا، نہ جہنم کو، نہ تم کو پیدا کرتا۔ اندازہ لگایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر اس نعمت کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا فرما دیوے۔ آج ہمیں اس کا احساس نہیں ہے، ان شاء اللہ قیامت کے دن اس کا احساس ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس امت کا مقام کیا ہے وہ ہمیں صحیح معنیٰ میں سمجھا دیوے اور اس کی قدر کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین

کیا کہنے کے کیا کیا یاد نہیں
ہم اپنی حقیقت بھول گئے

ایک انسان اور ایک مسلمان کا مقام:

میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اولاً انسان بنایا، یہ کتنی عظیم نعمت ہے۔ اگر اس کائنات کے سارے جمادات اور سارے نباتات اور سارے حیوانات کو جمع کر کے ان کے مجموعہ سے ایک انسان بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔ تو انسان کی قیمت کتنی ہوئی؟ اور انسان ہونا بھی کتنی بڑی نعمت ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا اکرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسان بنایا۔ اس کے ساتھ اللہ رب العزت نے یہ کرم فرمایا کہ ہمیں مسلمان بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا، مسلمان ہونا یہ بھی اتنی عظیم نعمت ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک کے وہ تمام انسان جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا وہ سب جمع کر دئے جائیں تو وہ سب مل کر بھی ایک مسلمان کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے۔

ابھی تراویح کی نماز میں حافظ صاحب نے آیت پڑھی:

اِنَّ الَّـذِيْـنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. (المائدة: ۳۶)

یعنی جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اور بھی اس کے ساتھ ہو کہ وہ کافر یہ سب مال و دولت روز قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے فدیہ میں دینا چاہیں تب بھی وہ ان کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا اور انہیں دردناک عذاب ہو کر رہے گا۔

ایک حدیث میں ہے، اللہ تعالیٰ ایک کافر سے فرمائیں گے کہ زمین بھر کر سونا اگر تیرے پاس ہو اور تو فدیہ میں دے کر چھوٹنا چاہے تو دے گا؟ کافر کہے گا: بڑا سستا سودا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے میرے بندے! میں نے تو تجھ سے اس سے آسان چیز مانگی تھی کہ تو ایمان لے آ لیکن تو نے شرک کیا۔

تو مسلمان ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔ کاش ہمیں اس کی قدر ہوتی۔ کوئی ہم سے پوچھتا ہے کیا حال ہے؟ تو ہم سب نعمتیں گنواتے ہیں کہ بچوں کی شادی ہوگئی، کاروبار الحمد للہ خوب اچھا چلتا ہے، صحت بہت اچھی ہے، مکان بہت اچھا ہے، گاڑی اعلیٰ درجہ کی ہے۔ ان نعمتوں کے گنواتے وقت ہماری زبان پر یہ بھی آنا چاہئے بلکہ سب سے پہلے کہ الحمد للہ، اللہ رب العزت نے ہمیں مسلمان بنایا، ہمیں ایمان عطا فرمایا، دین سے وابستہ فرمایا، ہمیں اپنے گھر مسجد میں بلایا، ہم کو نماز پڑھنے کی توفیق دی۔ ان چیزوں کو بھی ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں سمجھا کریں اور اس کا دل میں استحضار رکھنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین

ایمان کی قدر و قیمت:

تو سچ یہ ہے کہ مسلمان ہونا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، کل قیامت کے دن ان شاء اللہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے مسلمان کی بخشش اور نجات ہو جائے گی لیکن کافروں کو نجات نہیں ملے گی۔

میں آپ کو سمجھانے کے لئے ایک مثال دوں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (جن کی تقریباً ایک ہزار کتابیں ہیں، آپ نے ہر فن میں کتاب لکھی

ہے) حضرت تھانویؒ کی خدمت میں کچھ دیہاتی آتے ،انہیں ادب تو آتا نہیں، مجلس میں پوچھتے ''اشرف علی کہاں ہے؟'' مولانا فرماتے ''میں اشرف علی ہوں'' مجلس میں بیٹھ جاتے ،قرآن کی تفسیر ہوتی مگران کو سمجھ میں نہ آتی ۔ باہر نکل کرایک دوسرے سے پوچھتے بوڑھے میاں نے کیا فرمایا، کچھ سمجھ میں نہیں آیا، باہر بیٹھ کر حقہ پی پی کر دھواں اڑاتے۔ حضرت تھانویؒ ان کو دیکھ کرفرماتے ان کو میری تقریر سمجھ میں نہیں آتی لیکن یہ لوگ ان شاء اللہ جنت میں ضرور جائیں گے،ان کے دل میں ایمان ہے۔

ایک مسلمان ہفت اقلیم کے بادشاہ سے بہتر ہے:

ایک مرتبہ ایک مالدار کافر کا گذر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ہوا، وہ مدینہ کے سرداروں میں سے تھا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا، اس شخص کے بارے میں تم کیا رائے رکھتے ہو؟ تمہارے نزدیک یہ انسان کیسا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یہ مدینہ کے بڑے سرداروں میں سے ایک ہے، جب یہ بولے تو اس کی بات سنی جائے ،اوراگر یہ کسی جگہ نکاح کا پیغام دے تو اس کا پیغام قبول کیا جائے، اگر کسی کی سفارش کرے تو سفارش قبول کی جائے۔ (قوم میں اس کا ایک مقام ہے، رتبہ ہے۔) یہ بات سن کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، پھر ایک غریب مسلمان کا گذر وہاں سے ہوا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا؟ اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ! یہ ایک غریب مسلمان ہے، اس کی کوئی وقعت نہیں ہے، اگر کسی جگہ نکاح کا پیغام دے تو رد کردیا جائے، کسی کی سفارش کرے تو قبول نہ ہو، جب بولے تو کوئی نہ سنے۔ یہ سن کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا:

اُس مالدار کے جیسے دنیا بھر کے بھی ہوں تب بھی ان سے یہ ایک غریب مسلمان بہتر ہے۔ (مشکوۃ: ۴۴۶) اس جیسے مالداروں سے دنیا بھر جاوے تب بھی وہ اس ایک غریب مسلمان کی برابری نہیں کر سکتے۔اس مسلمان کا مرتبہ اللہ کے نزدیک ان تمام سے بڑھا ہوا ہے۔

ہمارے ایک استاذ حضرت مولانا سید غلام رسول بورسدی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے ایک مسلمان جو فقیر ہے، جس کے پاس دنیا میں کچھ نہیں، لوگ اس کو حقیر سمجھتے ہیں، کافر اس کا مذاق اڑاتے ہیں، خدا کی قسم! یہ دنیا کے اس ہفت اقلیم کے بادشاہ سے بہتر ہے جو کافر ہے۔اس غریب مسلمان کے دل میں ایمان ہے اور وہ کافر اس ایمان سے محروم ہے۔ یہاں دنیا میں تو اس کا احساس نہیں مگر قیامت کے دن پتہ چلے گا کہ ان دونوں میں کون بہتر تھا۔

دوستو! ایمان کی قدر کرو، اللہ تعالیٰ کا دل سے شکر ادا کرتے رہا کرو کہ اللہ رب العزت نے اپنے فضل سے اتنی عظیم الشان دولت سے ہم کو نوازا ہے۔

الحمد لله على نعمة الايمان من اعماق قلوبنا

اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ایمان کی دولت عطا فرمائی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا، اب اپنے فضل سے حسن خاتمہ عطا فرمائے اور ایمان پر ثابت قدم رکھے۔ یہ دعا کثرت سے مانگتے رہا کرو:

يا فاطر السمٰوٰت و الارض انت وليي فى الدنيا و الآخرة توفنى مسلما و الحقنى بالصٰلحين. ربنا اغفر لنا ذنوبنا و كفر عنا سياٰتنا و توفنا مع الابرار.

اللھم اٰمین بحرمة سید المرسلین ﷺ.

اللہ تعالیٰ ہمیں دل سے اس نعمت کی قدردانی کی توفیق عطا فرماوے۔

ہم اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرتے رہیں:

اس کے بعد حضرت مولانا عبید اللہ بلیاویؒ نے فرمایا کہ تمام انبیاءؑ کے امتی ایک طرف اور اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ایک طرف، تو اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بڑھ جائے گا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہونا بھی کتنی بڑی نعمت ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ دل سے ہم منعم حقیقی کی اس نعمت کا اعتراف کریں کہ اے اللہ! آپ نے ہمیں انسان بنایا، مسلمان بنایا اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدا فرمایا۔

یہ جو نعمتیں ذکر کیں یہ روحانی نعمتیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں جسمانی نعمتیں بھی عطا فرمائی ہیں، خطبہ میں میں نے جو آیت تلاوت کی اس میں اللہ تعالیٰ نے ان جسمانی نعمت کی طرف ہماری توجہ مبذول کی ہے، ہمیں اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ اول تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بڑا حسین وجمیل اور خوبصورت شکل وصورت والا بنایا اور ہمیں ایسا جسم دیا کہ اس جیسا جسم اللہ نے کسی مخلوق کو نہیں دیا۔ آنکھ آنکھ کی جگہ پر کان کان کی جگہ پر سر سر کی جگہ پر ہر چیز بالکل موزوں بنائی، ان تمام سے ہمیں کتنی سہولت اور آسانیاں ہیں ہم بتا نہیں سکتے، بلکہ اس سے اچھا جسم ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ.

[ہم نے بہترین سانچے میں انسان کو ڈھالا ہے۔]

احسن تقویم میں انسان کو پیدا کیا، اس کا بھی شکرادا کریں:

اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس جسم میں کیسی کیسی نعمتیں رکھی ہیں۔ بقول حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے، آپ فرماتے ہیں ''پورا عالم ''عالم اکبر'' ہے اور انسان ''عالم اصغر'' ہے۔ اگر غور کرو تو پورے عالم کی ایک ایک چیز انسان کے اندر موجود ہے۔ یہ انسان پورے عالم کا ایک نمونہ ہے۔'' تو اللہ تعالیٰ نے کتنا حسین جسم دیا، جسم کو کتنے اچھے انداز میں بنایا، کان دیئے، آنکھ دی، بولنے کو زبان دی، علم حاصل کرنے کے جتنے آلے ہیں حواس خمسہ ظاہرہ؛ آنکھ، کان، ناک، زبان اور ہاتھ وہ سب اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں فٹ کر دیئے۔ انسان علم حاصل کرتا ہے، دیکھ کر، سن کر، چکھ کر، چھوکر، سونگھ کر یہ سب چیزیں اللہ نے انسان کو عطا فرمائیں۔ اس کے ساتھ انسان کو عقل و سمجھ عطا فرمائی۔ دماغ عنایت فرمایا۔ انسان کا دماغ کتنا عجیب ہے۔ آج انسان کمپیوٹر کی مشین اور اس کی ایجاد پر حیران ہے مگر خود انسان کے دماغ کو دیکھو کیسا عجیب و غریب کمپیوٹر ہے، کتنی چیزیں اس کے اندر محفوظ ہیں۔ انسان اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ. (الذاریات: ۲۱)

[اور خود تمہاری ذات میں اللہ کی نشانیاں موجود ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔]

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ﴾ [اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حال میں کہ] ﴿لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا﴾ [تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے] پھر علم حاصل کرنے کے لئے تم کو کیا دیا؟ فرمایا ﴿وَّجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ﴾ [اور اس نے تم کو کان دیئے اور آنکھ

اور دل] تین بڑی قوتوں کا تذکرہ کیا، کان دئے، آنکھ دی اور دھڑکنے والا دل دیا۔ اب اس کے ذریعہ سے فائدہ حاصل کرو دنیا کی چیزوں کا۔ اگر آنکھ نہ دیتا تو انسان کیسا مجبور ہوتا، اگر زبان نہ دیتا چکھنے اور بولنے کے لئے تو کیا حال ہوتا۔ لیکن الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے اعضاء کی سلامتی عطا فرمائی ہے۔

یہ سب نعمتیں دی ہیں ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ (النحل:۷۸) [تا کہ تم اس احسان کا شکر بجالاؤ۔] اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ.
(الاعراف:۱۰)

[ہم نے تم کو زمین میں ٹھکانہ دیا، زمین کو تمہارے لئے مسخر کر دیا اور اس میں بود و باش کی ساری چیزیں تم کو دے دیں لیکن بہت کم بندے شکر گذار ہیں۔]

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ذکر فرماتے ہیں:

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا. (الفرقان: ٦٢)

[وہ ذات جس نے رات کو اور دن کو بنایا، جو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے ہیں اس شخص کے لئے جو سمجھنا چاہے اور شکر گذار بندہ بننا چاہے۔]

جیسی نعمت ویسی شکر گذاری:

تو اللہ تعالیٰ نے یہ ساری نعمتیں دی ہیں اور فرمایا کہ یہ نعمتیں استعمال کر کے میرے شکر گذار بندے بن جاؤ۔ اب جیسی نعمت ویسی شکر گذاری۔ اللہ نے ہاتھ دیا ہے، زبان دی ہے، آنکھ دی ہے۔ اس کی شکر گذاری یہ ہے کہ ان اعضاء کو اللہ کے حکم پر چلایا

جائے۔اللہ کی نافرمانی میں ان اعضاء کواستعمال نہ کریں۔یہی اس کی شکر گذاری ہے۔

عصمت انبیاء کا مسئلہ:

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کتنا اونچا اور بلند مقام عطا فرمایا ہے۔امام الانبیاء،سیدالانبیاء ہیں۔اور نبی معصوم ہوتے ہیں،ان سے کبھی کوئی گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔نبوت ملنے سے پہلے بھی معصوم اور نبوت ملنے کے بعد بھی معصوم ہوتے ہیں۔

اللہ نے حضرت یوسفؑ کا قصہ بیان فرمایا:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ

[زلیخا نے تو برائی کا ارادہ کرلیا اور حضرت یوسفؑ بھی برائی کا ارادہ کر لیتے]

﴿لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ [اگر آپ اپنے رب کے برہان کو نہ دیکھ لیتے۔] آگے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ وَالْفَحْشَاءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ.
(الیوسف:۲۴)

[ہم نے برائی کو اور فحش و بے حیائی کو یوسفؑ سے پھیر دیا اس لئے کہ وہ ہمارے مخلصین بندوں میں سے ہیں۔]

یہ جو مسئلہ ہے ''عصمت انبیاء'' کا،علماء اور محدثین نے اس میں بڑی تفصیلات بیان کی ہیں،لیکن میں اپنے بھائیوں کے یادرکھنے کے لئے ایک چھوٹی سی بات کہتا ہوں، اگر اس بات کو یادرکھو گے تو ان شاء اللہ عصمت انبیاء کا مفہوم سمجھ لو گے۔(بتاؤ وہ بات یاد رکھو گے؟ حاضرین نے جواب دیا: جی یاں ان شاء اللہ تعالیٰ) دیکھو! ''ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ برائی سے دور رہیں اور برائیوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ نبیوں سے دور رہیں'' بات سمجھ میں

آئی اور برائیوں کو کہا گیا کہ وہ انبیاءؑ کے قریب بھی نہ جائیں، لہذا انبیاءؑ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بخشے بخشائے تھے:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

لِّيَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح: ۲)

[تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے] آپ تو بخشے بخشائے تھے، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری پوری رات اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے رہتے تھے، کبھی ایک ہی آیت کو بار بار پڑھ کر پوری رات امت کے لئے دعائیں مانگتے تھے۔ ہم نے تراویح میں سنا:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ.
(الانعام:۱۱۸)

[اے اللہ اگر تو عذاب دینا چاہے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف کرنا چاہے تو تجھے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، تو بڑا زبردست غالب ہے، حکمت والا ہے۔]

ایک مرتبہ پوری رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہی آیت پڑھتے پڑھتے گذار دی۔ اتنا طویل قیام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح عبادت کرتے تھے کہ آپ کے پیر مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ کبھی آپ کو اتفاق ہوا ہوگا کہ سفر میں پیر لٹکا کر بہت دیر تک بیٹھے رہیں تو پیر سوج جاتے ہیں، اسی طرح اگر کبھی دو چار گھنٹے نہیں بلکہ مسلسل گھنٹوں کھڑے رہیں تو پیروں پر ورم آجاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کئی گھنٹوں تک

مسلسل کھڑے رہتے تھے، ایک مرتبہ ماں عائشہؓ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو معصوم ہیں پھر اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہو؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

افلا اکون عبدا شکورا.

[اے عائشہ! کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں؟]

غزوۂ بدر میں احسان الٰہی:

غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی نصرت فرمائی اور ان کو فتح عطا فرمائی یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت تھی، اس لئے قرآن کریم میں غزوۂ بدر کو یوم الفرقان کہا گیا ہے۔ بدر کے دن نبی کریم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ کلمات تھے:

اللھم ان تھلک العصابۃ فلم تعبد بعدہٗ

[اے اللہ! یہ چھوٹی سی جماعت مٹھی بھر جماعت لے کر میں آیا ہوں، اگر یہ بھی ہلاک ہوگئی تو تیرا نام لینے والا دنیا میں کوئی نہیں رہے گا] یہی جماعت قیامت تک کے لئے اسلام کے پھلنے پھولنے کا ذریعہ بنے گی۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی نصرت فرمائی، اور ان کو فتح عطا فرمائی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس احسان کو خاص ذکر فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

ہم نے بدر کے مقام اور بدر کے میدان میں تمہاری مدد کی جب کہ تم کمزور تھے، جب تم کچھ بھی نہیں تھے ﴿وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ تم نہتے تھے، تمہاری کوئی تعداد نہیں تھی، کوئی طاقت نہیں تھی؛ لہذا اس کا شکر کیسے ادا کروگے؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. ﴾ [سو اللہ کے لئے تقویٰ اختیار کرو، تاکہ تم شکر گذار بن سکو۔] اللہ تعالیٰ نے اس عظیم نعمت کے شکر کو تقویٰ کے ساتھ جوڑا ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے۔

تقویٰ نام ہے پرہیز گاری کا، تقویٰ نام ہے ہر قسم کے صغیرہ کبیرہ گناہوں سے بچنے کا، تقویٰ نام ہے ہر مشتبہ چیز سے اپنے آپ کو بچانے کا، تقویٰ نام ہے ہر امر خداوندی کو بہ حسن و خوبی پورا کرنے کا جو اس لمحہ میں اس کی طرف متوجہ ہو رہا ہو، تقویٰ نام ہے کہ انسان ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے نفس کے پیچھے نہ چلے، نفسانی تقاضوں پر بالکل عمل نہ کرے، ہر کام سے پہلے سوچ لے کہ یہ کام میرے رب کو پسند ہے یا نہیں؟ اگر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے تو دل میں اگرچہ اس کے کرنے کے ہزار تقاضے ہوں ان تقاضوں پر عمل نہ کرے، بلکہ خداوند تعالیٰ کے حکم پر قربان ہو جائے۔ میرے پیر و مرشد حضرت حکیم اختر صاحبؒ فرمایا کرتے تھے: ہزاروں دل اللہ تعالیٰ کے ایک ادنیٰ حکم پر قربان ہو جائیں تو ہمارے لئے سعادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس تقویٰ کے حصول کا حکم دے کر آگے ارشاد فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ [تاکہ تم شکر گذار بن سکو] تو یہ تقویٰ ہی حقیقی معنی میں اللہ کا شکر ہے۔ شکر گذار بننے کے لئے ہمارے اندر تقویٰ آنا چاہئے، اللہ کا ڈر آنا چاہئے۔

اعضاء کا شکر:

تو اللہ تعالیٰ نے بندہ کے جسم کے اندر یہ قوتیں رکھ دی ہیں، ان اعضاء کو اور ان قوتوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال کرنا یہی اس کا شکر ہے اگرچہ زبان سے نہیں بول رہا ہے۔ اور اگر ان اعضاء کا یعنی کان، آنکھ، ہاتھ وغیرہ کا استعمال اللہ تعالیٰ کی نافرمانی

میں کیا تو یہ ان اعضاء کی ناشکری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ. ﴾ [انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔] ہماری زبان میں کہتے ہیں: ''انسان بڑا نمک حرام ہے'' میں تو یوں کہتا ہوں نمک حرام نہیں بلکہ شکر حرام، آلو حرام، چاول حرام وغیرہ ہے۔ لہٰذا اعضاء کا شکر یہ ہے کہ ان اعضاء سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی جائے۔

زبان کا شکر:

اور زبان کا شکر یہ ہے کہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے اور اللہ کی حمد صرف ایمان والے نہیں، اللہ کی ساری مخلوق اللہ کی حمد کرتی ہے، حتی کے عرش کے اٹھانے والے فرشتے وہ بھی اللہ کی حمد کرتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (المؤمن: ۷)

[جو فرشتے کہ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرداگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہتے ہیں]

اور کہیں ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (النور: ۴۱)

[کیا اے مخاطب تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور وہ پرندے جو پر پھیلائے ہوئے اڑتے پھرتے ہیں یہ سب خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں]

کہیں ارشاد فرمایا: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ﴾ [اور کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو خداوند تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو مگر ہاں تم لوگ ان چیزوں کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔]

ایک دیہاتی کی عجیب دعا:

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ طواف کر رہے تھے، اتنے میں ایک دیہاتی آیا اور کعبۃ اللہ کا پردہ پکڑ کر بہت عاجزی کے ساتھ دعا کرنے لگا۔ دعا کرتا تھا اور زار و قطار روتا تھا۔ حضرت عمرؓ رک گئے کہ کیا دعا کر رہا ہے اور کیا مانگتا ہے سنیں؟ وہ دعا کر رہا تھا اے اللہ! تو مجھے اپنے قلیل بندوں میں شامل کر دے۔ حضرت عمرؓ تعجب میں پڑ گئے۔ ایسی نادر دعا میں نے کسی کو مانگتے ہوئے نہیں سنا۔ جب وہ دعا سے فارغ ہوا تو حضرت عمرؓ نے بلا کر اس سے پوچھا کہ تیری دعا کا کیا مقصد ہے؟ اس دیہاتی نے کہا میں سورۂ سبا کی تلاوت کر رہا تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ. (السبا: ۱۳)

[اور میرے بندوں میں سے بہت کم بندے شکر گذار ہیں]

تو میں نے اللہ سے دعا کی اے اللہ! تو مجھے بھی اپنے ان قلیل بندوں میں سے بنا دے جو تیرے شکر گذار ہیں۔ ناشکروں میں مجھے داخل نہ فرما۔ اپنے شکر گذار بندوں میں داخل فرما دیجئے۔ حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور حاضرین سے کہا دیکھو: عمر سے سارے لوگ ہی زیادہ سمجھ رکھتے ہیں حتی کہ ایک دیہاتی بھی عمر سے زیادہ علم رکھتا ہے۔

(در منثور: ۵/۲۲۹)

حضرت عمرؓ کا مقام:

حالانکہ حضرت عمرؓ کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لو كان بعدى نبيا لكان عمر

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو اتنا علم دیا تھا کہ بہت سی مرتبہ حضرت عمرؓ کا جو مشورہ ہوتا تھا وہی قرآن بن کر نازل ہوتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس اعرابی کا شکر ادا کیا اور حاضرین کے سامنے حضرت عمرؓ نے عاجزی اور انکساری کا ثبوت دیا، اپنے کو بڑا نہ سمجھا۔ یہ بھی شکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے ان قلیل شکر گذار بندوں میں شامل فرمالیوے۔ آمین

مؤمن کے دونوں ہاتھوں میں لڈو ہے:

شکر کرنے والوں کی فضیلت میں ایک حدیث یاد آ گئی وہ بھی ارشاد کرتا چلوں۔ یہ حدیث ایمان والوں کے لئے بہت ہی مسرت والی ہے۔ حضرت صہیبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن صهيبؓ قال قال رسول الله ﷺ عجبا لامر المؤمن ان امره كله له خير و ليس ذلک لاحد الا لمؤمن ان اصابته سراء شكر فكان خيراً له و ان اصابته ضراء صبر فكان خيرا له.

(مسلم شریف، مشکوۃ:۲/۴۵۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کی بھی عجیب شان ہے کہ اس کی ہر حالت اس کے لئے خیر و بھلائی کا باعث ہے اور یہ بات صرف مؤمن کے لئے مخصوص ہے اگر اس کو رزق کی فراخی اور وسعت، راحت اور چین، صحت اور تندرستی، نعمت اور لذت اور

طاعت اور عبادت کی توفیق مل جاتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور اس نعمت پر اللہ کا شکر کرتا ہے، اور اس شکر پر اس کو اجر ملتا ہے، تو یہ اس کے لئے خیر اور بھلائی کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کبھی اس کو فقر وافلاس، مرض وتکلیف، رنج والم، آفات وحوادثات پیش آتے ہیں، مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے، تو اس صبر پر بھی اس کو اجر ملتا ہے، اور یہ صبر اس کے لئے خیر اور بھلائی کا باعث بن جاتا ہے۔

تو مسلمان کے دونوں ہاتھ میں لڈو ہیں، یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہے صرف سمجھانے کے لئے کہا ہے۔ اس لئے کہ اگر ایمان والے کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ اس پر صبر کرلے تو بھی اس کا بدلہ جنت ہے اور اگر نعمت کے حصول پر شکر کرے تو بھی جنت۔

بہر حال ادائے شکر پر بہت سی آیات قرآنیہ، احادیث مبارکہ اور بہت سے واقعات ہیں۔

صابر وشاکر کون ہے؟ اور کون نہیں؟

ایک اور حدیث آپ کے سامنے بیان کرتا چلوں:

عن عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول: خصلتان من كانتا فيه كتبه الله شاكرا صابرا، و من لم تكونا فيه لم يكتبه الله شاكرا و لا صابرا. من نظر في دينه الى من هو فوقه فاقتدى به و من نظر في دنياه الى من هو دونه فحمد الله على ما فضله به عليه كتبه الله شاكرا صابرا، و من نظر في دينه الى من هو دونه و نظر في دنياه الى من هو فوقه فاسف على ما فاته منه، لم يكتبه الله شاكرا و لا صابرا.

(ترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض: ۲۴۳۸)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ پائی جائیں، اللہ تعالیٰ اس کو صابر وشاکر لکھ دیں گے، اور جس شخص میں وہ دونوں باتیں نہ پائی جائیں، اللہ تعالیٰ اسے نہ شاکر لکھیں گے، نہ صابر۔ جو شخص کہ اپنے دین کے معاملے میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھے، پس اس کی اقتدا کرے اور اپنی دنیا کے معاملے میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھے، پس اللہ تعالیٰ نے اسے جو فضیلت نیچے والے پر دی، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے، اللہ تعالیٰ اسے صابر وشاکر لکھ دیتے ہیں۔ اور جو شخص اپنے دین کے معاملے میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھے اور اپنے دنیا کے معاملے میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھے اور جو نعمت اس سے فوت ہوگئی ہے اس پر افسوس کرے، اللہ تعالیٰ نہ اس کو شاکر لکھتے ہیں اور نہ صابر۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انظروا الی من هو اسفل منکم، و لا تنظروا الی من هو فوقکم فانه اجدر ان لا تزدروا نعمة الله علیکم.

(ترمذی حدیث نمبر:۲۴۳۹)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (دنیا کے معاملے میں) اپنے سے نیچے والے کو دیکھو، اپنے سے اوپر والے کو نہ دیکھو، کیونکہ یہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تم پر جو انعامات ہیں

تم ان کی تحقیر نہ کرو۔

ان دونو حدیثوں کی تشریح میں محدث عظیم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی شہید اسلامؒ فرماتے تھے: ''احادیث میں علم ومعرفت کے ایک ''باب عظیم'' کی طرف راہ نمائی فرمائی گئی ہے، وہ یہ کہ دین کے معاملے میں تو اپنے سے فائق لوگوں کو دیکھو تاکہ تمہارے دل میں ان کی ریس کا داعیہ پیدا ہو اور تمہارا رخ دین میں سبقت اور نیکیوں میں ترقی کی طرف ہو۔اس کے برعکس دنیا کے معاملے میں اپنے سے نیچے کے لوگوں کی طرف دیکھو، تمہیں دنیا میں خواہ کیسی ہی تنگی، مصیبت اور مشکلات کا سامنا ہو، مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو تم سے بڑھ کر تنگی میں مبتلا اور مصائب وآفات کا شکار ہوں گے، جب تم ان کی طرف دیکھو گے تو بے ساختہ اپنی حالت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ گے کہ مالک نے بغیر کسی استحقاق کے محض اپنے فضل واحسان سے مجھے ایسی نعمتیں عطا فرمارکھی ہیں جن سے اس کی بہت سی مخلوق محروم ہے، اس صورت میں تمہیں صبر وشکر کا مقام حاصل ہوگا، اور تمہارا نام صابر وشاکر حضرات کی فہرست میں درج کردیا جائے گا۔

اس کے برعکس اگر دین کے معاملے میں اپنے سے نیچے والوں کو دیکھو گے تو اس سے دو قباحتیں جنم لیں گی، ایک تو یہ کہ تم اپنی دینی حالت پر قناعت کر کے بیٹھ جاؤ گے، تمہارے دل میں ترقی اور بلندی کا ولولہ ہی پیدا نہ ہوگا، جس سے تمہاری دینی ترقی رک جائے گی، اور کسی کی ترقی کا رک جانا بجائے خود تنزل ہے۔ایک دکان دار کا سرمایہ اگر دس ہزار ہو اور دس سال گزرنے پر بھی دس کا دس ہی رہے تو گویا اس نے اپنی زندگی کے دس سال ضائع کردئے، باوجودیکہ دس سال میں اسے خسارا نہیں ہوا، لیکن دس سال کے

عرصے میں اس کے سرمائے میں ترقی نہ ہونا بھی تو خسارا ہے۔ اور اس سے دوسری قباحت یہ جنم لے گی کہ جب اپنے نیچے والوں کو دیکھو گے تو اپنے اعمال پر تم کو غرّہ ہوگا اور آدمی اپنے نیک اعمال پر نظر کرنا اور ان سے مغرور ہونا بجائے خود مہلک چیز ہے۔

اور اگر دنیا کے معاملے میں اپنے سے اوپر والوں کو دیکھو گے تو اس سے بھی دو قباحتیں جنم لیں گی، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں تمہیں عطا فرما رکھی ہیں وہ تمہاری نظر میں نہیں جچیں گی، بلکہ اوپر والوں کو دیکھ کر تم ان نعمتوں کی تحقیر اور ناشکری کرو گے، تمہیں ان انعامات الٰہیہ پر کبھی شکر کی توفیق نہیں ہوگی، اور تمہارا نام اللہ تعالیٰ کے یہاں ناشکروں کی فہرست میں لکھ دیا جائے گا۔ دوسری قباحت یہ کہ تمہیں کبھی راحت و اطمینان کی کیفیت نصیب نہیں ہوگی، بلکہ دوسروں کی اچھی حالت دیکھ کر ہمیشہ تمہاری رال ٹپکتی رہے گی، اگر تم زبان سے اللہ تعالیٰ کی شکایت نہ بھی کرو تب بھی دل میں تو شکایت کا مضمون ضرور پیدا ہوگا کہ: ''ہائے! فلاں چیز اللہ تعالیٰ نے فلاں کو تو دی ہے، مگر مجھے نہیں دی'' یہ بے صبری اور قلبی پریشانی کی وہ کیفیت ہے جس کی وجہ سے تمہارا نام کبھی صابرین کی فہرست میں نہیں لکھا جاسکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنی امت پر ماں سے زیادہ شفیق ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ایسی تدبیر بتا دی جس کے ذریعے انہیں دنیا میں راحت و سکون بھی حاصل ہو، آخرت کے درجات عالیہ بھی میسر آئیں، اور ان کا نام صابرین و شاکرین میں بھی لکھا جائے، اب اگر ہم اس پر عمل نہ کریں تو یہ ہماری کم نصیبی ہے۔ اس پر عمل کر کے دیکھیے کیسی تسلی اور سکون ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو کسی صاحب نے خط میں لکھا کہ حضرت میں بہت پریشان رہتا ہوں، علاج

بتایئے، حضرت نے بڑا پیارا جواب لکھا کہ ''آپ کیپاس جو نعمتیں موجود ہیں آپ اس کا شکر نہیں کرتے ہواور جو موجود نہیں ہے اس کی فکر میں لگے ہوئے ہو۔ آپ موجودہ نعمتوں پر شکر کیا کیجیئے اور جو نہیں ہیں اس کی فکر میں مت لگو۔'' اس شخص نے قسم کھا کر بتایا: میں نے جب سے یہ نسخہ آزمایا ہے کہ موجودہ نعمتوں پر شکر ادا کرنا اور اگلی نعمتوں کی فکر نہ کرنا تو میری پریشانی اور فکر ختم ہوگئی، الحمدللہ علی ذلک۔ یہ باتیں ہماری بیٹیوں، بہنوں، اور گھر کی عورتوں کو بار بار سنایا کریں، ان شاء اللہ گھر میں سکون واطمیان والا ماحول بنیگا۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرماوے۔

اللہ تعالیٰ کبھی دے کر آزماتے ہیں اور کبھی لے کر آزماتے ہیں:

بزرگو! عموماً عام مسلمانوں کو دو حالت پیش آتی ہے: راحت وآرام والی یا تکلیف ومصائب والی۔ انعام واکرام، مال ودولت کی یا پھر خالی ہاتھ کنگال کی۔ صحت وعافیت والی یا بیماری اور تکلیفیں والی۔ ان دونوں میں ہمارا امتحان ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کبھی جیب بھر کر امتحان لیتے ہیں اور کبھی جیب خالی کر کے امتحان لیتے ہیں کہ میرا بندہ صابر وشاکر بنتا ہے یا ناشکرا اور کافر بنتا ہے۔ جیسے کہ حضرت سلیمانؑ کے مشہور واقعہ میں اسی کو ذکر فرمایا ہے، طویل قصہ سورۂ نمل میں بیان فرمایا ہے، بندہ بہت مختصر بیان کرے گا، توجہ فرمائیں۔

جب حضرت سلیمانؑ نے قوم سبا کی ملکہ بلقیس کو دعوت اسلام پیش کی، تو ملکہ بلقیس نے اپنے درباریوں کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا اور اخیر میں یہ طے پایا کہ حضرت سلیمانؑ کو کچھ تحفے اور ہدایا بھیجے جائیں، اس سے معلوم ہوجائے گا کہ وہ سچ میں اللہ کے نبی ہیں یا کوئی دوسرے بادشاہوں کی طرح ہیں جو ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو ملکہ

بلقیس نے بہت سارے تحفے اور ہدایا حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں بھیجے، حضرت سلیمانؑ نے وہ ہدایا واپس کر دئے، اور کہا کیا تم ان ہدایا کے ذریعہ میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو دیا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ یا پھر بات یہ ہے کہ تم اپنے ہدایا پر اتراتے ہو۔ بہرحال جو بھی بات ہو میں یہ ہدایا قبول نہیں کر سکتا اسے واپس لے جاؤ، اور ملکہ سے کہہ دو کہ اگر اب بھی وہ ایمان نہیں لاتیں تو میں ان پر ایسا لشکر بھیجوں گا جن کا وہ مقابلہ نہیں کر پائیں گے۔ الغرض حضرت سلیمانؑ نے وہ ہدایا واپس کر دئے۔ جب ملکہ بلقیس نے یہ معاملہ دیکھا تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے خود حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے اور چل کر دیکھنا چاہئے چنانچہ وہ خود ملاقات کی غرض سے روانہ ہوئی۔

اور ملکہ بلقیس کا ایک تخت تھا جو قدامت میں بہت ہی بڑا اور صنعت میں بے نظیر اور اس دور کے حساب سے نایاب تھا اس میں قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے، اور یہ تخت ایک محفوظ قلعہ میں رکھا ہوا تھا۔ جب حضرت سلیمانؑ کو اس بات کا علم ہوا کہ ملکہ بلقیس خود ملاقات کی غرض سے آ رہی ہے تو حضرت سلیمانؑ نے اپنے درباریوں سے فرمایا: اے درباریو! تم میں کوئی ایسا بھی ہے جو قبل اس کے کہ وہ لوگ میرے پاس مطیع ہو کر آئیں بلقیس کا تخت میرے پاس لے آئے۔ اس پر جنات میں سے ایک قوی ہیکل جن نے عرض کیا میں اس سے پہلے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھ کھڑے ہوں اس کے تخت کو آپ کے پاس لے آؤں گا اور میں یقین دلاتا ہوں کہ میں اس کے تخت لانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں اور قابل اعتماد و امانت دار بھی ہوں، اگرچہ وہ بہت دور محفوظ قلعہ میں بند ہے اور بہت وزنی ہے لیکن میں آپ کے اس اجلاس سے اٹھنے سے پہلے آپ کے پاس لے

آؤں گا۔ اسی مجلس میں ایک اور صاحب بیٹھے ہوئے تھے جن کے پاس کتاب الٰہی کا علم تھا، انہوں نے کہا میں اس تخت کو آپ کی خدمت میں پلک جھپکنے سے پہلے یعنی چشم زدن میں حاضر کئے دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ صاحب نے چشم زدن میں تخت بلقیس کو حاضر کر دیا تو حضرت سلیمانؑ نے کیا فرمایا؟ اسی کو سمجھانے کے لئے میں نے یہ واقعہ آپ کے سامنے بیان کیا ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے فرمایا: ﴿هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ﴾ [یہ میرے پروردگار کا ایک فضل ہے] اس کے بعد فرمایا: ﴿لِیَبْلُوَنِیْ ءَ اَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ﴾ [تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں] ﴿وَمَنْ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ کَرِیْمٌ﴾ [اور جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے فائدہ کے لئے ہی شکر کرتا ہے اور جو شخص ناشکری کرتا ہے (تو اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے) میرا رب بے نیاز ہے اور بڑا اکرم کرنے والا ہے۔]

مجھے یہی بتلانا تھا کہ اللہ تعالیٰ کبھی نعمت دے کر آزماتے ہیں اور کبھی نعمت واپس لے کر آزماتے ہیں، اللہ رب العزت دیکھنا چاہتے ہیں کہ میرا بندہ صبر وشکر کرتا ہے یا ناشکری کرتا ہے۔ شکر کرنے پر اس کا فائدہ خود شکر کرنے والے کو ہوتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو اس کا وبال بھی خود اسی پر پڑتا ہے۔ شیخ سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں ـــــ:

کسے را کہ باشد دل حق شناس ‏ نشاید کہ بندد زبان سپاس

[جس کسی کا دل خدا کو پہچاننے والا ہو، اسے چاہئے کہ وہ اپنی زبان کو شکر سے بند نہ کرے۔]

نَفَس جز شکر خدا بر میار که واجب بود شکر پروردگار

[کوئی بھی سانس شکر کے بغیر باہر مت نکال، اس لئے کہ پالنے والے کا شکر کرنا واجب ہے۔]

ترا مال و نعمت فزاید ز شکر ترا فتح از در درآید ز شکر

[شکر کی وجہ سے تیرا مال اور تیری نعمت زیادہ ہو جائے گی، شکر کی وجہ سے تجھے کامیابی حاصل ہوگی۔]

اگر شکر حق تا بروز شمار گزاری نہ باشد یکے از ہزار

[اگر قیامت کے دن تک بھی تو اللہ کا شکر ادا کرتا رہے تب بھی ہزار حصہ میں سے ایک حصہ کا بھی شکر ادا نہیں کرسکتا۔] اللہ کی نعمتیں انسان پر اتنی زیادہ ہیں۔

ولے گفتن شکر اولیٰ تر است که اسلام را شکر او زیور است

[پھر بھی شکر کا ادا کرنا بہتر ہے، اس لئے کہ شکر اسلام کی زینت ہے۔]

گر از شکر ایزد نہ بندی زباں بدست آوری دولت جاویداں

[اگر تو خدا کے شکر سے زبان کو بند نہ کرے گا، تو ایسی دولت تیرے ہاتھ میں آ جائے گی جو کبھی ختم نہ ہوگی۔]

(کریما سعدی)

تین نعمتیں:

ایک اور حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وقال علیه الصلوة و السلام الطاعم الشاکر بمنزلة الصائم الصابر.

(بخاری شریف)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نعمتوں پر شکر کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ صابر روزہ دار۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر فضل ہے کہ ہم اس کی نعمتیں بھی استعمال کریں اور اس پر بھی ہمیں اجر ملے، اللہ کی نعمتیں استعمال کر کے شکر کرنے والے کو صابر روزہ دار کا ثواب ملتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے۔ تو جو نعمتیں اللہ عزوجل نے ہمیں دی ہیں ہمیں چاہئے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اس پر اللہ کا شکر بجالائیں، اسے اللہ کی فرماں برداری والے کاموں میں استعمال کریں، ان نعمتوں کے جو حقوق ہیں اس کو ادا کرنے والے بنیں، اس کو ضائع کر دینا اور برباد کر دینا، یا گناہ کے کام میں استعمال کرنا بہت خسارہ کی بات ہے اور خاص کر کے اس ملک (برطانیہ) میں رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے تین نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان کے ذریعہ آپ حضرات خوب دین کا کام کر سکتے ہیں:

۱......انگریزی زبان جو انٹرنیشنل زبان ہے۔

۲......کرنسی

۳...... برٹش پاسپورٹ کہ ہر ملک اس کی وجہ سے آپ کو 'ویل کم' (welcome) کہتا ہے، آپ حضرات کے لئے دین کا کام کرنے کا بہت اچھا موقع ہے، دین پھیلانے کے لئے آپ ان نعمتوں کو استعمال کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان نعمتوں کی صحیح معنیٰ میں قدردانی کی توفیق عطا فرماوے، اور اپنی تمام نعمتوں پر زیادہ سے زیادہ شکر بجالانے کی توفیق عطا فرماوے، اور اپنے شکر گذار بندوں میں ہمیں شامل فرماوے، اور ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرماوے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆☆

۹

وصیت کی اہمیت اور ترکہ کی تقسیم

(قسط اول)

وصیت نامہ لکھنے پر کیا ملے گا؟ اس کا کیا ثواب ہے؟ تو اس کی فضیلت میں ابن ماجہ شریف کی ایک روایت ہے:

عن جابرؓ قال قال رسول الله ﷺ من مات علی وصیة مات علی سبیل و سنة و مات علی تقی و شهادة و مات مغفوراً له. (مشکوة شریف: ص ۲۶۶)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص وصیت کر کے مرا، تو وہ صراط مستقیم اور سنت پر مرا، اور تقویٰ اور شہادت پر مرا، یعنی متقیوں اور شہیدوں میں داخل ہوگا، اور اس حال میں مرا کہ اس کی مغفرت ہو چکی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت میں ہے:

قال رسول الله ﷺ ما حق امرأ مسلم له شیء یوصی فیه یبیت لیلتین الا و وصیته مکتوبة عنده. (متفق علیه) (مشکوة شریف: ۲۶۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس مسلمان مرد کے مال یا آپسی تعلقات کے متعلق کوئی بات وصیت کے قابل ہو، تو اسے چاہیئے کہ دو راتیں بھی ایسی نہ گذریں، مگر یہ کہ اس کے متعلق وصیت نامہ لکھ کر اپنے پاس رکھے۔

﴿ ۹ ﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وصیت کی اہمیت اور ترکہ کی تقسیم

(قسط اول)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَا وَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبارَكَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَا نِالْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ .

(البقرۃ:۱۸۰)

[تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کی موت کا وقت نزدیک آنے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں ہوتو اپنے والدین واقارب کے لئے معقول طور پر وصیت کر جاوے، جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ یہ حکم ضروری کیا جاتا ہے۔]

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلك من الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

وصیت کا مقام:

بزرگان محترم! میں نے ابھی ابھی آپ حضرات کے سامنے قرآن پاک کی ایک آیت تلاوت فرمائی ہے۔ تھوڑے سے وقت میں اسکا مفہوم سمجھانا چاہتا ہوں۔ اور ایک اہم بات جس کی طرف ہماری توجہ نہیں ہے اس پر توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

قرآن کریم میں جتنے احکام اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں، ان میں سے ایک اہم حکم وصیت کا بھی ہے، قرآن پاک کی اور بھی دیگر آیات میں وصیت کا مضمون ذکر کیا گیا ہے۔

شروع اسلام میں جب تک کہ میراث کے حصے مقرر نہیں ہوئے تھے، اور ابھی میراث کے تفصیلی احکام نازل نہیں ہوئے تھے، یہ حکم تھا کہ مسلمان مرنے سے پہلے پہلے اپنا وصیت نامہ بنالیں کہ ماں باپ کو اتنا اتنا ملے گا۔ فلاں رشتہ دار کو اتنا ملے گا۔ اولاد کو اتنا ملے گا۔ اور وصیت نامہ لکھ کر کسی کو اپنا وصی بنالیں اور اس وصی کو اپنا وصیت نامہ دے دیں، اور وہ وصی بعد اس کے مرنے کے اس کی وصیت کے مطابق اس کے ترکہ کے حصہ کر کے اس کے رشتہ داروں میں تقسیم کرے۔ یہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

کُتِبَ عَلَیۡکُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ اِنۡ تَرَکَ خَیۡرَا ۨ الۡوَصِیَّةُ لِلۡوَالِدَیۡنِ وَالۡاَقۡرَبِیۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ حَقًّا عَلَی الۡمُتَّقِیۡنَ .

(سورۂ بقرۃ:۱۸۰)

[تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کی موت کا وقت نزدیک آنے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں ہو تو اپنے والدین و اقارب کے لئے معقول طور پر

وصیت کر جاویں، جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ یہ حکم ضروری کیا جاتا ہے۔]

ذوی الفروض وارث:

لیکن اس کے بعد سورۂ نساء کی آیتیں نازل فرما کر اللہ عزوجل نے خود ہی تمام وارثین کے حصے بیان فرمادئے۔

عامۃً ورثاء دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک ذوی الفروض، اور دوسرے عصبہ۔ اور ورثاء کی ایک قسم ذوی الارحام بھی ہے۔ ذوی الفروض کا لغوی معنیٰ ہوتا ہے حصوں والے۔ اور یہ ان ورثاء کو کہا جاتا ہے جن کا حصہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمادیا ہے، کہ ماں کو باپ کو اولاد کے انتقال پر اتنا اتنا حصہ ملے گا۔ باپ کا انتقال ہوجائے تو اولاد کو اتنا اتنا حصہ ملے گا۔ بیوی کے انتقال پر شوہر کو اتنا حصہ ملے گا۔ وغیرہ۔ یہ ہیں ذوی الفروض۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ قریبی اور خاص خاص رشتہ داروں کے حصے سورۂ نساء کے دوسرے رکوع کی آیت ﴿یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِکُمْ﴾ میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔

عصبہ اور ذوی الارحام:

اور ایک قسم ہے ورثاء کی ''عصبہ''۔ عصبہ ان وارثوں کو کہتے ہیں کہ ذوی الفروض وارثوں میں سے جو موجود ہوں ان کو ان کا مقررہ حصہ دینے کے بعد جو مال بچ جائے یہ بچا ہوا مال ان وارثوں کو ملتا ہے۔ کتنا کتنا مال ملے گا اس کے طریقے بھی بیان کئے ہیں۔ اور وارثوں کی ایک قسم ذوی الارحام ہے۔ جب ذوی الفروض وارثوں میں سے کوئی وارث نہ ہو، اسی طرح عصبہ وارثوں میں سے بھی کوئی وارث موجود نہ ہو تو اس وقت ذوی الارحام کو

حصہ ملتا ہے۔قرآن وحدیث میں ان کی تفصیل مذکور ہے، اور فقہاء نے اس کی بڑی وضاحت فرمائی ہے۔علم فرائض ایک مستقل فن ہے، اور حدیث شریف میں اس علم کے سیکھنے سکھانے کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں۔ایک حدیث میں ہے:

عن ابی ھریرۃ ؓ قال قال رسول اللہ ﷺ یا اباھریرۃ تعلموا الفرائض و علموھا فانہ نصف العلم و ھو ینسی و ھو اول شیء ینزع من امتی. (ابن ماجہ شریف: ص:۹۰۸)

[حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! علم فرائض کو سیکھو، اور اسے لوگوں کو سکھاؤ، اس لئے کہ وہ نصف علم ہے، اور وہ عنقریب بھلا دیا جائے گا، اور یہ سب سے پہلی چیز ہے جو میری امت سے اٹھالی جائے گی۔]

ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تعلموا الفرائض و علموھا الناس تعلموا القرآن و علموہ الناس فانی امرأ مقبوض و العلم سینقبض و یظھر الفتن حتی یختلف اثنان فی فریضۃ لا یجدان احداً یفصل بینھما.

(مشکوٰۃ شریف:۳۸)

علم فرائض کو سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، اس لئے کہ عنقریب میں دنیا سے پردہ فرمانے والا ہوں اور علم اٹھالیا جائے گا، اور فتنے ظاہر ہوں گے، یہاں تک کہ دو شخص تقسیم میراث کے معاملہ میں جھگڑیں گے

(ایک کہے گا مجھے اتنا ملنا چاہئے، اور دوسرا کہے گا نہیں مجھے اتنا ملنا چاہئے) اور کسی تیسرے کو نہیں پائیں گے جو انہیں صحیح مسئلہ بتا سکے۔

اس فن میں کئی کتابیں ہیں۔ فرائض کی مشہور کتاب سراجی ہے، مفید الوارثین ہے، معین الفرائض ہے، اور بھی بہت ساری کتابیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان فقہاء کو جزاء خیر عطا فرماوے، بڑا کام انہوں نے کیا ہے۔ قرآن وحدیث کا نچوڑ مرتب کر دیا ہے۔

وصیت کرنا منسوخ ہوگیا:

تو میں عرض کر رہا تھا کہ شروع اسلام میں وصیت کرنا فرض تھا، اور اسی کے مطابق عمل ہوتا تھا۔ مگر جب سورۂ نساء کی آیت ﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ﴾ نازل ہوئی تو وصیت کا حکم منسوخ ہوگیا، اب وصیت کرنا فرض نہیں رہا۔ ہاں مستحب ضرور ہے اور وصیت کرنے پر اجر وثواب ملے گا کہ اہمیت اب بھی باقی ہے۔ اپنی وصیت تیار کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن بندے کو اپنی موت اور آخرت کی فکر ہے۔

وصیت نامہ لکھنے کی اہمیت:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت میں ہے:

قال رسول الله ﷺ ما حق امرأ مسلم له شيء يوصى فيه يبيت ليلتين الا ووصيته مكتوبة عنده. (متفق عليه)

(مشکوۃ شریف: ۲۶۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس مسلمان مرد کے مال یا آپسی تعلقات کے متعلق کوئی بات وصیت کے قابل ہو، تو اسے چاہئے کہ دو راتیں بھی ایسی نہ گذریں، مگر یہ کہ اس کے

متعلق وصیت نامہ لکھ کر اپنے پاس رکھے۔

یہاں دوراتوں سے مراد 'عرصۂ قلیل' ہے۔ اور مطلب حدیث کا یہ ہے کہ تھوڑا عرصہ اور تھوڑا وقت بھی ایسا نہ گذرنا چاہئے کہ وصیت نامہ لکھا ہوا موجود نہ ہو۔ کیوں کہ انسان کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ نہ معلوم کس وقت زندگی کا سلسلہ ختم ہو جائے اور وصیت نامہ نہ ہونے کی وجہ سے ورثاء لاعلم ہوں گے اور بہت ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے کسی کی حق تلفی ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں، فرماتے ہیں: جیسے ہی میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی، میں نے اپنا وصیت نامہ لکھ کر اپنے سرہانے رکھ لیا۔ لہذا اگر کسی کا کوئی حق اپنے اوپر باقی ہو، کسی کی کوئی امانت اپنے پاس رکھی ہوئی ہو، اگر وصیت نامہ کے اندران باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا، تو حق والے کو حق آسانی سے پہنچ جائے گا۔ ورثاء کے لئے بہت آسانی ہو جائے گی۔

وصیت نامہ پر کیا ملے گا؟

وصیت نامہ لکھنے پر کیا ملے گا؟ اس کا کیا ثواب ہے؟ تو اس کی فضیلت میں ابن ماجہ شریف کی ایک روایت ہے:

عن جابرؓ قال قال رسول الله ﷺ من مات علی وصیة مات علی سبیل و سنة و مات علی تقی و شهادة و مات مغفوراً له.

(مشکوۃ شریف: ص ۲۶۶)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص وصیت کر کے مرا، تو وہ صراط مستقیم اور سنت پر مرا، اور تقویٰ اور شہادت پر مرا، یعنی متقیوں اور شہیدوں میں داخل ہوگا، اور اس حال میں مرا کہ اس کی

مغفرت ہو چکی تھی۔

غور کیجئے وصیت نامہ لکھنے پر کتنا بڑا درجہ اس کو ملا۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام کو اس کی توفیق عطا فرماوے، آمین۔

اس ملک (یورپ) میں وصیت کی اہمیت:

اب اس ملک میں وصیت اور بھی زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ اس لئے کہ یہاں کے قانون میں ہے کہ شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کا پورا مال بیوی کو مل جاتا ہے اور بیوی کا انتقال ہو جائے تو پورا مال شوہر کو مل جاتا ہے۔ تو جس کے دل میں خوفِ خدا ہوتا ہے وہ بیٹیوں اور بیٹوں کو دیتا ہے، بہنوں کو دیتا ہے، ورنہ کون دیتا ہے؟ تو یہاں کے قانون کے مطابق اگر وہ وصیت نامہ لکھ کر گیا ہے تو پھر اس کے مطابق عمل ہوگا۔ اس لئے وصیت نامہ لکھ کر تیار رکھو۔ کم از کم اپنے وصیت نامہ میں یہ لکھ کر رکھو کہ میرے اتنے وارث ہیں، میری بیوی ہے، میرے اتنے بیٹے ہیں، میری اتنی بیٹیاں ہیں۔ میرے انتقال کے بعد اگر میرے یہ ورثاء موجود ہوں تو شریعت کے مطابق میراترکہ ان تمام ورثاء میں شرعی حصص کے مطابق تقسیم کیا جائے، میرے انتقال کے بعد اسلام کے قانون کے مطابق میراترکہ ان ورثاء کو دیا جائے۔ یہاں کے مقامی انگلش داں علماء ہیں ان سے تحقیق کر لیں، کہ انگلش میں وصیت نامہ کس طرح لکھا جائے؟ ان شاء اللہ کسی مفتی صاحب اور قدیم عالم کے پاس اس کا نمونہ مل جائے گا۔ اس کو سامنے رکھ کر وصیت نامہ لکھ دیا جائے۔

وصیت کی چند قسمیں:

وصیت کی چند قسمیں ہیں۔ ایک وصیت مستحب ہے؛ جیسا کہ کوئی شخص ایسی جگہ

ہو جہاں کوئی قانون نہ ہو، اس کے انتقال کے بعد شریعت کے مطابق ترکہ تقسیم کرنے میں کوئی قانونی رکاوٹ نہ آتی ہو تو ایسے مقام پر وصیت لکھ کر رکھنا مستحب ہے۔ اور ایک وصیت کرنا فرض ہے؛ جب کہ اس کے ذمہ کسی کا قرض ہو یا کسی کی امانتیں اس کے پاس ہوں، یا خدانہ خواستہ اس کے ذمہ کچھ سالوں کی زکوٰۃ باقی رہ گئی ہو، نمازیں ذمہ میں باقی ہوں اور ان کو نہ پڑھ سکا ہو، قضا اس کے ذمہ باقی ہے اور اس کے پاس مال بھی ہے، تو ایسی صورت میں وصیت نامہ لکھنا فرض ہے۔ اگر حج نہ کرسکا تو حج بدل کی وصیت کر جائے۔ اسی طرح عورت کو محرم نہ ملنے کی وجہ سے حج نہ کرسکی اور مال بھی موجود ہو، تو وہ بھی وصیت کر جائے۔

اپنے ذمہ قرض ہو تو وصیت نامہ لکھ دو:

کسی کا قرض ہو تو وصیت لکھ کر واضح کردو کہ فلاں کا میرے ذمہ قرض ہے۔ مثلاً: پانچ ہزار روپے قرض ہے۔ اگر آپ نے وصیت کی ہوگی تو آپ کے ورثاء اس شخص کو قرض ادا کردیں گے۔ اگر وصیت نہیں کی ہے، اور وہ قرض خواہ اپنے قرض پر کوئی گواہ پیش نہ کر سکا، تو بے چارہ لٹک جائے گا۔ اس کا قرض باقی رہ جائے گا۔ اور مرنے والے پر اس کا وبال رہے گا۔ ورثاء اس کے ترکہ سے مزے اڑائیں گے۔ اور یہ مرنے والا اپنے قرض کی وجہ سے آخرت کی گرفت میں رہے گا۔ ایسی صورت میں بھی وصیت کرنا فرض ہے۔

حقداروں کو حق نہیں ملے گا تو اس صورت میں بھی ضرور وصیت کردے:

اسی طرح اگر آپ کو معلوم ہے کہ میرے وارث ایسے ہیں کہ وہ شرعی حقداروں کا حق بھی ادا نہیں کریں گے، تو اس وقت بھی وصیت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مثلاً: کچھ دن

پہلے میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ہمارے یہاں بہنوں کو ورثاء ترکہ میں سے ان کا حق نہیں دیتے۔ اور کہتے ہیں کہ بہنوں کی شادی میں باپ نے خوب خرچ کیا تھا، ان کو جنس اور زیور چڑھایا تھا، بس ان کا حق ادا ہوگیا۔ میں کہتا ہوں اگر ایسا ہی ہے تو تمہارے والد نے تمہاری شادی کے وقت بھی خوب خرچ کیا تھا تو تم اور تمہاری بہنیں برابر ہوگئیں۔ لہذا جس طرح تمہیں میراث سے حصہ مل رہا ہے اسے بھی ملنا چاہئے۔

شادی کردینے سے بیٹیوں کا وراثتی حق ختم نہیں ہوجاتا:

یہ بات ذہن میں رہے کہ اگر والد مرحوم نے بہنوں کی شادی کے وقت ان کو زیور دیا ہو اور ان پر خرچ کیا ہو تو اس سے ان کا وراثتی حق ختم نہیں ہوجاتا۔ ان کا وراثتی حق باقی رہتا ہے۔ جس طرح لڑکوں کی شادی پر خرچ کرنے سے لڑکوں کا حق وراثت ختم نہیں ہوتا اسی طرح ان بہنوں کا بھی حق وراثت ختم نہیں ہوتا۔ بہر حال اگر کسی کو معلوم ہو یا اندازہ ہو کہ میرے انتقال کے بعد میرے تمام ورثاء کو حق نہیں دیا جائے گا تو ایسی صورت میں بھی وصیت کرنا ضروری ہے تاکہ بعد میں تمام حقداروں کو حق مل سکے اور یہ وصیت نامہ اس کے لئے معین اور مددگار بن جائے گا۔

کسی وارث کو محروم کرنے کا گناہ:

پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ وصیت نامہ میں کسی وارث کو محروم نہ کرے یا ایسی کوئی وصیت نہ کرے کہ اس سے کسی کو نقصان پہنچے۔ انصاف اور حق کے ساتھ وصیت کرے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی وارث سے ناراضگی ہوتی ہے اور اسے معلوم ہے کہ میرے انتقال کے بعد اس کو ترکہ میں سے حصہ ملے گا تو وہ اس قسم کی وصیت کرتا ہے کہ وہ

محروم ہوجائے یا اس کو نقصان پہنچے تو ایسی وصیت کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور اس پر بہت سخت وعید ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الرجل ليعمل و المرأة بطاعة الله ستين سنة ثم يحضرهما الموت فيضاران فى الوصية لهما النار.

(مشکوۃ شریف:۲۶۵)

[فرمایا کہ ایک مرد اور ایک عورت ساٹھ سال تک اللہ کی اطاعت کرتے ہیں، مطلب یہ کہ اپنی پوری زندگی موت تک اللہ کی اطاعت میں لگے رہتے ہیں، ماشاء اللہ نمازوں کی بھی خوب پابندی کی، حج بھی کرلیا، عمرہ بھی کرلیا لیکن انتقال کے وقت ایسی کوئی وصیت کردی کہ کسی وارث کو ضرر اور نقصان پہنچا دیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان کے لئے جہنم واجب ہوجاتی ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصٰى بِهَا اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ. تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.

[(یہ جو حصے مذکور ہوئے یہ ورثاء کو دئے جائیں) بعد وصیت نکالنے کے جس کی وصیت کردی جائے یا دین (قرض) کے بعد بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ پہنچاوے، یہ حکم کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں حلیم ہیں۔ یہ سب احکام مذکورہ خداوندی ضابطے ہیں اور جو شخص اللہ اور رسول کی پوری

اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو فوراً ایسی بہشتوں میں داخل کردیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی کامیابی ہے۔]

یہ سب خداوندی ضابطے ہیں:

آیت کریمہ کی مختصر تشریح یہ ہے کہ میت کی وصیت کے بقدر مال الگ نکالنے کے بعد وارثوں میں ترکہ تقسیم کیا جائے گا جس کی وصیت کردی جائے، یا اگر مرنے والے پر کسی کا قرض ہو تو اس کو نکالنے کے بعد بشرطیکہ وصیت کرنے والا کسی وارث کو ضرر نہ پہنچائے۔ یہ سب احکام جو اوپر بیان کئے گئے ہیں ان سب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں، کون مانتا ہے اور کون نہیں مانتا سب کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور نہ ماننے والوں کو جو فوراً سزا نہیں دیتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حلیم بھی ہے۔ ﴿تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ یہ سب احکام مذکورہ خداوندی ضابطے ہیں اور جو شخص اللہ اور رسول کی پوری پوری اطاعت کرے گا اور ان قوانین اور ضابطوں کی پابندی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور یہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

معلوم ہوا کہ میراث کے اور وصیت کے احکام اللہ کے قوانین ہیں، جن وارثوں کو حصہ ملتا ہے تو وہ اللہ کے قانون سے ملتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس کو دلاتے ہیں۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ ہی اس کو دلا رہے ہیں پھر بھی کوئی اس کو محروم کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ اللہ کے احکام سے روگردانی کر رہا ہے اور گویا اللہ کے اس قانون پر وہ راضی نہیں ہے اور جو اللہ

کے قانون کو نہ مانے اس کے خلاف کرے تو یہ بہت بڑی بدبختی ہے اور اس کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کی شدید وعید بیان فرمائی ہے۔ لہذا وصیت کر کے کسی وارث کو محروم کرنے کی کوشش کرنا بہت سنگین گناہ ہے اور حرام ہے۔

جو وارث کو محروم کرے گا اللہ اس کو جنت سے محروم کردیں گے:

دوسری حدیث میں ہے:

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة.

(مشکوۃ شریف:۲۶۶)

[حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے وارث کو میراث سے محروم کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت سے محروم کردیں گے۔]

لڑکوں کے حصہ کا تعین لڑکیوں کے حصہ کے تعین پر موقوف ہے:

بزرگو! ہماری بات یہ چل رہی تھی کہ بہنوں کو حصہ دینا ضروری ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے، اس کا ماننا ضروری ہے۔ مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی دامت برکاتہم و مدت فیوضہم نے اس سلسلہ میں بہت عجیب بات تحریر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے لڑکیوں کے حصہ کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ فرمایا، ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے۔ یعنی لڑکوں کا حصہ علیحدہ سے بتایا ہی نہیں، بلکہ لڑکیوں کا حصہ بتاتے ہوئے لڑکوں کا حصہ بتایا ہے۔

(وصیت اور میراث کے احکام:۴۳)

میت کے مال میں سے جب تک میت کی لڑکیوں کا حصہ متعین نہیں کریں گے وہاں تک میت کے لڑکوں کا شرعی حصہ متعین ہو ہی نہیں سکتا۔ لہذا اگر شریعت کے مطابق ترکہ تقسیم کرنا چاہتے ہو تو لڑکیوں کا حصہ بھی متعین کرو اور ان کو بھی ان کا حق ادا کرو تب ہی تمہاری تقسیم شریعت کے مطابق ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس پر جنت عطا فرمائیں گے۔

والدین کی خدمت ان پر احسان نہیں ہے:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ماں باپ اپنے کسی ایک لڑکے کے ساتھ رہتے ہیں اور ان کے بقیہ بچے الگ رہتے ہیں اب جو بیٹا ساتھ رہتا ہے وہ والدین کی خدمت زیادہ کرتا ہے تو یہ اس بیٹے کی سعادت مندی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو والدین کی خدمت کا موقعہ عنایت فرمایا۔ یہ لڑکا ماں باپ پر اپنا احسان نہ سمجھے۔ اگر اس نے ماں باپ کی خدمت کی تو یہ ان کا حق تھا۔ اب اس خدمت کا صلہ اور اجر اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عطا فرمائیں گے۔ اس خدمت کی وجہ سے وہ تنہا خود کو وارث سمجھنے لگے تو یہ بہت غلط ہوگا اور اس خدمت سے اگر کچھ غلط فائدہ اٹھائے گا تو اس کا گناہ ہوگا۔

والدین کا حق:

ہم کیا ماں باپ کی خدمت کا حق ادا کر سکتے ہیں؟ ایک روایت میں نے اپنے اکابر سے بھی سنی ہے، کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ میں اپنی والدہ کو خراسان سے کندھے پر بٹھا کر یہاں مکہ لایا، اور میں نے اسے اپنے کندھے پر بٹھا کر حج کے تمام ارکان ادا کروائے، اسے منیٰ لے گیا، مزدلفہ لے گیا، عرفہ لے گیا، اسے کندھے پر بٹھا کر طواف کرایا، اور ایک روایت

میں یہ بھی ہے کہ اس نے کہا کہ میری والدہ کا بوجھ اٹھانے کی وجہ سے میری پیٹھ ٹیڑھی ہوگئی ،تو کیا میں نے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا؟ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے جواب دیا، تیری ولادت کے وقت تیری والدہ نے جو آہیں بھری تھی اس میں سے ایک آہ کا بھی حق ادا نہیں ہوا۔

(اخرجہ ابن الجوزی فی کتاب البر والصلہ :۱/۸۴)

غور فرمایئے کہ اس شخص نے اپنی والدہ کی خدمت کرنے میں کیا کمی رکھی، حج کے اخراجات نہیں تھے تو پیدل حج کیا، اور والدہ بوڑھی ہو چکی تھی، چل پھر نہیں سکتی تھی تو والدہ کو کندھے پر بٹھا کر خراسان سے مکہ لایا اور اسے حج کے تمام ارکان ادا کروائے، تب بھی والدہ نے دردزہ کی جو تکلیفیں برداشت کیں تھیں اس کا عشر عشیر بھی ادا نہیں ہوا۔ لہذا اگر کوئی بیٹا والدین کی خدمت کر رہا ہے تو سعادت مندی سمجھے، یہ خیال نہ کرے کہ میں نے ان کا حق ادا کر دیا اور والدین پر احسان جتائے یا اس خدمت کی وجہ سے ان سے غلط فائدہ اٹھائے۔ زمین جائداد اپنے نام پر کرالے اس طرح لکھوا لینے سے وہ حلال نہیں ہو جائے گا۔ یہ حرام ہے خواہ پھر حج پر حج کرتے رہو، پہلی صف میں نماز پڑھتے رہو، دینداروں کی صورت بنالو مگر حق دبانے کی وجہ سے سخت گنہگار رہو گا اور بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل فرمادیں کیوں کہ فرض فرض ہے، سنت سنت ہے، نفل نفل ہے۔

ابھی میں مجدد الف ثانیؒ کے ملفوظات پڑھ رہا تھا، فرماتے ہیں: ایک آدمی مثلاً دس ہزار روپے خیرات کر رہا ہے لیکن پانچ روپے جو زکوٰۃ کے طور پر فرض ہے وہ ادا نہیں کر رہا ہے تو یہ تارک فرض ہوگا اور دوسرا شخص صرف پانچ روپے زکوٰۃ کی نیت سے دے رہا ہے تو یہ فرض پر عمل کرنے والا شمار ہوگا۔ اور فرض ادا کرنے والے کا درجہ نفل ادا کرنے والے

سے بہت بڑا ہے۔اسی طرح ہر وارث کا شرعی حق ادا کرنا فرض ہے۔ یہ ہمارا اس پر کوئی احسان نہیں ہے۔

فرق مراتب کوملحوظ رکھو:

اس لئے جو شرعی وارث ہیں وہ بھائی ہوں یا بہن، ان کا حصہ پورا پورا ادا کرنا چاہئے۔بعض سمجھدار لوگ اپنے بھائیوں کو تو حق دے دیتے ہیں مگر بہنوں کو نہیں دیتے۔ یہ غلط ہے اور حرام ہے۔ بہن تو قابل رحم ہے۔اسی اعتبار سے کہا گیا ہے کہ تمہارے سامنے بہن آئے گی، بیٹی آئے گی، ماں آئے گی، ہر ایک کے ساتھ الگ الگ برتاؤ کرنا۔ بیٹی آئے تو رحمت کی نگاہ سے دیکھا کرو، بہن آئے تو شفقت کی نگاہ سے دیکھا کرو، بیوی آئے تو حکومت کی نگاہ سے دیکھا کرو، ماں آئے تو اطاعت کی نگاہ سے دیکھو۔ یہ فرق مراتب ہیں۔اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔مگر آج الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔آج حال یہ ہے کہ ماں سامنے آتی ہے تو حکومت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور بیوی سامنے آتی ہے تو اطاعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔تو شریعت نے ہر ایک کا درجہ رکھا ہے۔تو بہن کو محروم کر دینا حرام ہے۔ یہ دوسری قسم کی وصیت ہوئی۔

وصیت کی تیسری قسم:

وصیت کی تیسری قسم وصیت حرام ہے۔جیسے کسی گناہ کا کام کرنے کی وصیت کرنا، کسی کا حق مارنا، کسی کو محروم کر دینا جس کا بیان اوپر ہوا۔کسی بیٹے کو عاق قرار دینا اور عاق قرار دے کر اس کو وراثت سے محروم کر دینا۔مگر یہ مسئلہ ذہن میں رہے کوئی چاہے اس طرح وصیت کرے اور عاق قرار دے کر اس کو محروم قرار دے مگر ہماری اس غلط وصیت

سے شرعاً وہ محروم نہ ہوگا اور اس کا جو شرعی حصہ ہے وہ اس کو مل کر رہے گا۔ مگر ہم ایسی وصیت کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے اور وہ محروم نہ ہوگا۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ وہ نافرمانی کر رہا ہے، والدین کا دل دکھا رہا ہے تو اس کا وبال الگ اور مستقل ہے۔ مگر نافرمانی کرنا وراثت سے محرومی کا سبب نہیں ہے، لہذا ایسی وصیت نہیں کرنی چاہئے، کسی کو میراث سے محروم کرنا اپنے کو جنت سے محروم کرنا ہے۔

ہمارے زمانہ کی حالت کا نقشہ:

لوگوں کے حالات بہت بدل رہے ہیں، خوف خداوندی لوگوں میں کم ہوتا جا رہا ہے۔ ہم دردی، شفقت، صلہ رحمی، حسن سلوک، والدین کی خدمت، بڑوں کا ادب یہ سب جو اخلاق حسنہ تھے ان میں کمی آ رہی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں وہ محبت نہیں ہے جو ہونی چاہئے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ ہمارے زمانہ کی جو حالت ہو رہی ہے کسی شاعر نے اس کا خوب نقشہ کھینچا ہے:

خبر حدیثوں میں جس کی آئی
وہی زمانہ اب آ رہا ہے
زمیں بھی تیور بدل رہی ہے
فلک بھی آنکھیں دکھا رہا ہے
پرائے مال کو اپنا سمجھیں
حرام کو بھی حلال سمجھیں
گناہ کریں اور کمال سمجھیں

بتاؤ دنیا میں کیا رہا ہے
ہوا بھائی کا بھائی رہزن
حقیقی بیٹی ہے ماں کی دشمن
پسر نے چھوڑا پدر کا دامن
بہن کو بھائی ستا رہا ہے
ہاتھ باندھے کھڑے ہیں صف میں
سب اپنے اپنے خیال میں ہیں
امام مسجد سے کوئی پوچھے
نماز کس کو پڑھا رہا ہے

وصیت کی چوتھی قسم، انبیاءؑ کی وصیت:

چوتھی قسم کی وصیت وہ انبیاءؑ کی وصیت ہے اور وہ ہے اپنی اولاد کو دین اسلام پر قائم رہنے کی وصیت کرنا، اور آپس میں مل جل کر رہنا، نمازوں کی پابندی کرنا، آپس میں صلہ رحمی کرنا، دین کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنا اور مسلمان رہ کر زندگی بسر کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ انبیاءؑ کی سنت ہے۔

ہمارے بزرگوں اور اللہ والوں کا یہ دستور رہا ہے، بعض مرتبہ بیٹا بیٹی زندگی بھر ماں باپ کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں لیکن مرتے وقت باپ نے کوئی بات کہہ دی وہ دل پر لگ جاتی ہے، کوئی وصیت کر دی اس کو اختیار کر لیتے ہیں تو بچوں کی زندگی بدل جاتی ہے۔ انبیاءؑ کی وصیت اپنی اولاد کو قرآن میں موجود ہے۔

میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو وصیت فرمائی۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

و عن العرباض بن سارية قال صلّٰى بنا رسول الله ﷺ ذات يوم ثم اقبل علينا بوجهه فوعظنا موعظة بليغة زرفت منها العيون و وجلت منها القلوب فقال رجل يا رسول الله كان هذه موعظة مودع فاوصنا فقال اوصيكم بتقوى الله و السمع و الطاعة وان كان عبداً حبشيا فانه من يعش منكم بعدى فسيرى اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتى و سنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها و عضوا عليها بالنواجذ و اياكم و محدثات الامور فان كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة .

(مشکوۃ شریف:۳۰)

[حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے ہمارے سامنے ایک بلیغ وعظ فرمایا، جس سے آنکھیں بہہ پڑیں اور قلوب دہل گئے، کسی نے کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو گویا الوداع کہنے والے کا وعظ ہے، آپ ہمیں کچھ وصیت کیجئے، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: میں تم کو وصیت کرتا ہوں تقویٰ اختیار کرنے کی، اور امیر کی بات ماننے کی اور فرماں برداری کی اگر چہ تمہارا امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لئے

کہ میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت اختلاف دیکھے گا، پس تم پر لازم ہے کہ تم میری سنتوں کو پکڑے رہو اور خلفاء راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں ان کی سنتوں کو پکڑے رہو، اور مضبوطی سے ان کو تھامے رہو۔]

دوسری ایک روایت میں ہے: **"ترکت فیکم امرین"** اس کو انبیاءؑ کا ترکہ کہتے ہیں۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ۱...... کتاب اللہ ۲...... سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

لن تضلوا ما تمسکتم بهما كتاب الله و سنة رسوله.

(مشکوۃ شریف:۳۱)

اگر تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی بھی میرے بعد گمراہی اور ضلالت میں نہیں پڑو گے۔ یہی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا ترکہ ہوتا ہے، وہ اپنے پیچھے مال و جائیداد چھوڑ کر نہیں جاتے، ان کا ترکہ علم ہوتا ہے۔

انبیاء کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی:

ایک حدیث میں ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا معشر الانبياء لا نورث ما تركنا صدقة

ہم انبیاءؑ کی جماعت کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں اس کا حکم صدقہ کے مانند ہے۔ یعنی اس میں تمام مسلمانوں کا حق ہوتا ہے۔ لہذا ایسے کاموں میں وہ مال استعمال کیا جائے جس سے عام مسلمانوں کو نفع ہو۔ یہ بھی عجیب و غریب امر ہے۔ انبیاءؑ کی شان انتہائی اعلیٰ ہوتی ہے۔ ان کا تعلق ہر وقت اللہ جل جلالہ وعم نوالہ سے ہوتا ہے۔ دنیا اور دنیا کے مال و دولت سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ

اس مال کو اپنا مال بھی نہیں سمجھتے، یہاں تک کہ ان کے ترکہ میں وراثت بھی جاری نہیں ہوتی۔

انبیاءؑ کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی، اس کی حکمتیں:

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ نے سیرت مصطفیٰ میں اور حضرت مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبندیؒ نے مفید الوارثین میں اس پر مفید باتیں تحریر فرمائی ہیں۔ مولانا ادریس صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے:

۱......انبیاءؑ کا مال صدقہ و خیرات ہوتا ہے، اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ خلق خدا کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضرات انبیاءؑ نے دین حق کی دعوت و تبلیغ میں جو کچھ مشقت اٹھائی اور جو کچھ محنت کی وہ سب محض اللہ تعالیٰ کے لئے تھی، اس سے دنیا مطلوب نہ تھی۔ قرآن کا مطالعہ کیجئے، انبیاءؑ کی دعوت کا جہاں تذکرہ آتا ہے وہیں اس کا تذکرہ بھی ملتا ہے، ہر نبی اپنی قوم سے یہی کہتے ہیں:

وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

میں تم سے اس دعوت و تبلیغ پر دنیا کا کوئی اجر اور عوض کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو رب العالمین عطا فرمائیں گے۔ غرض ان کا مقصود و مطلوب دنیا نہیں ہوتی یہاں تک کہ اولاد کو بھی اس میں سے حصہ نہیں ملتا۔

۲......نیز حضرات انبیاء کرام ہر وقت بارگاہ خداوندی میں حاضر اور مقیم رہتے ہیں اور مالک حقیقی کی ملکیت ہر وقت ان کی نظروں کے سامنے رہتی ہے اس

لئے حضرات انبیاءؑ اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک بھی نہیں سمجھتے۔عوام کی نظروں سے مالک حقیقی کی ملکیت چونکہ پوشیدہ ہوتی ہے اس لئے عوام اپنے آپ کو مالک مجازی سمجھتے ہیں مگر انبیاءؑ اپنے کو مالک مجازی بھی نہیں سمجھتے۔جو کچھ ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے اس کو خدا ہی کی ملک تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم خداوند ذوالجلال کے دستر خوان پر بیٹھے ہوئے ہیں، ہم کو اس سے مستفید ہونے کی اجازت ہے مگر ان سب نعمتوں کے مالک حقیقی اللہ عز وجل ہیں۔عوام الناس اس مرتبہ شہود پر نہیں ہوتے۔اللہ نے ان کو اختیار دیا کہ وہ اپنی زندگی میں ہمارے منشا کے مطابق اس مال میں تصرف کریں اور اس کو اللہ کی امانت سمجھتے ہوئے اس میں جائز وصیت کریں اور ان کے مال کا انہی کی اولاد اور رشتہ داروں کو وارث بنایا۔ ہاں ان وارثوں کے حصے اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرمائے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مالک حقیقی ہیں، اسی لئے تو ہمیں اس کی پابندی کرنا ہے اور اللہ کے بتائے قانون کے مطابق وراثت تقسیم کرنا ہے۔بہر حال عوام کا حال الگ ہے اور انبیاءؑ کا معاملہ الگ ہے۔عوام الناس کے مال میں میراث اور وصیت جاری ہوتی ہے اور انبیاءؑ کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی، وہ تمام مسلمانوں پر صدقہ ہوتا ہے۔

۳......انبیاءؑ اپنی امت کے حق میں بمنزلہ روحانی باپ کے ہوتے ہیں، لہذا ان کا مال امت کے تمام افراد کے لئے وقف ہوتا ہے۔خاص ان کی اولاد کے لئے نہیں ہوتا۔وہ سب کے لئے رحمت بن کر آتے ہیں۔صرف اپنی ہی اولاد

کے لئے رحمت نہیں ہوتے۔ لہذا وہ جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں اس کا فائدہ سب کو پہنچتا ہے۔ صرف ان کی ہی اولاد مخصوص نہیں ہوتی۔
(سیرت مصطفیٰ:۲/۲۴۹،مفید الوارثین:ص ۷ تا ۱۲)

انبیاءؑ کا ترکہ علم ہے:

ایک حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

و ان الانبیاء لم یورثوا دینارا و لا درھماً و انما ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر.
(مشکوۃ:۳۴)

[اور بے شک انبیاءؑ وراثت میں درہم اور دینار نہیں چھوڑتے، وہ بے شک وراثت میں علم چھوڑ کر جاتے ہیں، جس نے علم سے جتنا زیادہ حصہ لیا اس نے اتنی زیادہ نبی کی میراث لی۔]

دوسری ایک حدیث میں فرمایا:

عن ابی ھریرۃؓ انہ مر بسوق المدینۃ فوقف علیھا قال : یا اھل السوق ما اعجزکم؟ قالوا: و ما ذاک یا ابا ھریرۃ، قال ذلک میراث رسول اللہ ﷺ یقسم و انتم ھھنا الا تذھبون فتاخذون نصیبکم منہ؟ قالوا: این ھو؟ قال فی المسجد فخرجوا سراعاً ووقف ابو ھریرۃ لھم حتی رجعوا فقال لھم ما لکم؟ قالوا: یا ابا ھریرۃ فقد اتینا المسجد فدخلنا فلم نر فیہ شیئاً یقسم فقال ابو ھریرۃ و ما رأیتم فی المسجد احدا قالوا بلیٰ راینا قوما یصلون و قوما یقرئون القرآن و قوماً یتذاکرون الحلال و الحرام فقال لھم ابو ھریرۃ و یحکم

فذاک میراث محمد صلی اللہ علیہ وسلم.

(مجمع الزوائد:۱/۳۳۱)

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ مدینہ کے بازار سے گزرتے ہوئے ٹھہر گئے، پھر ارشاد فرمایا: اے بازار والو! تمہیں کس چیز نے عاجز بنا دیا ہے؟ لوگوں نے پوچھا: ابو ہریرہ کیا بات ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: تم لوگ یہاں بازار میں بیٹھے ہو اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ کیا تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے اپنا حصہ لینا نہیں چاہتے؟ لوگوں نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کہاں تقسیم ہو رہی ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: مسجد میں۔ یہ سن کر لوگ دوڑے ہوئے مسجد میں گئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ لوگوں کے انتظار میں وہیں ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ لوگ واپس آ گئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے سوال کیا، کیا ہوا؟ کیا بات ہوئی کہ تم لوگ واپس آ گئے؟ انہوں نے عرض کیا، ہم مسجد میں گئے، جب مسجد میں داخل ہوئے تو ہم نے وہاں کوئی چیز تقسیم ہوتی ہوئی نہیں دیکھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے ان سے پوچھا: تم نے مسجد میں کسی کو نہیں دیکھا؟ انہوں نے عرض کیا، جی ہاں ہم نے کچھ لوگوں کو دیکھا وہ نماز پڑھ رہے تھے، اور کچھ لوگ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے، اور کچھ لوگ حلال اور حرام کا مذاکرہ کر رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا، تم پر افسوس ہے یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوبؑ کی وصیت:

تو میرے دوستو! قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی اور حضرت

یعقوبؑ کی وصیت کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَوَصّٰى بِهَا اِبْرٰهِمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ.

[اسی کا حکم کر گئے ہیں حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹوں کو اور اسی طرح یعقوبؑ بھی اپنے بیٹوں کو، اے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس دین اسلام کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے، سوائے میرے بیٹو تم کو موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو، اسلام کی حالت میں تمہاری موت آئے، اس کی کوشش کرو۔]

حضرت ابراہیمؑ کے کتنے بیٹے تھے؟ اس میں مختلف روایات ہیں، بعض کہتے ہیں چار بیٹے تھے، بعض کہتے ہیں سات بیٹے تھے، بعضوں نے کہا چودہ۔ اسی طرح حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے۔ ان دونوں جلیل القدر انبیاءؑ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ اے بیٹو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین اسلام کو منتخب فرمایا، یہ اللہ کا پسندیدہ دین ہے، اس پر عمر بھر کاربند رہنا اور تمہاری موت صرف اسی حالت میں آنی چاہئے کہ تم فرماں برداری کرنے والے ہو، یعنی دین اسلام پر قائم ہوں۔ مقصد یہ تھا کہ موت ایک غیر اختیاری چیز ہے، لہٰذا تمہارا ہر لمحہ ہر ساعت ہر وقت اطاعت خداوندی میں دین اسلام پر گزارنا چاہئے، یعنی ملت اسلامیہ پر قائم و دائم رہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مجھے اور آپ کو اور ہماری اولاد کو ملت اسلامیہ پر قائم و دائم رکھے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے:

من مات علی شیء بعثه الله علیه.

[جو شخص جس عقیدہ پر مرے گا اسی پر قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔]

اس سے آگے کی آیت میں حضرت یعقوبؑ کی وصیت کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ﴾ [کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوبؑ کی موت کا وقت آیا تو فرمانے لگے] ﴿اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ﴾ [حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے پوچھا بتاؤ تم سب میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟] ﴿قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَائِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. ﴾ (البقرۃ:۱۳۲،۱۳۳) [تو بیٹوں نے کہا: ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی اور آپ کے آباء واجداد حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کے معبود کی۔ وہی ایک معبود ہے، اور ہم اسی کی اطاعت کریں گے۔]

دوسری بات یہ بھی علماء نے بیان کی ہے، جس سے حضرت یعقوبؑ کو اپنی اولاد کے ایمان کی کتنی فکر تھی اس کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو اپنے لخت جگر حضرت یوسفؑ کی جدائی کے بعد یوسفؑ کے زندہ سلامت مصر میں موجود ہونے کا علم چالیس سال کے بعد ہوا۔ جب علم ہوا تو ان کے متعلق پوچھا کہ یوسف کس حال میں ہے؟ بتایا کہ وہ تو مصر میں ہے اور وزیر خزانہ بنے ہوئے ہیں۔ فرمایا میں یہ نہیں پوچھتا، میں تو یہ پوچھتا ہوں ایمان پر ہے یا نہیں؟ فکر ہے تو صرف ایمان کی ہے۔ تو اپنی اولاد کے دین کی فکر کرنا یہ سنت ہے انبیاءؑ کی۔ یہ وصیت سنت ہے۔ نہ معلوم کون سی بات دل کو لگ جائے اور کایا پلٹ جائے۔

ترکہ میں احتیاط کا ایک عجیب واقعہ:

حضرت حمادؒ ایک بزرگ ہیں، وہ اپنے دوست کے گھر گئے، دوست کی حالت بہت نازک تھی، نزع کی حالت تھی۔ ان کے سرہانے بیٹھ گئے، ان کو تسلی دے رہے تھے، تھوڑی دیر میں روح پرواز کرگئی۔ ان کا انتقال ہوگیا۔ انہوں نے اپنے دوست کی آنکھیں بند کیں، ان کے ہاتھ پاؤں سیدھے کئے۔ پھر فرمایا چراغ بجھادو۔ حاضرین نے بات نہ سنی تو حضرت حمادؒ خود کھڑے ہوئے اور چراغ بجھا دیا اور فرمایا جب تک یہ زندہ تھا یہ تیل اس کا تھا اور جب اس کی روح پرواز کرگئی تو اب یہ تیل اس کے ورثاء کا ہوگیا۔ اب اس تیل کا استعمال کرنا ہمارے لئے درست نہیں۔ ہمارے اکابرین میں ایسا تقویٰ تھا۔ آج کل تو ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' پورا کا پورا ورثہ کھا جاتے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لیتے اور اپنے کو سمجھتے ہیں کہ ہم سے زیادہ کوئی متقی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اچھی سمجھ عطا فرماوے اور میراث کے مسائل کے متعلق عمل کرنے کی مکمل توفیق عطا فرماوے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

۱۰

وصیت کی اہمیت اور ترکہ کی تقسیم

(قسط دوم)

اسی طرح اگر کوئی شخص صاحبِ مال ہے اور وہ اپنے انتقال سے پہلے کسی کارخیر میں وصیت کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً کسی مسجد میں یا مدرسہ میں یا کسی اور صدقۂ جاریہ کے کام میں مال دینا چاہتا ہے، تو شریعت نے اس کو حق دیا ہے کہ اپنے کل مال میں سے تیسرے حصے کی وصیت کرسکتا ہے، اس سے زیادہ کی نہیں۔ حدیث میں ہے، حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بہت سخت بیمار ہو گئے حتی کہ ان کو اپنی زندگی کی امید نہ رہی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں اس موقعہ پر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میری حالت دیکھ رہے ہیں، الحمد للہ میں صاحبِ مال ہوں، اللہ نے بہت مال دیا ہے۔ اور میری صرف ایک بیٹی میری وارث ہے، کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت کردوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، کچھ کم کرو۔ میں نے کہا: دو تہائی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ "فقال لا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا: نصف مال کی کروں یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم؟ "فقال لا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ "قلت فالثلث یا رسول الله" تیسرے حصہ کی وصیت کردوں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الثلث و الثلث کثیر" ہاں مال کے تیسرے حصے کی وصیت کرسکتے ہو اور تیسرا حصہ بھی زیادہ ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرھم عالة یتکففون الناس.

[تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو غریب چھوڑ دو اور وہ تمہارے بعد لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے رہیں۔]

﴿ ۱۰ ﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وصیت کی اہمیت اور ترکہ کی تقسیم

(قسط دوم)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیۡعَنَا وَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً کَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ!

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ o بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡھِکُمۡ اَمۡوَالُکُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ. وَاَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ فَیَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ. وَلَنۡ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا وَاللّٰہُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ. (المنافقون: ۹، ۱۰، ۱۱)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

ترکہ (میراث) کی تقسیم میں عجلت مناسب ہے:

بزرگان محترم! گذشتہ کل وصیت کے بارے میں کچھ باتیں عرض کی تھیں۔آج ایک دوسرے مضمون کا ارادہ ہے لیکن کچھ دوستوں نے وصیت کے بارے میں ایک دو سوال کئے تھے اس لئے اس کے متعلق ایک اہم بات عرض کرتا ہوں۔انہوں نے سوال کیا تھا کہ ورثہ (مراث کا مال) فوراً تقسیم کردینا چاہئے یا کچھ تاخیر بھی ہوسکتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حقوق العباد کا معاملہ ہے اور حقوق العباد میں جس قدر ہوسکے حقداروں کو حق جلد سے جلد ادا کردینا چاہئے۔

لہذا اگر تقسیم کرنے میں کوئی حقیقی رکاوٹ نہ ہو اور آسانی سے ترکہ تقسیم کرسکتے ہوں تو فوراً ترکہ تقسیم کردینا چاہئے۔بعض لوگ اگر طعنہ دیں کہ بس والد صاحب کے انتقال کا گویا انتظار تھا، ابھی ابھی کل پرسوں ہی تو والد کا انتقال ہوا ہے، ابھی تو باپ کی مٹی سوکھی بھی نہیں اور اولاد (وارثوں) کو مال کی پڑی ہے تو ایسے لوگوں کی بات کی طرف دھیان نہ دیا جائے۔لوگوں کو جو کہنا ہو کہتے رہیں، ہمیں تو اپنی آخرت سامنے رکھنا ہے اس لئے کہ ترکہ کی تقسیم میں عجلت کرنا شرعاً مذموم نہیں بلکہ مطلوب ہے تاکہ حقداروں کو ان کا حق جلد مل جائے۔

تقسیم ترکہ میں رکاوٹ:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مکان کی تقسیم فوراً کرنا مشکل ہوتا ہے، کچھ قانونی رکاوٹیں ہوتی ہیں یا کچھ بھائی بہن چھوٹے ہوتے ہیں، والدہ کا بھی سوال اٹھتا ہے کہ اگر فوراً مکان بھی تقسیم کردیا جائے تو والدہ کہاں جائیں گی؟ ان کے حصہ میں جو آتا ہے وہ ان کے رہنے

کے لئے ناکافی ہوتا ہے تو ایسی صورت میں جو جو اشیاء بآسانی تقسیم کر سکتے ہوں ان چیزوں کو تقسیم کر دیں اور مکان اور زمین کی تقسیم کی صورت پر غور وفکر کرتے رہیں، کوئی تدبیر نکالنے کی کوشش کریں اور جب کوئی مناسب تدبیر سمجھ میں آجائے تو فوراً اس پر عمل کر لیا جائے۔

والدہ کے نان ونفقہ، سکنیٰ کا حکم:

یہاں ایک بات اور سمجھ لیں کہ اگر والدہ کے پاس اپنا ذاتی مکان نہ ہو اور اتنے پیسے بھی نہ ہوں جس سے وہ اپنے رہنے کا انتظام کر سکیں تو ایسی صورت میں ان کے نان و نفقہ و سکنیٰ کی ذمہ داری ان کے بچوں پر آتی ہے۔ لہذا ایسی صورت میں بالغ اولاد کو ایسی کوئی تدبیر کرنا چاہئے کہ والدہ کا حق بھی ادا ہوتا رہے اور ان کو نفقہ و سکنیٰ کی فکر نہ رہے۔ اگر فوراً مکان تقسیم کیا جائے تو والدہ کہاں جائیں گی؟ کیا روڈ پر رہیں گی؟ اس لئے اس کا بھی خیال کیا جائے اور کوئی تدبیر کی جائے۔ مثال کے طور پر ایک تدبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر اللہ نے کسی بیٹے کو صاحبِ مال بنایا ہو اور وہ مکان خرید کر دوسرے ضرورت مند وارثوں کا حق ادا کر سکتا ہو تو سب کے مشورہ سے وہ اسی مکان کو خرید لے اور ضرورت مند وارثوں کا حق ادا کر دے اور والدہ کو وہ مکان رہنے کے لئے دے دے یا خود جس مکان میں رہتا ہو وہاں والدہ کو بھی اپنے ساتھ رکھ لے۔ بہر حال ترکہ تقسیم میں جلدی کرنا بھی ضروری ہے اور ان صورتوں کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے۔

اپنا حصہ دوسرے وارثوں کو دے دینا:

ایک سوال یہ تھا کہ کوئی بیٹا صاحبِ مال ہو اور وہ اپنا حصہ اپنے بھائی بہنوں کو

دے دے تو اس طرح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ہاں ایسا ہوسکتا ہے، البتہ اس میں کسی تجربہ کار عالم یا مفتی سے مشورہ کرلیا جائے کہ کس طرح کرے؟ اگر صرف اتنا کہے کہ مجھے اپنا حصہ نہیں لینا ہے، صرف اتنا کہنے سے اس کا حق ختم نہیں ہوتا۔ ہاں یوں کہے کہ میں نے اپنا حصہ فلاں فلاں کو دے دیا، وہ میرے حصہ کو آپس میں تقسیم کرلیں، تو یہ صحیح ہے۔ فتاویٰ رحیمیہ جلد اول کے مقدمہ میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے۔

بہنوں کی خاموشی کا ناجائز فائدہ:

ایک سوال یہ تھا کہ والد صاحب کے انتقال کے بعد بھائی لوگ مکان پر قابض رہتے ہیں۔ مکان، دوکان، جائیداد سب ان کے پاس ہوتی ہے، بہنوں کی شادی ہوجاتی ہے اور وہ اپنے گھر ہوتی ہیں، وہ خاموش رہتی ہیں، نہ مانگتی ہیں نہ صراحۃً معاف کرتی ہیں تو ایسی صورت میں ان کی خاموشی سے کیا سمجھا جائے؟ اگر وہ معاف بھی کردیں تو ان کے معاف کرنے کا کیا حکم ہوگا؟

دوستو! اس میں بالکل صاف بات یہ ہے کہ باپ کی کل جائیداد میں بہنوں کا حق یقیناً ہے اور ان کا حق ادا کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ ان کی خاموشی کی وجہ سے ہم یہ سمجھ لیں کہ ان کو اپنا حصہ نہیں چاہئے، انہوں نے تو معاف کردیا، یقیناً ہمارا یہ سمجھنا غلط ہوگا۔ جہاں تک حالات کا مجھے علم ہے اور جو واقعات میرے علم میں ہیں ان کی روشنی میں بالکل صاف بات عرض کرتا ہوں کہ وہ بہنیں اپنا حق معاف کردینے کی وجہ سے خاموش نہیں ہیں۔ بلکہ صرف اس وجہ سے خاموش رہتی ہیں کہ اگر ہم حصہ مانگیں گی تو بھائی ناراض ہوجائیں گے، ابھی تو ہمارے مرحوم والد صاحب ہی کا مکان ہے اس نسبت سے بھائی

کے یہاں آنا جانا رہتا ہے، اگر میں حصہ مانگوں گی تو اس گھر میں آنا جانا بھی بند ہو جائے گا۔ اس ڈر سے وہ خاموش رہتی ہیں۔ لہذا بھائیوں کو آخرت سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا ہوگا کہ بہنوں کی خاموشی کیوں ہے؟ اور اللہ کا خوف پیدا کر کے آخرت کی جواب دہی کا خیال کر کے اس کا جواب تلاش کریں اور بہنوں کی خاموشی سے غلط فائدہ نہ اٹھائیں۔

ہاں! اگر بہن صاحبِ مال ہے اور وہ اپنے گھر خوش حال ہے اور بھائی غریب ہے، صاحبِ عیال ہے اور بہن دل سے اپنا حصہ صراحۃً اپنے بھائی کو، ایک کو یا دو کو یا جن کو دینا ہو اس کو دے دے تو یہ جائز ہے۔ بہر حال ہر جگہ خاموشی اجازت نہیں ہو سکتی، زبان سے اجازت ہو اور دل سے بھی راضی ہو تو اور بات ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (سورۂ نساء: ۲۹)

[اے ایمان والو! باطل طریقہ سے کسی کا مال مت کھاؤ۔]

باطل طریقہ سے کسی کا مال کھانا جائز نہیں۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا يحل مال امرء مسلم الا بطيب نفس منه.

[کسی مسلمان کا مال کسی کے لئے حلال نہیں ہے جب تک کہ زبانی اجازت کے ساتھ ساتھ دل کی خوشی سے نہ ہو۔]

لہذا اگر کسی وارث نے دل سے اپنا حصہ معاف کر دیا اور اپنے دوسرے بھائی بہنوں کو دے دیا تو جائز ہے اور درست ہے، ورنہ حق ادا کر دینا چاہئے۔

حصہ لے لو تو فتویٰ ہے نہ لو تو تقویٰ ہے:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے والد صاحب کا انتقال ہوا، ان کا کافی ترکہ تھا۔ حضرت تھانویؒ کا دل چاہتا تھا کہ اپنا حصہ اپنے والد صاحب کے دوسرے ورثاء کو دے دیں تو حضرت تھانویؒ نے حضرت گنگوہیؒ کو لکھا کہ حضرت! میرا دل لینے کو نہیں چاہتا ہے، تو حضرت گنگوہیؒ نے لکھا ''لینا چاہو تو فتویٰ ہے اور نہ لینا چاہو تو تقویٰ ہے۔'' خلاصہ یہ کہ اپنی خوشی سے چھوڑ دے تو جائز ہے۔ لیکن چونکہ آج کل فتنہ عام ہے، کہیں آگے چل کر اولاد در اولاد میں جنگ وقتل وقتال وفساد شروع نہ ہو جائے اس لئے دو گواہوں کی دستخط کے ساتھ لکھوا بھی لے۔

آپس کی رضامندی سے ترکہ کی تقسیم:

آپس میں میل محبت سے معاملہ نمٹانے کی کوشش کریں، آپس میں ایک دوسرے کی ہمدردی کا جذبہ ہو اور محبت ہو اور آپس کی رضامندی سے اس طرح ترکہ تقسیم کریں کہ کوئی بیٹا مکان لینے پر راضی ہو گیا، کوئی دوکان لینے پر رضامند ہو گیا، کوئی بہن کیش رقم لینے پر تیار ہو گئی، اور آپس میں صلح کر لی اور کمی زیادتی کو ایک دوسرے کو معاف کر دیا تو یہ بھی درست ہے۔ آپس میں محبت باقی رہے اس کا خوب خیال رکھا جائے، مال تو فانی چیز ہے۔ مال پر آپس کی محبت اور صلہ رحمی اور آپس کے تعلقات کو قربان نہ کیا جائے۔

لہذا بہ طیب نفس، اپنی پوری خوشی سے ہر ایک کچھ کم وبیش لے کر اپنے حق سے دست برداری اختیار کرے اور آپس میں محبت سے رہنے کو ترجیح دیں تو بہت اعلیٰ درجہ کی بات ہے۔ کبھی ایک چھوٹی سی چیز پر آپس میں جھگڑوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور وہ

ایسا لمبا ہو جاتا ہے کہ پورے خاندان کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ یہ بہت غلط ہے، چوکنا رہیں، ہوش اور سمجھ سے کام لیں۔ دنیا کے مٹی کے گھر کے خاطر اپنی جنت اور دنیا کی آپس کی محبت اور صلہ رحمی کو قربان نہ کریں۔

عبرت ناک واقعہ:

بڑی عبرت کا واقعہ ہے، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے کہ دو بھائی تھے، والد مرحوم کا مکان آپس میں بڑی محبت سے تقسیم کرلیا۔ دو مکانوں کے درمیان ایک درخت تھا اس درخت کے بارے میں دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔ ایک کہتا ہے میں اس کا حقدار ہوں، دوسرا کہتا ہے میں اس کا حقدار ہوں۔ بالآخر کورٹ میں کیس گیا۔ سالوں تک کیس چلتا رہا۔ بالآخر جج نے یہ فیصلہ دیا کہ درخت کو کاٹ کر دونوں آدھا آدھا تقسیم کرلو۔ اس مقدمہ بازی کا انجام یہ ہوا کہ جتنا مال ترکہ میں ملا تھا وہ سب وکیلوں کی فیس میں ختم ہو گیا۔ اور اخیر میں وہ ہوا جو شروع میں آسانی سے کر سکتے تھے، اگر صلح صفائی کے ساتھ معاملہ طے کر لیتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ اس لئے آپس میں مل سمجھ کر معاملہ سلجھانا چاہیے۔ ضد پر آ کر معاملہ کو خراب نہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اچھی سمجھ عطا فرمائے، آپس میں محبت اور ہمدردی کا جذبہ عطا فرمائے۔ آمین

وصیت نامہ تیار کر لینا چاہیے:

بہر حال کل وصیت کے بارے میں کچھ عرض کیا تھا۔ ہمارے اس ملک کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی زندگی ہی میں اپنا وصیت نامہ تیار کر لینا چاہیے اور اپنے ورثاء کو اس میں واضح کر دینا چاہیے اور لکھ دینا چاہیے کہ میرے انتقال کے بعد میرے ان

ورثاء کو اسلام کے قانون کے مطابق حصہ دیا جائے تا کہ انتقال کے بعد ہر وارث کو اپنا شرعی حصہ آسانی سے مل جائے۔

وارث کے لئے وصیت معتبر نہیں:

وصیت کے سلسلہ میں ایک بات یہ بھی ذہن میں رہے کہ انتقال کے بعد جو رشتہ دار مثلاً ماں باپ، بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، بہن بھائی، بھتیجہ جو جو وارث بن سکتا ہو ایسے وارث کے لئے اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں موت سے قبل وصیت کرے اور دوسرے ورثاء کو نظر انداز کرے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

ان اللہ قد اعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصية لوارث.

[کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کا حق دے دیا ہے، یعنی اس کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ لہذا اب وصیت وارث کے لئے نہیں ہے۔]

اس کو اس کا مقررہ حصہ ملے گا۔ ہاں البتہ دوسرے ورثاء سب بالغ ہوں، عاقل ہوں اور وہ اپنے مرحوم رشتہ دار کی وصیت پر عمل کر کے کسی وارث کو زیادہ دینا چاہیں تو پھر وصیت کے مطابق عمل ہوسکتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

لا وصية لوارثٍ الا ان يشاء الورثة.

(مشکوۃ شریف: ص ۲۰۶)

[وارث کے لئے وصیت نہیں ہے مگر یہ کہ ورثاء چاہیں۔]

کارِ خیر میں وصیت کا حکم:

اسی طرح اگر کوئی شخص صاحبِ مال ہے اور وہ اپنے انتقال سے پہلے کسی کارِ خیر

میں وصیت کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً کسی مسجد میں یا مدرسہ میں یا کسی اور صدقۂ جاریہ کے کام میں مال دینا چاہتا ہے، تو شریعت نے اس کو حق دیا ہے کہ اپنے کل مال میں سے تیسرے حصے کی وصیت کرسکتا ہے، اس سے زیادہ کی نہیں۔ حدیث میں ہے، حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بہت سخت بیمار ہوگئے حتی کہ ان کو اپنی زندگی کی امید نہ رہی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں اس موقعہ پر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ میری حالت دیکھ رہے ہیں، الحمد للہ میں صاحبِ مال ہوں، اللہ نے بہت مال دیا ہے۔ اور میری صرف ایک بیٹی میری وارث ہے، کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت کر دوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، کچھ کم کرو۔ میں نے کہا: دو تہائی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ "فقال لا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا: نصف مال کی کروں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ "فقال لا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ "قلت فالثلث یا رسول الله" تیسرے حصہ کی وصیت کر دوں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الثلث و الثلث کثیر" ہاں مال کے تیسرے حصے کی وصیت کر سکتے ہو اور تیسرا حصہ بھی زیادہ ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرھم عالة یتکففون الناس.

(مشکوۃ شریف: ص ۲۶۵، ریاض الصالحین: ص ۷)

[تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو غریب چھوڑ دو اور وہ تمہارے بعد لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے رہیں۔]

لہذا اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس کے ورثاء اچھی حالت میں ہیں اور وہ اپنے لئے کچھ وصیت کرنا چاہتا ہے تو اپنے مال کے تیسرے حصہ میں وصیت کرسکتا ہے۔ دیکھو! کل عرض کیا تھا کہ بعض مرتبہ ایک مسلمان بھائی ساٹھ سال تک اللہ کی اطاعت کرتا ہے مگر اخیر عمر میں وصیت میں الٹا سیدھا کر دیتا ہے، کسی وارث کو محروم کر دیتا ہے تو اپنے اس غلط عمل کی وجہ سے جنت سے محروم ہو جاتا ہے۔

لہذا اپنا معاملہ بالکل صاف رکھو، اپنے ورثاء کو بھی دیکھو اور اپنی آخرت کو بھی نہ بھولو۔ قرآن پاک کے احکام بھی نہ چھوڑو اور فرمانِ الٰہی کو بھی فراموش نہ کرو، مال کو اللہ کی امانت سمجھو، اللہ کی تقسیم پر راضی رہو تو ان شاء اللہ، اللہ راضی ہو جائیں گے اور ہم کامیاب ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

موت کے وقت تمنا کرے گا:

دوستو! آج جو آیت تلاوت فرمائی ہے اس کی تفسیر میں رئیس المفسرین، ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس آدمی نے کسی کا مال لیا ہے اور اس کو واپس نہیں کیا ہے، یا کسی پر زکوٰۃ فرض تھی اس نے ادا نہیں کی، یا کسی پر حج فرض تھا اور اس نے حج ادا نہیں کیا تو وہ شخص موت کے وقت یہ تمنا کرے گا کہ اے اللہ! میری زندگی تھوڑی اور بڑھا دی جائے تاکہ میں حج کرلوں، زکوٰۃ ادا کردوں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس بات کی تائید میں یہ آیت پیش فرمائی:

حَتّٰی اِذَا جَاءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ . لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا . (سورۂ مؤمنون: ۹۹)

کہ جب موت کا وقت قریب ہوگا تو تمنا کرے گا کہ مجھے دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تا کہ میں اچھے اعمال کر کے آؤں۔لیکن اس کو ہرگز مہلت نہیں ملے گی۔

تو کسی نے سوال کیا کہ یہ آیت تو کافر کے بارے میں ہے، مسلمانوں کے بارے میں نہیں ہے کہ کافر اس بات کی تمنا کرے گا۔تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: اچھا، اگر یہ آیت کافروں کے بارے میں ہے تو میں تم کو وہ آیت پڑھ کر سناتا ہوں جو ایمان والوں کے بارے میں ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

یٰـاَیُّهَا الَّـذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ. (المنافقون: ۹)

[اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ بنا دے۔اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ لوگ خسارے میں ہیں۔]

آج انسان اپنی اولاد کے لئے بے قرار ہو رہا ہے اور ان کی محبت کی وجہ سے پتہ نہیں کس کس گناہ میں پڑ رہا ہے۔اللہ تعالیٰ اسی پر بندوں کو متنبہ فرما رہے ہیں کہ دیکھو تمہاری اولاد اور تمہارے اموال تم کو اللہ سے غفلت میں نہ ڈالیں۔اللہ کو یاد کرو اور ان کی محبت میں آکر اپنی آخرت کو برباد نہ کرو۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿وَاَنْـفِـقُـوْا مِـنْ مَّـا رَزَقْنٰـكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَـدَكُـمُ الْمَوْتُ﴾ [ہم نے تم کو جو کچھ دیا ہے اسمیں سے خیرات کرلو، اس سے پہلے پہلے خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آجائے، پھر وہ تمنا کرنے لگے] ﴿فَیَقُوْلَ رَبِّ﴾ [اور کہے:] ﴿لَوْلَا اَخَّرْتَنِیْ اِلٰی اَجَلٍ قَرِیْبٍ﴾ [اے اللہ مجھے

تھوڑے دنوں کی مہلت دے دے۔ ﴿فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ. ﴾ [خوب خیرات کر کے میں صالحین میں سے ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ﴾ (المنافقون:۱۰،۱۱) [کہ جب کسی جاندار کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز ایک گھڑی کی بھی مہلت نہیں دیا کرتے۔]

مرض الموت میں وصیت:

فقہ کی کتابیں اٹھا کر دیکھو، اگر کسی کی سکرات چل رہی ہو اور اس وقت وہ وصیت کرے تو اس کی وہ وصیت بھی قبول نہیں ہوتی ہے۔ اس سے پہلے پہلے وصیت کر لو کیوں کہ حالتِ سکرات کی وصیت بھی قابل عمل نہیں ہوتی۔ لہذا اس گھڑی کے آنے سے پہلے پہلے اپنے مال میں سے جائز وصیت جو کرنا ہے کر لو۔

پرائے مال سے محبت:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ کیا کوئی ایسا آدمی ہے جو پرائے مال سے محبت کرتا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: پرائے مال سے کون محبت کرے گا؟ انسان تو اپنے مال سے محبت کرتا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارا مال تو وہی ہے جو تم نے آگے بھیج دیا یا استعمال کر لیا۔ موت کے وقت جو تم چھوڑ و گے وہ تو دوسروں کا ہے۔ (بخاری شریف، مشکوٰۃ)

آج کا دور:

لیکن دوستو! آج کل کا دور ایسا ہے اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ میرے

والد صاحب فرمایا کرتے ہیں کہ قیامت کے دن نفسی نفسی کا عالم ہوگا ہی لیکن آج کا دور بھی ایسا ہے کہ یہیں دنیا میں بھی نفسی نفسی کا عالم ہے۔ ''شیخ اپنی اپنی دیکھ'' والا معاملہ ہے۔ اولاد کو اللہ تعالیٰ ایسی نیک بنادے کہ کم از کم ہمارے لئے کچھ خیر خیرات کرے یا کم از کم تین تین مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر بخش دے اور کبھی کبھی ہماری قبر پر آ کر فاتحہ پڑھ دے، ورنہ باپ کو دفن کیا اور اس کے بعد چند دن روئے اور کچھ ایصال ثواب اور دعا کی پھر ختم۔ اب کون باپ ہے اور کون دادا؟ اپنے کاموں سے فرصت ہی نہیں۔ آج کل تو یہ حالت ہے کہ بعض لوگ رسماً کچھ کر لیتے ہیں، چالیسواں کر لیا، ڈر ہے اگر نہیں کریں گے تو لوگوں کے طعنے سننے پڑیں گے کہ دیکھو! باپ مر گیا اس نے زیارت بھی نہیں کی، چالیسواں بھی نہیں کیا۔ پہلے میں نے آپ کو یہ مسئلہ بتایا ہے کہ یہ تیجہ زیارت چالیسواں اور برسی سب رسومات و بدعات ہیں اور چالیسواں صرف رسم ہے اور اگر یہ مرحوم کے مال سے ہو رہا ہے اور مرحوم کے ورثاء میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں تو پھر یہ چالیسواں کا کھانا کھلانا بھی بالکل جائز نہیں۔ یہ تو ورثاء کا مال ہے اور نابالغ یتیموں کا مال ہے اور یتیموں کا مال کھانا کتنا بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْراً. (سورۂ نساء: ۱۰)

[بلا شک وشبہ جو لوگ بغیر کسی حق شرعی کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور وہ عنقریب دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔]

اس لئے اس سے بچنا چاہئے۔مگر حالت یہ ہے کہ ناواقف لوگوں کو آخرت کی پکڑ سے بچانے کی غرض سے اگر کسی نے یہ مسئلہ بتایا تو کہہ دیا کہ یہ تو وہابی ہے، خیر جو کہنا ہو کہہ لیں مسئلہ تو یہی ہے۔

چالیسواں:

بعض جگہ تو تیجہ اور چالیسواں کی رسم لوگوں کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے۔ اس کے لئے قرض لیتے ہیں اور پتہ نہیں کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔لوگ انتظار ہی میں گویا رہتے ہیں کہ کب کسی کی میت پڑے اور ہمارا پیٹ بھرے۔جیسے ہی انتقال ہو گیا تو رشتہ دار آ کر بیٹھ گئے ۔ایک دن ہوا، دو دن ہوئے، جاتے ہی نہیں۔کیا ہوا بھائی کہ جانے کا نام ہی نہیں لیتے۔کسی طرح اشاروں میں کہا گیا تو جواب ملتا ہے کہ چالیسواں کھا کر جائیں گے،بس اب پڑے ہوئے ہیں اسی حالت پر ایک لطیفہ ذہن میں آیا جو عرض کر دیتا ہوں۔

ایک لطیفہ:

ایک میاں بیوی تھے، گذارے کے لئے ایک بکری پال رکھی تھی مگر ایک بکری سے کیا ہوتا، کچھ قرض لینا پڑتا، یہاں تک کہ قرض بہت بڑھ گیا اور اب کوئی قرض بھی دینے کے لئے تیار نہ ہوتا۔فاقہ پر فاقہ ہونے لگے۔انہوں نے سوچا کہ اب کیا کریں۔ مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ یہ بکری بیچ دو، جو قیمت آئے گی دو مہینے تو گذران چلے گا۔تو انہوں نے بکری کو بازار میں لیجا کر بیچ دی۔اس کی قیمت پر گذران چلتا رہا حتی کہ اس کی قیمت بھی ختم ہوگئی اور گھر میں پھر فاقہ ہونے لگا۔میاں نے کہا کہ ایک تدبیر سمجھ میں آئی کہ چلو اس گاؤں میں جائیں جہاں بکری بیچی تھی۔وہاں گئے،خریدار نے پوچھا کیوں بھائی

خیریت تو ہے؟ کہنے لگے ہاں خیریت تو ہے مگراس بکری کو بڑی محبت سے بچے کی طرح پالا تھااس کی یاد آنے لگی اس لئے اس کی زیارت کے لئے آ گئے، بکری کی زیارت کی۔ مالک مکان نے کہا آپ اتنی دور سے آئے ہوتو کھانا کھا کر جاؤ۔دعوت کھا کر چلے گئے۔ پھر فاقے آنے لگے،سوچا کہ چلو پھر بکری کی زیارت کے لئے جائیں۔گئے اور دعوت کھا کر واپس آ گئے۔ پھر کچھ دن کے بعد پھر پہنچ گئے تو بکری والے نے کہا کہ بکری تو بہت مہنگی پڑی۔اب مالک نے نوکر سے کہا کہ آئندہ جب یہ میاں بیوی آئیں تو بکری کو چھپا دینا۔چنانچہ کچھ دنوں کے بعد جب نوکر نے ان دونوں کو آتے ہوئے دیکھا تو اس بکری کو چھپا دیا۔وہ دونوں آئے،السلام علیکم وعلیکم السلام، کیوں بھائی خیریت تو ہے؟ کہا کہ بکری کی یاد بہت آرہی تھی۔انہوں نے کہا بکری تو مرگئی۔انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے اب تو یہیں رہنا پڑے گا،چالیسواں کر کے جائیں گے۔

ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کرنے میں جلدی کرو:

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ دفن سے پہلے ہی دن ایصال ثواب شروع ہو جاتا،تین دن تک کیوں مؤخر کیا جاتا ہے،خدانہ خواستہ اگر مردہ عذاب میں مبتلا ہے تو تین دن تک وہ عذاب میں گرفتار رہے گا۔گویا ہم اپنے تیجہ سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے مردے کو عذاب ہوتو ہو ہم تو تین دن کے بعد ہی ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کریں گے۔چاہے ہم یہ بات زبان سے نہ کہیں مگر ہمارے عمل سے یہ ثابت ہورہا ہے اور یہ کتنا غلط ہے،اس کا فیصلہ آپ خود کرسکتے ہو۔آپ کے بیٹے کو کسی وجہ سے پولیس پکڑ کر لے جائے تو آپ ابھی سے اس کو چھڑانے کی فکر کرتے ہو یا تین دن کے بعد؟ ظاہر ہے

فوراً ہی کوشش کرتے ہیں۔تو اپنے مرحوم کو عذاب الٰہی سے چھڑانے کے لئے تین دن کا انتظار کیوں؟ سوچو، لہذا اگر اللہ نے دیا ہے تو ابھی سے صدقہ خیرات اور ایصال ثواب شروع کردو تاکہ مرحوم کو فائدہ پہنچنا شروع ہو جائے۔سنت طریقہ کے مطابق اور اخلاص کے ساتھ اگر مرحوم کو ایصال ثواب کیا جائے تو اس سے مردوں کو بڑا فائدہ پہنچتا ہے اور مردوں کو اس کا انتظار بھی رہتا ہے۔

قبر میں مردہ کی حالت:

چنانچہ ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **”ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث“** [مردہ قبر میں اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو پانی میں ڈوب رہا ہو اور وہ اس بات کا منتظر ہو کہ کوئی شخص وہاں پہنچ جائے اور اسے ڈوبنے سے بچالے۔] مردہ کی حالت بھی بالکل اسی طرح ہوتی ہے۔ **”ینتظر دعوة تلحقه من اب او ام او اخ او صدیق“** [مردہ انتظار میں رہتا ہے کہ اس کا باپ یا اس کی ماں یا اس کا بھائی یا اس کا دوست اس کے لئے دعاء مغفرت کرے۔] **”فاذا لحقته کان احب الیه من الدنیا و ما فیها“** [چنانچہ جب کوئی بھی مردہ کے لئے دعا کرتا ہے اور یہ دعا اس کے پاس پہنچتی ہے تو یہ دعا اس کے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے] **”و ان اللہ تعالیٰ لیدخل علیٰ اهل القبور من دعاء اهل الارض امثال الجبال (من الرحمة و الغفران)“** [اور اللہ تعالیٰ دنیا والوں کی دعا کے سبب اہل قبور پر پہاڑوں کے برابر اجر و ثواب، رحمت و غفران پہنچاتا ہے۔] **”و ان هدیة الاحیاء الی الاموات الاستغفار لهم“** [اور زندہ لوگوں کا تحفہ مردوں کے لئے یہ ہے کہ وہ مرحومین کے

لئے دعائے مغفرت کریں۔]

(مشکوٰۃ شریف:ص ۲۰۶)

تو دوستو! ہماری دعاءِ مغفرت بے کار اور رائیگاں نہیں جاتی، اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں میں جس قدر اخلاص ہوتا ہے اسی قدر پہاڑوں کے برابر ان پر رحمتیں نازل کرتا ہے۔اس لئے جس قدر ہو سکے ہم اپنے مرحوم والدین کے لئے، رشتہ داروں کے لئے، اساتذہ کے لئے، اپنے متعلقین دوست واحباب کے لئے اور پوری امت کے لئے دعاءِ مغفرت کرتے رہیں۔یہی ہمارا ان کے لئے تحفہ ہے، ہم ان کے لئے بس یہی تحفہ بھیج سکتے ہیں۔اسی طرح ہو سکے تو کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کریں،صدقہ خیرات کر کے ایصال ثواب کریں، ان کی طرف سے حج بدل کریں، ان کی طرف سے قربانی کریں۔کنواں کھدوادیں، جہاں پانی کی ضرورت ہو پانی کا انتظام کروا دیں۔ایک حدیث میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کنواں کھدوایا تو جو جاندار بھی اس سے پانی پیئے گا اللہ تعالیٰ کنواں کھدوانے والے کو قیامت تک اس کا اجر عنایت فرمائیں گے۔اسی طرح کسی جگہ درخت لگوادے،اس سے مسافروں کو سایہ بھی ملے گا اور پھل بھی ملے گا۔ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی مسلمان نے پھلدار درخت لگایا اور اس درخت میں سے کسی آدمی یا جانور نے کچھ کھایا تو یہ سب قیامت تک صدقہ ہے۔اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لئے یہ عمل کر سکتے ہیں۔دینی کتابیں خرید کر لوگوں میں تقسیم کریں، دینی کتابیں چھپوادیں،کوئی حافظ بن رہا ہے اس کو قرآن شریف دے دیں وغیرہ، بہت سارے اعمال ہیں۔

والدین کی قبر کی زیارت:

موقع ہو تو قبرستان جائیں، اپنے والدین کے قبر کی زیارت کریں۔ حدیث میں آتا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من زار قبر ابویه او احدهما فی کل جمعة غفر له و کتب برّاً.
(مشکوٰۃ شریف:ص۱۵۴)

[جو شخص ہر جمعہ کو اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کے قبر کی زیارت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیں گے اور اس کو اپنے والدین کا مطیع اور فرماں بردار لکھا جائیگا۔]

کتنی بڑی نعمت ہے، زندگی میں خدانہ خواستہ والدین کی اطاعت نہ کی ہو اور ان کا دل دکھایا ہو، ان کو تکلیف پہنچائی ہو اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا ہو تو بھی ایسی نافرمان اولاد کے لئے شریعت اسلامیہ نے معافی و تلافی کا راستہ کھلا رکھا۔

نافرمان اولاد کی مغفرت ہو جائے اور فرماں بردار لکھا جائے:

اللہ کی رحمت پر قربان جایئے، اللہ تعالیٰ نے اب بھی ہم کو اپنی رحمت سے محروم نہیں رکھا۔ وہ کیسی کریم ذات ہے اور کس قدر اپنے بندوں پر رحیم اور مہربان ہے۔ فرمایا کہ آجاؤ اب بھی ہماری رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ آجاؤ، ناامید مت ہو کہ اب تو دنیا سے والدین جا چکے ہیں، ان سے کس طرح معافی مانگ سکتا ہوں؟ ان کو کس طرح راضی کر سکتا ہوں؟ فرمایا: بہت آسان طریقہ ہے، اللہ ہم سب کو اس کی قدر نصیب فرماوے۔ فرمایا: طریقہ یہ ہے کہ ہر جمعہ اپنے والدین کی یا ان میں سے کسی ایک کے قبر کی زیارت اور ان کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کرتے رہا کرو۔ اس عمل سے اللہ

تعالیٰ تمہاری مغفرت کر دیں گے اور تمہارا شمار فرمانبردار اولاد میں کر دیں گے۔ سبحان اللہ! کتنا آسان عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کی کس قدر رحمت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی قدر نصیب فرماوے۔ آمین

قبروں کی زیارت کرتے رہا کرو:

تو دوستو! مسنون طریقہ پر قبروں کی زیارت کرتے رہنا چاہئے۔ اس کے بڑے فائدے ہیں۔ مسلمان مرد جب قبرستان جاتا ہے تو اسے اپنی آخرت یاد آتی ہے، اپنی قبر یاد آتی ہے، دل نرم ہوتا ہے اور پھر آخرت کی تیاری میں لگ جاتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها فانها تزهد فی الدنیا و تذکرة الاٰخرة. (مشکوٰة شریف: ص ۱۵۴)

[میں پہلے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا، اب میں کہتا ہوں قبروں کی زیارت کیا کرو، یہ تمہارے اندر دنیا سے بے رغبتی پیدا کر دے گی اور تم کو آخرت کی یاد دلائے گی۔]

پچاس سال کے گناہ معاف:

ایک حدیث میں ہے جو شخص قبرستان جائے اور جا کر قبر والوں کو اس طرح سلام کرے:

السلام علی اهل لا اله الا اللّٰه من اهل لا اله الا اللّٰه

کیف وجدتم قول لا اله الا اللّٰه یا اهل لا اله الا اللّٰه

اغـفـر لـمـن قـال لا الٰه الا اللّٰه واحشـرنـی فی زمرة من قال لا الٰه الا اللّٰه

تو اس سلام کرنے والے کے پچاس سال کے گناہ بخش دئے جاتے ہیں۔

غفر له ذنوب خمسين سنة.

قيل يا رسول الله من لم تكن له ذنوب خمسين سنة.

[حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جس کے پچاس سال کے گناہ نہ ہوں تو؟ تو اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:]

قال لوالديه و لقرابته و لعامة المسلمين.

[اللہ تعالیٰ اس کے والدین کے گناہ بخش دیں گے۔ اس کے رشتہ داروں کے گناہ اور عام مسلمانوں کے گناہ بخش دیں گے۔]

(فضائل ذکر: ص۱۰۲، حدیث نمبر ۳۳ کے تحت، فصل نمبر:۳)

تو انسان قبرستان کی زیارت کرے گا اور اس طرح سلام کرے گا تو اس سلام پر اللہ تعالیٰ اس کو اس قدر ثواب عطا فرماتے ہیں۔

قبرستان کے مردے سفارش کریں گے:

اسی طرح حدیث میں ہے:

عـن ابـی هـريـرةؓ قال قال رسول الله ﷺ من دخل المقابر، ثم قرء فـاتـحة الكتاب و قل هو الله احد و الهٰكم التكاثر، انی جعلت ثواب مـا قرأت من كلامک لاهل المقابر من المؤمنين و المؤمنات كانوا شفعاء له الى الله.

[حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص قبرستان جائے، اور قبرستان جا کر سورۂ فاتحہ اور سورۂ قل ہو اللہ احد اور سورۂ الہٰکم التکاثر پڑھے اور اس کے بعد کہے: اے اللہ! میں نے جو آپ کا پاک کلام پڑھا ہے اس کا ثواب قبرستان کے مؤمنین اور مؤمنات کو پہنچا دیجئے، تو قبرستان کے سب مؤمنین اور مؤمنات اس کے لئے سفارش کریں گے۔]

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ: ۱۲۵/۵)

مردوں کی تعداد کے مطابق ثواب:

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے، حضرت علیؓ سے روایت ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من مر علی المقابر فقرأ قل هو الله احد احدیٰ عشرة مرة، ثم وهب اجرها للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات.

[رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص قبرستان جائے اور گیارہ مرتبہ سورۂ قل ہو اللہ احد پڑھے، پھر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے تو مردوں کی گنتی کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کو اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں۔]

(طحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۳۲۴، جمع الجوامع للسیوطی: ۸۳۷/۱)

حضرت مدنیؒ کا عمل:

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں جب قبرستان جاتا ہوں تو وہاں جا کر اس طرح عمل کرتا ہوں:

السلام علیکم یا دار قوم مؤمنین انتم سلفنا و نحن بالاثر و انا ان شاء

الـلـه بكم لاحقون يغفر الله لنا و لكم اجمعين و صلى الله على سيدنا و مـولانـا مـحـمـد و آلـه و صحبه و بارک و سلم، سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار.

پھر اس کے بعد تین مرتبہ درود شریف، تین مرتبہ سورۂ فاتحہ، بارہ مرتبہ سورۂ اخلاص یعنی قل ہواللہ احد، پھر تین مرتبہ درود شریف پڑھ کر صاحبِ مزار کو اور اس کے اردگرد کے تمام مردوں کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔

(فرمودات حضرت مدنی، بہ حوالہ فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۱۲۵)

قبر پہلی منزل ہے:

دوستو! قبرستان کی زیارت کے بڑے فوائد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وہاں جا کر عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ آخرت کی پہلی منزل ہے۔ حضرت عثمانؓ قبروں کو دیکھتے تو بہت روتے تھے اور فرماتے تھے: یہ پہلی منزل ہے جو اس سے اچھی طرح گذر گیا تو ان شاء اللہ اس کے بعد کی منزلیں بھی اس کے لئے آسان ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے قبر کی منزل کو آسان فرمائے، عذاب قبر سے محفوظ رکھے اور جتنے مسلمان اللہ کی رحمت میں جا چکے ہیں اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ آمین

خلاصہ:

وصیت پر بات چلی تھی کہ اس ملک کے حالات سامنے رکھتے ہوئے اپنا وصیت نامہ بنا لینا چاہئے، تاکہ انتقال کے بعد شریعت کے مطابق ترکہ تقسیم ہو جائے اور تمام حقداروں کو حق مل جائے۔ اس کے ضمن میں کچھ اور باتیں بھی آ گئیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرمائے اور ہم سب کو حسن خاتمہ نصیب فرمائے اور ہماری اولاد کو اللہ تعالیٰ

نیک اور صالح بنائے اور ہماری قیامت تک آنے والی نسلوں کی اللہ تعالیٰ ایمان کی اور دین کی حفاظت فرمائے۔آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ۱۱ ﴾

اعمال صالحہ کو ضائع کرنے والے کام

سر دست تین چیزیں سمجھ لو جو بطور اصول ہیں، جن سے انسان کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں باطل اور برباد ہو جاتے ہیں۔

۱......ایک 'شرک کرنا' ہے۔

۲......دوسرا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہے۔

۳......نیک اعمال کو تباہ کرنے والی تیسری چیز گناہ ہیں۔

۱۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اعمال صالحہ کوضائع کرنے والے کام

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیۡعَنَاوَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً کَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ o بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَلَا تُبۡطِلُوۡا اَعۡمَالَکُمۡ. (سورۂ محمد: ۳۳)

ترجمہ:[اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرواور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، اوراپنے اعمال کو برباد مت کرو۔]

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

عمل کی جگہ دنیا ہے:

بزرگانِ محترم! اللہ تعالیٰ نے انسان کو ماں کے پیٹ میں بنایا اور جیسے اس کے اعضاء بنائے، جیسی شکل وصورت بنائی ہے اسی طرح انسان دنیا میں آتا ہے۔ اگر ماں کے

پیٹ میں اعضاء صحیح سالم بنے ہیں تو دنیا میں بھی صحیح سالم پیدا ہوتا ہے۔ دنیا میں آنے کے بعد اب اس کی سعادت مندی ہے کہ ان تمام اعضاء کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق استعمال کرے۔ اللہ نے آنکھ جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی، اس سے کلام اللہ کو دیکھے، بیت اللہ کو دیکھے، روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے، اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھے، اپنے ماں باپ کو عظمت اور محبت کی نگاہ سے دیکھے، علماء و صلحاء کو محبت و عظمت سے دیکھے، اللہ کے نیک بندوں کو دیکھے۔ اللہ نے زبان دی ہے اس سے کلام اللہ کی تلاوت کرے، اللہ کا پاک نام لے، اللہ رب العزت کی تسبیح پڑھے، اچھی باتیں زبان سے نکالے، قرآن و حدیث کی تعلیم کرے۔ غرض اللہ نے جیسے اعضاء پیٹ میں بنائے ویسے اعضاء وہ لے کر دنیا میں آتا ہے اور ان کے صحیح استعمال پر فائدہ، اجر و ثواب ملتا ہے اور غلط استعمال پر نقصان اور سزا و عقاب ملتی ہے۔

اس تمہید کے سمجھنے کے بعد اب سمجھو؛ انسان دنیا میں اپنی زندگی گذارنے کے بعد قبر میں پہنچے گا تو اگر دنیا میں اعمال صالحہ کئے ہیں تو قبر میں انہیں اعمال صالحہ کے ساتھ پہنچے گا اور اگر اعمال سیئہ اور گناہ کئے ہیں تو انہیں اعمال سیئہ اور گناہوں کے ساتھ قبر میں پہنچے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ یہاں سے خالی ہاتھ گیا ہو، اب وہاں جا کر اعمال صالحہ کرے، وہاں اعمال صالحہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

فرشتے رحم نہیں کریں گے:

اور دوستو! دنیا میں کوئی بچہ معذور ہوتا ہے، ہاتھ پیر برابر نہیں ہوتے، نابینا ہوتا ہے تو لوگ اس پر رحم کرتے ہیں اور اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی

شخص اپنے کو بگاڑ کر نافرمان بن کر قبر میں گیا ہے، اور گناہ پر گناہ کر کے گیا ہے تو وہاں عذاب کے جو فرشتے اس پر مقرر ہوں گے وہ اس پر ذرہ برابر رحم نہیں کریں گے۔ اس لئے دوستو! آج دنیا میں اعمال صالحہ کا موقعہ ہے، نیک اعمال کرلو۔ قبر میں پہنچ کر حسرت کے سوا کچھ نہ ہوگا اور وہاں پہنچ کر نیک اعمال کی تمنا بھی کرے گا، دنیا میں واپس آنے کی درخواست کرے گا مگر وہاں اس کا موقعہ نہیں دیا جائے گا۔

کسی عمل کو چھوٹا مت سمجھو:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہی ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اطاعت کے ذریعے اپنے اعمال کو اچھا بناؤ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر قربان ہو جایئے وہ اپنے بندوں پر اس قدر مہربان ہے کہ چھوٹے چھوٹے اعمال پر اتنا ثواب عطا فرماتے ہیں کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ ایک حدیث پہلے بھی آپ کو سنا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کبھی ایک نیکی پر چالیس کروڑ نیکیاں عطا فرماتے ہیں۔

اور یہ حدیث بھی آپ کو سنائی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اتق النار و لو بشق تمرة

[اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ چاہے کھجور کے ایک ٹکڑے کے ساتھ ہو۔]

کبھی ایک کھجور انسان کے لئے جہنم سے نجات کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے، ہم اس کو معمولی سمجھتے ہیں مگر اخلاص کی وجہ سے اعمال کے اندر بڑا وزن پیدا ہوتا ہے۔ کبھی انسان اپنی زبان سے ایک معمولی بات نکالتا ہے مگر اللہ

کے نزدیک وہ بہت وزنی ہوجاتی ہے۔کسی کے بچہ کا انتقال ہوگیا آپ نے جا کران کوتسلی کے دولفظ کہہ دئے کہ بھائی! صبر کرو، اللہ کو یہی منظور تھا۔تقدیرالٰہی میں یہی تھا۔اللہ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے۔آپ کے لئے آخرت کا ذریعہ بنائے۔بتلایئے اتنا کہہ کرہم نے کون سا بڑا کام کیا مگران جملوں پرثواب اتنا بڑا ملا کہ اللہ تعالیٰ اس تسلی دینے والے اور تعزیت کرنے والے کو جنت کا حُلّہ اور جنت کا جوڑا پہنائیں گے اورعرش کے سایہ میں جگہ عنایت فرمائیں گے۔

اپنے نیک اعمال کو باطل نہ کرو:

اب ایک بات اور سمجھئے، نیک اعمال کا ذخیرہ انسان کرتا ہےاوراللہ نے انسان کے لئے اعمال کوآسان بھی کردیا ہےمگراس کے بعداللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا ہے:

وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَکُمْ. (سورۂ محمد: ۳۳)

[اپنے اعمال کو باطل مت کرو]

یعنی گناہ کر کےاعمال بربادنہ کرو۔لوگوں کی حق تلفی کر کےاپنے اعمال کوضائع نہ کرو۔کسی صحابی نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم نیکیاں ہمارے پاس بہت ہوں گی تو پھر ہم کیسے ہلاک ہوں گے؟ فرمایا: گناہ کی وجہ سے، ظلم کی وجہ سے، زبان کے غلط استعمال کی وجہ سے۔اگر بری طرح زندگی گذاری ہوگی تو قیامت کے دن کوئی ظلم کے بدلہ میں نیکی کا مطالبہ کرے گا،کوئی اورحق کے بدلہ میں نیکی کا مطالبہ کرے گا۔توابطال اعمال کی بہت سی چیزیں ہیں۔

ایمان اور اعمال صالحہ کو برباد کرنے والا گناہ 'شرک' ہے:

لیکن سر دست تین چیزیں سمجھ لو جو بطور اصول ہیں، جن سے انسان کے اعمال باطل اور برباد ہو جاتے ہیں۔

ا......ایک 'شرک کرنا' ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات میں شرک کیا تو سارے اعمال حبط ہو جائیں گے، بے کار ہو جائیں گے۔ قرآن مجید میں امت کو سنانے کے لئے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ. بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ.
(سورۂ زمر: ۶۵، ۶۶)

اس آیت سے پہلے یہ مضمون ہے کہ جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارہ میں رہیں گے۔ یہ لوگ خود تو کفر وشرک میں ملوث تھے ہی اب ان کا حوصلہ یہاں تک بڑھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے طریقہ پر لانے کی فرمائش کرتے ہیں تو اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا:

قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّیْ اَعْبُدُ اَیُّهَا الْجٰهِلُوْنَ. (سورۂ زمر: ۶۴)

[آپ فرمادیجئے، اے جاہلو! (مذکورہ دلائل سے توحید کا مکمل ثبوت اور کفر وشرک کا ابطال ہو جانے کے بعد) پھر بھی تم مجھ سے غیر اللہ کی عبادت کرنے کے لئے کہتے ہو (اور آپ سے کفر وشرک کا صادر ہونا کیسے ممکن ہے)] اب اوپر والی آیت کا مضمون سنئے:

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ الخ

[آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے ہو گذرے ہیں ان کی طرف بھی یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ (یہ پیغام ہر امتی کو پہنچا دیں) کہ اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا سب غارت ہو جائے گا اور تو خسارہ میں پڑے گا۔ (اس لئے تو کبھی بھی شرک کے قریب بھی مت جانا) ﴿بَلِ اللّٰـهَ فَـاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ. ﴾ بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرنا اور اسی کا شکر گذار رہنا۔]

معاذ اللہ! اگر انبیاءؑ بھی شرک کریں تو:

قرآن مجید میں ایک جگہ تقریباً سترہ انبیاءؑ کا ذکر فرمایا ہے:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا اٰتَيْنٰـهَا اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ

[یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی]

اس کے بعد بڑے بڑے جلیل القدر انبیاءؑ کا تذکرہ ہے، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت نوحؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت الیسعؑ، حضرت یونسؑ، حضرت لوطؑ وغیرہ، اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَاجْتَبَيْنٰـهُمْ وَهَدَيْنٰـهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

[ہم نے ان کو پسند کیا اور ہم نے ان کو صراط مستقیم کی رہنمائی کی۔ اللہ کی ہدایت وہ یہی دین ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کو ہدایت کرتا ہے] اس کے

بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (سورۂ انعام: ۸۷، ۸۸)

[(یعنی شرک اس قدر ناپسند چیز ہے کہ غیر انبیاء تو کس شمار میں ہیں) اگر فرضاً یہ حضرات انبیاء مذکورین بھی (نعوذ باللہ) شرک کرتے تو جو کچھ نیک اعمال کیا کرتے تھے ان سے سب اکارت ہو جاتے۔]

کفر وشرک کی وجہ سے نیک اعمال بھی بے وزن ہوں گے:

سورۂ کہف میں ارشاد فرمایا:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا. (سورۂ کھف: ۱۰۵)

[یہ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا اور اس سے ملنے کا یعنی قیامت کا انکار کیا اس لئے ان کے سارے کام غارت ہی کر دئے گئے، بس ہم قیامت کے دن ان کے نیک اعمال کا ذرہ بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔]

یعنی ان کے اعمال جو ظاہر میں بڑے بڑے نظر آتے ہیں مگر میزان حساب میں ان کا کوئی وزن نہ ہوگا، کیونکہ یہ اعمال کفر وشرک کی وجہ سے بے کار اور بے وزن ہوں گے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ایک آدمی قد آور اور موٹا تازہ آئے گا جو اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی وزن دار نہ ہوگا اور پھر فرمایا کہ اگر اس کی تصدیق کرنا چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھو۔ ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا.﴾

اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز ایسے ایسے اعمال لائے جائیں گے جو جسامت کے اعتبار سے تہامہ کے پہاڑوں کے برابر ہوں گے مگر میزان عدل میں ان کا کوئی وزن نہ ہوگا۔ (قرطبی، معارف القرآن: ۵/ ۶۴۷)

حبط اعمال کا دوسرا سبب گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حبط اعمال کا ایک سبب شرک ہوا۔

۲......حبط اعمال کا دوسرا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ. (سورۂ حجرات: ۲)

[اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسا آپس میں کھل کر بولتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال حبط ہو جاویں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔]

یعنی اپنی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند کرنے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کا احتمال ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا ادب:

اب دیکھئے! صحابہ کرامؓ کے اندر کس قدر ادب تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایک صحابی حضرت ثابت بن قیسؓ کی آواز طبعی طور پر ہی بلند تھی وہ تو اپنے گھر میں بیٹھ گئے

کہ یہ آیت تو میرے بارے میں نازل ہوئی ہے، بڑے خوبصورت بھی تھے اور قبیلۂ خزرج کے سردار بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثابت نظر نہیں آتے۔ فرمایا: اس آیت نے مجھے گھر بٹھا دیا، میری آواز بھاری ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کی گستاخی نہ ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: "انت لست منھم" [تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو۔]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کا ثمرہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین بشارتیں سنائیں۔ ۱......تمہاری زندگی اچھی گذرے گی۔ ۲......تمہاری موت شہادت پر ہوگی۔ ۳......تمہارا مقام جنت ہوگا۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسیلمہ کذاب کی لڑائی میں آپؓ شہید ہوئے۔ اس جنگ میں تین مرتبہ مسلمانوں کے قدم اکھڑے۔ حضرت ثابت بن قیسؓ نے مسلمانوں کو ہمت دلائی اور فرمایا: زمین میں گڑھے کھودلو اور ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ چنانچہ ڈٹ کر مقابلہ ہوا اور مسلمانوں کی مدد ہوئی، اور حضرت ثابتؓ شہید ہوئے۔
(البدایہ والنہایہ: ۶/۳۲۵)

وصیت کا نفاذ ایک عجیب انداز سے:

شہید ہونے کے بعد عجیب انداز سے ان کی وصیت جاری ہوئی۔ آپ ایک صحابی کے خواب میں آئے اور فرمایا: میرے بدن پر زرہ تھی جو فلاں نے چرالی ہے اور وہ شخص آخری خیمہ میں ہے اور فلاں جگہ رکھی ہے۔ حضرت خالدؓ کو کہو کہ وہ اس کو لے کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس لے جائیں۔ اور فرمایا: فلاں جگہ اتنا مال ہے اور فلاں جگہ اتنا ہے

اور فلاں فلاں کا مجھ پر اتنا قرضہ ہے اور تم یہ صرف ایک خواب نہ سمجھنا، اس کو ایک حقیقت سمجھنا۔

چنانچہ انہوں نے حضرت خالدؓ سے اپنے خواب کا تذکرہ کیا۔ حضرت خالدؓ اس شخص کے پاس گئے، اس نے انکار کیا مگر تلاش کرنے پر جیسا خواب میں بتلایا تھا اسی طرح ملا اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت ثابتؓ کی شہادت کے بعد ان کی وصیت جاری فرمائی۔

نیک اعمال کو تباہ کرنے والی تیسری چیز گناہ ہیں:

۳...... نیک اعمال کو تباہ کرنے والی تیسری چیز گناہ ہیں۔ اس سے اپنے اعمال کو باطل مت کرو۔ ہم الحمدللہ نیک اعمال تو بہت کر لیتے ہیں مگر ان کی حفاظت نہیں کرتے۔ جس طرح مسلمان اپنے مال کی اور اپنی قیمتی چیزوں کی حفاظت کی فکر کرتا ہے، اپنے اعمال کی بھی حفاظت کرنا چاہئے، بلکہ اس سے زیادہ حفاظت کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ اعمال تو آخرت میں کام آنے والی چیز ہے۔ مال اور دنیا کی قیمتی چیزیں فانی ہیں اور دنیا ہی میں رہ جانے والی چیزیں ہیں انسان کے ساتھ جانے والی چیز ایمان اور اعمال صالحہ ہیں۔ مال و اسباب تو سب چھوڑ کر انسان خالی ہاتھ قبر میں جائے گا مگر ہمارا ایمان ہے کہ یہ اعمال ہمارے ساتھ قبر میں آئیں گے، میدان محشر میں یہ اعمال ہمارے ساتھ ہوں گے اور قبر میں اعمال کی برکت سے نجات ملے گی، میدان محشر میں اعمال صالحہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ میدان محشر کی ہولناکیوں سے محفوظ رکھیں گے، اپنے عرش کے سایہ میں جگہ عنایت فرمائیں گے۔ معلوم ہوا کہ اعمال تو مال سے بھی زیادہ قیمتی ہیں اور مال سے زیادہ انسان

کے لئے نفع بخش ہیں۔ ہم اپنے مال کی تو خوب حفاظت کرتے ہیں مگر اعمال کی حفاظت کی فکر نہیں کرتے۔

اعمال کی حفاظت کس طرح ہو؟

اعمال کی حفاظت کس طرح سے ہوگی؟ اعمال کی حفاظت اس طرح ہوگی کہ اپنے کو ہر قسم کے کفر و شرک سے بچائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی سے بچائے، دین و شریعت اور دین کی باتوں کا احترام کرے، قرآن مجید و احادیث کا احترام کرے، قبلہ کا احترام کرے۔ لہذا اپنے کو دین کی بے احترامی سے بچائے، قبلہ کی بے احترامی سے بچائے، قرآن کی بے احترامی سے بچائے، علماء کی بے احترامی سے بچائے اور اسی طرح اپنے اخلاق کو عمدہ سے عمدہ بنانے کی کوشش کرے، اپنی زبان کی پوری پوری حفاظت کرے، اپنی زبان کا غلط استعمال نہ کرے، لوگوں کو گالی نہ دے، لوگوں کو برا بھلا نہ کہے، ان کی آبروریزی نہ کرے، ظلم و ستم نہ کرے، کسی کا حق نہ دبائے، ان چیزوں سے بھی اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔

میری امت کا مفلس:

چنانچہ مشہور حدیث ہے: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"اتدرون ما المفلس؟"** [کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟] **"قالوا المفلس فینا من لا درھم له و لا متاع"** [صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، ہم میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس درہم نہ ہوں، سامان نہ ہوں،] پاؤنڈ نہ ہوں، ڈالر نہ ہوں، روپے پیسے نہ ہوں، گاڑی بنگلہ نہ ہو۔ **"فقال المفلس من امتی من یاتی یوم القیامة بصلوة و**

صیام و زکوٰۃ“ [فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت میں نماز، روزے اور زکوٰۃ لے کر آئیگا،] اعمال تو کئے مگر بداخلاق تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے ”و یاتی قد شتم ھذا و قذف ھذا و اکل مال ھذا و سفک دم ھذا و ضرب ھٰذا“ نماز، روزے، صدقہ، خیر خیرات کا ڈھیر ہے [مگر دنیا میں کسی کو گالی دی تھی تو کسی پر تہمت لگائی تھی، کسی کا مال کھا گیا تھا، کسی کا خون بہایا تھا، کبھی کسی کو مار دیا تھا] غیبت، بہتان تراشی میں لگا رہتا تھا اور لوگوں پر ظلم کرتا تھا، اس طرح دنیا میں رہتا تھا، اب قیامت میں تو انصاف ہوگا، وہ تو عدل وانصاف کا دن ہے۔ یہ سارے مظلوم لوگ اس کے خلاف اللہ کی بارگاہ میں دعویٰ کریں گے ”فیعطی ھذا من حسناته و ھذا من حسناته“ اللہ تعالیٰ انصاف فرمائیں گے اور حق والوں کا حق دلائیں گے۔ وہاں حق کی ادائیگی دنیا کے مال ومتاع سے نہ ہوگی بلکہ نیک اعمال سے ہوگی چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ [اس کے حسنات اور اعمال میں سے اس کو کچھ دے دو، اس کو کچھ دے دو۔] اب اس کے اعمال حق والوں کو دلوائے جارہے ہیں۔ ”فان فنیت حسناته قبل ان یقضی ما علیه اخذ من خطایاھم فطرحت علیه“ [حقوق کی ادائیگی سے پہلے اس کے حسنات اور اس کے اعمال ختم ہو جائیں گے تو اب حق والوں کے گناہ لئے جائیں گے اور ان کے گناہ اس پر ڈالے جائیں گے۔] ”ثم طرح فی النار“ [پھر اس شخص کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔]

(مشکوٰۃ شریف: ص ۴۳۵)

یہ ہے اس امت کا مفلس، اعمال تو بہت کئے مگر ان کی حفاظت نہیں کی اور خاص کام اور ضرورت کے وقت وہ سب اعمال دوسروں کو دے دئے گئے۔ لہذا انسان دنیا میں

اعمال کرے اور اس کے ساتھ اپنے اخلاق اچھے بنائے، اپنی زبان کی حفاظت کرے، اپنے کو ظلم وستم سے بچائے۔اس طرح ہمارے اعمال ان شاء اللہ محفوظ رہیں گے۔

خلاصہ کلام:

اللہ تعالیٰ ہی ہمارے اعمال کی حفاظت فرمائے اور ان تمام کاموں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے جن سے ہمارے اعمال ضائع ہو جائیں۔کفروشرک سے محفوظ رکھیں اور دین وشریعت کی بے احترامی سے بھی بچائے اور ہمارے اخلاق بھی درست اور پاکیزہ بنائے۔آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ۱۲ ﴾

دنیا میں اچھے لوگوں کے ساتھ رہو۔

حضرت شیخ سعدیؒ کی کتاب گلستاں کے مقدمہ میں آپ نے لکھا ہے____:

صحبت صالح ترا صالح کند　　صحبت طالح ترا طالح کند

[نیک لوگوں کی صحبت تم کو نیک بنائے گی اور بد بخت لوگوں کی صحبت تم کو بد بخت بنادے گی۔] اور فرماتے ہیں____:

تا توانی دور شو از یار بد　　یار بد بدتر بود از مار بد

مار بد تنہا ہمی برجان زند　　یار بد بر جان و بر ایماں زند

جب تک تم سے ہو سکے برے دوست سے دور رہو اور اپنی اولاد کو بھی دور رکھو اس لئے کہ برا دوست سانپ سے بھی بدتر ہے۔ سانپ کا حملہ صرف جان پر ہوتا ہے، لیکن برے دوست کا حملہ جان اور ایمان دونوں پر ہوتا ہے۔ برے دوست کی صحبت جان اور ایمان دونوں کے لئے خطرناک ہوتی ہے۔

﴿۱۲﴾

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

دنیا میں اچھے لوگوں کے ساتھ رہو۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَنَسۡتَعِيۡنُهٗ وَنَسۡتَغۡفِرُهٗ وَنُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ يَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَاشَرِيۡكَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنّ سَيِّدَنَا وَ شَفِيۡعَنَا وَحَبِيۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَبارَكَ وَتَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَ اَهۡلِ بَيۡتِهٖ وَاَهۡلِ طَاعَتِهٖ وَبارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا كَثِيۡراً كَثِيۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ۝ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝
وَيَوۡمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيۡهِ يَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِى اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِيۡلًا.
يٰوَيۡلَتٰى لَيۡتَنِىۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِيۡلًا.

(سورۂ فرقان:۲۶، ۲۷)

[اور جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کر کھائے گا اور کہے گا اے کاش! میں نے بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر صحیح راہ اختیار کی ہوتی، ہائے میری خرابی! کیا اچھا ہوتا! کہ فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔]

صدق الله مولانا العظيم و صدق رسوله النبى الكريم و نحن على ذلك من الشاهدين و الشاكرين و الحمد لله رب العالمين۔

اچھے دوست بناؤ:

بزرگانِ محترم! اس آیت کریمہ میں ایک خاص واقعہ کو بیان فرمایا ہے۔ اس آیت

کا ماحصل یہ ہے کہ دنیا کے اندر اچھے دوست بناؤ، بروں کی صحبت میں نہ بیٹھو اور بروں کو دوست نہ بناؤ۔ کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ اللہ کے منکرین کو دوست نہ بناؤ۔ اسی طرح نافرمانوں کو دوست نہ بناؤ۔ جو اللہ سے بغاوت کرتے ہیں، اللہ سے سرکشی کرتے ہیں ان کو اپنا جگری دوست نہ بناؤ۔ ان سے دوستی اور تعلق نہ رکھو۔ کافروں کے ساتھ دوستی نہ رکھنے کو قرآن مجید میں مختلف مقامات میں ذکر کیا ہے۔

غیروں کے ساتھ تعلق کی حد:

ان تمام کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ اگر کوئی دنیوی ضرورت ہو جیسا کہ کاروبار کا مسئلہ ہے، لین دین کا مسئلہ ہے، دنیوی کوئی معاملہ ہے۔ اس وجہ سے غیر مسلم سے واسطہ پڑتا ہے، جا کر ملنا پڑتا ہے دین اسلام میں اس کی اجازت ہے۔ ضرورت کی وجہ سے مل سکتے ہو، اخلاق کا مظاہرہ کرو، اچھی زبان استعمال کرو، میٹھی باتیں کرو لیکن جس کو تعلق اور دوستی کہتے ہیں وہ مت کرو۔ ان سے تعلق اتنا ہی ہو جیسا کہ بیت الخلاء اور لیٹرین سے ہوتا ہے۔ قضاء حاجت کے لئے ہم کو بیت الخلاء جانا پڑتا ہے مگر فارغ ہونے کے بعد وہاں سے جلدی سے جلدی باہر نکل جاتا ہے، کوئی وہاں بے کار بیٹھے رہنے کو پسند نہیں کرتا۔ بس جتنی ضرورت ہے اتنا تعلق ہے۔ اسی طرح غیر مسلم لوگوں سے بھی جتنی دنیوی ضرورت ہو اتنا ہی تعلق ہو۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد فرمایا:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ
(سورۂ نساء: ۱۴۴)

[اے ایمان والو! مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔]

کہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّىْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ

(سورۂ ممتحنہ:۱)

[اے ایمان والو! جو میرے بھی دشمن ہیں اور تمہارے بھی دشمن ہیں ان کو اپنا دوست نہ بناؤ۔]

اور کہیں ارشاد فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰىٓ اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ (سورۂ مائدہ: ۵۱)

[اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ اس لئے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ جو کوئی تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا وہ بھی یقیناً ان میں سے ہوگا۔ (یعنی قیامت کے دن اس کا حشر ان کے ساتھ ہوگا)]

کسی نے خوب کہا ہے ـــــــ:

جن کو قرآن نے کہا دشمن
ایسے لوگوں کو یار کہتے ہیں
ان کو عقل سلیم دے یا رب
جو خزاں کو بہار کہتے ہیں

برتھ ڈے (BIRTHDAY) منانا:

اب دوستی کے بہت سے مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی چال ڈھال اختیار کرنا، ان کے جیسا رہن سہن اختیار کرنا، خوشی غمی میں ان کے طریقوں کو اختیار کرنا، جیسے کہ میں

بار بار جمعہ کے خطبہ میں کہتا ہوں مسلمانوں کو کیا ہو گیا کہ وہ ''برتھ ڈے'' مناتے ہیں۔ یہ برتھ ڈے جس طریقہ سے آج کل منایا جاتا ہے اسلام میں کہیں بھی اس کا نام ونشان نہیں۔ نہ صحابہؓ نے منایا، نہ تابعین نے منایا، نہ اولیاء اللہ نے منایا، نہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے منایا، نہ خواجہ معین الدین چشتیؒ نے منایا۔

بعض مسلمان ماشاء اللہ بڑے دین کے پابند ہیں۔ دیندار ہیں صوم صلاۃ کے، جماعت کے پابند ہیں۔ ان کے متعلق سن کر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ وہ بھی غیروں کی طرح برتھ ڈے مناتے ہیں۔

برتھ ڈے خوشی کا دن ہے یا غمی کا؟

اور اگر آپ غور کریں اور سوچیں تو آپ فیصلہ کریں گے کہ برتھ ڈے خوشی کا دن نہیں ہے بلکہ غمی کا دن ہے۔ کیوں کہ برتھ ڈے کا مطلب یہ ہے کہ میرے بیٹے کی عمر مثلاً دس سال ہو گئی، اس کی کل زندگی مثال کے طور پر ساٹھ سال ہے تو آپ بتلائیے گذشتہ سال وہ نو سال کا تھا، اب دس سال کا ہوا تو اس کی زندگی میں ایک سال کم ہوا یا ایک سال بڑھا؟ ظاہر ہے ایک سال کم ہوا۔ اس طرح جتنے برتھ ڈے آئیں گے ہر سال اس کی زندگی کا ایک ایک سال کم ہوتا جائے گا تو آپ بتلائیے یہ خوشی کا دن ہوا یا غمی کا؟

ہمارے قول اور فعل کا تضاد:

اسی طرح ان کی طرح رہن سہن کا انداز اختیار کرنا، ان کی طرح کھانا پینا، ٹیبل کرسی پر کھانا اور آج کل تو ایک عجیب طریقہ نکل پڑا ہے، کھڑے کھڑے کھاتے ہیں، عجیب انداز ہے۔ ان تمام چیزوں کو اختیار کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمیں ان کے

طریقے پسند ہیں۔ اسلام اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں اور سنتوں سے محبت نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ سے محبت ہے جب ہی تو ان کے طور طریقوں کو اختیار کر رہا ہے، ان کو اپنا رہا ہے، گھر میں ان ہی کے طریقوں کو رواج دیا ہے:

غضب ہے نام لیتے ہیں نصاریٰ کی عداوت کا
مگر نصرانیت اور مغربیت دل سے ہے پیاری
لباس ان کا معاش ان کا زبان ان کی تراش ان کی
وہی طرز معیشت وہی طرز سخن جاری

ساری نقل تو ان کی کرتے ہیں اور نماز کی ہر رکعت میں ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ بھی پڑھتے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں، [اے اللہ! ہمیں ان دشمن لوگوں کے راستہ پر نہ چلا جن پر آپ کا غضب نازل ہوا اور جو گمراہ ہیں۔] نماز میں تو یہ دعا کرتے ہیں اور باہر انہی کا طرز زندگی اختیار کرتے ہیں۔

ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانے ہیں:

دوستو! اللہ کا شکر ادا کرو ہمارے پاس اپنا معاشرہ ہے، اپنا کلچر ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں ہمارے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اور نورانی سنتیں ہیں۔ ہمارے لئے سب سے زیادہ نقل کے قابل ہمارے محبوب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے، جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے لئے بہترین نمونہ بنایا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

ہماری اور تمہاری زندگی کے لئے اگر بہترین نمونہ ہے تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کی مقدس زندگی ہے، اس لئے ہمیں کسی سے دوستی کرنے

اور ان کی نقل اتارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی لئے جگر مرادآبادی نے کہا ہے ؎

مجھ کو جگر اور کوئی کام نہیں

کافی ہے بس ایک نسبت سلطان مدینہ

صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔ (درود شریف پڑھ لیجئے)

تو دوستو! ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانے ہیں، ہمارے لئے تو بس آپ کی نورانی سنتیں کافی ہیں۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح کھاتے تھے اسی طرح ہم بھی کھائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا لباس پہنتے تھے ہم بھی ویسا ہی لباس اختیار کریں۔ غرض ہر چیز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے نمونہ ہیں۔ لہذا میرے دوستو اور بزرگو! ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو اختیار کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسا طرز زندگی اختیار کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے نمونہ بنائیں۔ یہ سنت کے راستے ہمیں اور آپ کو جنت تک پہنچائیں گے، اللہ تعالیٰ تک پہنچائیں گے ؎

نقش قدم نبی کے ہیں جنت کے راستے

اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

پس سنت کے راستوں کو اختیار کرلو۔ ان شاء اللہ، اللہ تک پہنچ جاؤ گے۔ ان راستوں پر چل کر جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اور غیروں کے راستے اختیار کریں گے تو اللہ کے دشمن جہاں جائیں گے ہم بھی وہیں پہنچیں گے۔ ان پر اللہ کا غضب ہوگا، ناراضگی ہوگی۔ ہم نے ان کی مشابہت اختیار کی، ان کے جیسی زندگی گذاری تو ہم سے بھی اللہ ناراض ہوں گے۔

دوستو! سوچنے اور غور کرنے کا موقعہ ہے، ابھی اللہ نے ہمیں موقعہ دے رکھا ہے، زندگی ہے، اگر زندگی میں ہم نے ان غلط راستوں کو چھوڑ کر توبہ کر لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو اختیار کر لیا، اپنی قبر اور آخرت کی فکر کر لی تو ہم ان شاء اللہ کامیاب ہو جائیں گے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانے بن کر زندگی گذارو، غیروں کے اور اللہ کے دشمنوں کے دیوانے مت بنو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ اللّٰھم آمین۔

اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو:

بزرگو اور دوستو! میں عرض کر رہا تھا کہ قرآن مجید میں بھی یہ تعلیم ہے اور احادیث مبارکہ میں بھی یہ تعلیم ہے کہ اچھے لوگوں کو دوست بناؤ، اہل اللہ کی صحبت میں رہو۔ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جو تین صحابی پیچھے رہ گئے تھے ان میں سے ایک صحابی حضرت کعب بن مالک ؓ بھی تھے۔ دوسرے دو تو بوڑھے تھے مگر یہ نوجوان تھے، باہر آتے جاتے تھے اور وہ دونوں حضرات تو غم کے مارے گھر میں بیٹھ گئے۔ واپسی کے بعد کچھ لوگوں نے ان سے کہا کہ جس طرح منافقین جھوٹے بہانے بنا رہے ہیں تم بھی اسی طرح کا کوئی بہانہ پیش کر دو تا کہ تم بھی چھوٹ جاؤ، تو حضرت کعب بن مالک ؓ نے فرمایا نہیں، میں تو سچ سچ بتلا دوں گا۔ اس لئے کہ اگر میں نے جھوٹ کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو گئی تو مجھ سے زیادہ برا کون ہوگا؟ اپنی بات پر جمے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل سچ سچ بتا دیا۔ واقعہ بہت تفصیلی ہے، ان تین صحابہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب لوگ ان سے بات چیت بند کر دیں۔ یہ سب اللہ کے حکم سے تھا،

پچاس دن اسی طرح گذر گئے کیوں کہ غزوۂ تبوک میں بھی پچاس دن لگے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور قرآن مجید میں آیتیں اتریں۔ ان آیتوں میں ایک آیت یہ بھی ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ. (التوبه: ۱۱۹)

[اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو]

تو یہاں اللہ نے خاص طور پر سچوں کے ساتھ رہنے کی تاکید فرمائی۔ اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ اچھے اور سچے لوگوں کے ساتھ رہنے کا کس قدر فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اس کی تعلیم فرما رہے ہیں۔

اس کے دوستوں کو دیکھو:

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کسی آدمی کو دیکھنا ہو کہ وہ کیسا ہے تو کسی کو پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کے دوستوں کو دیکھ لیں۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا کس کے ساتھ ہے۔ دینداروں کے ساتھ ہے یا آوارہ لوگوں کے ساتھ ہے۔ جن کے ساتھ دوستی ہوگی انہی لوگوں کا رنگ چڑھے گا۔ حضرت شیخ سعدیؒ کی کتاب گلستاں کے مقدمہ میں آپ نے لکھا ہے ـــــــ:

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

[نیک لوگوں کی صحبت تم کو نیک بنائے گی اور بد بخت لوگوں کی صحبت تم کو بد بخت بنادے گی۔] اور فرماتے ہیں ـــــــ:

تا توانی دور شو از یار بد یار بد بدتر بود از مار بد

مار بد تنہا ہمی برجان زند یار بد بر جان و بر ایماں زند

جب تک تم سے ہوسکے برے دوست سے دور رہو اور اپنی اولاد کو بھی دور رکھو اس لئے کہ برا دوست سانپ سے بھی بدتر ہے۔ سانپ کا حملہ صرف جان پر ہوتا ہے، لیکن برے دوست کا حملہ جان اور ایمان دونوں پر ہوتا ہے۔ برے دوست کی صحبت جان اور ایمان دونوں کے لئے خطرناک ہوتی ہے۔

اچھی صحبت کی ایک مثال:

کچی پیاز اور کچا لہسن کھا کر فوراً مسجد میں آنے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ کیوں کہ اس میں ایک عجیب قسم کی بدبو ہوتی ہے۔ اگر ہاتھ سے چھیلیں تو ہاتھ میں بھی اس کی بدبو آجاتی ہے، چھری سے کاٹتے ہیں تو چھری میں بھی بدبو آجاتی ہے، جس برتن میں رکھیں وہ برتن بھی بدبودار ہو جاتا ہے؛ لیکن اگر اسی پیاز کو کڑھائی اور پتیلی میں ڈال کر تیل میں فرائی کرلیں تو اس میں خوشبو پیدا ہو جاتی ہے، بھوک نہ لگی ہو اس خوشبو سے بھوک لگ جائے گی، چاول میں بگھار کر ڈال دو تو چاول بھی خوشبودار اور ذائقہ دار بن جاتے ہیں۔ کیا تبدیلی آگئی؟ تھوڑی دیر اس کو تیل کی صحبت ملی، گھی کی صحبت میں رہا اور ذرا مجاہدہ ہوا، اس کی کسائی ہوئی، آگ پر رکھ کر اس کو تپایا اور بگھارا۔ جب اس کو اچھی صحبت مل گئی تو اس کی بدبو خوشبو سے بدل گئی۔ اسی طرح تل کا تیل ہے لیکن اگر اس کو چمبیلی کی صحبت میسر آجائے تو وہی تیل چمبیلی کا تیل کہلاتا ہے، خوشبودار ہو جاتا ہے، اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اس صحبت کے نتیجہ میں اس کے اندر خوشبو بھی پیدا ہوگئی اور اس کی قیمت بھی بڑھ گئی۔

دوسری مثال:

شیخ سعدیؒ نے بھی ایک عجیب وغریب مثال بیان فرمائی ہے۔فرماتے ہیں:

گلے خوشبوئے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم
بدگفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہم نشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

فرماتے ہیں[ایک دن ایک خوشبودار مٹی کا ڈھیلا حمام میں ایک محبوب کے ہاتھ سے میرے ہاتھ میں آ گیا۔مٹی میں خوشبو محسوس کر کے میں نے اس سے پوچھا تو بتا کہ مشک سے بنا ہے یا عبیر سے؟ اس نے زبان حال سے جواب دیا میں تو ناچیز اور حقیر مٹی ہوں لیکن ایک مدت تک پھول کی ہم نشینی میں رہی ہوں، میرے ہم نشیں کے جمال نے مجھ میں اثر کیا اور اسی صحبت اور ہم نشینی کے اثر سے مہک رہی ہوں اور میرے اندر خوشبو آ گئی ہے ورنہ میری حقیقت تو مٹی ہے، نہ میں مشک ہوں نہ عبیر، بس صحبت کا اثر ہے۔]

جب پھول جو بے جان ہے اس کی صحبت کا یہ اثر ہوسکتا ہے تو اہل اللہ جن کے قلوب اللہ کے عشق میں جلے ہوئے ہوتے ہیں، عشق الٰہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں فنا ہوئے ہوتے ہیں، کیا ان کی صحبت کا اثر نہ ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے جو﴿وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ.﴾فرمایا ہے کیا یہ ایسے ہی ہوگا؟ نہیں، بلکہ نیک لوگوں کی صحبت میں بے شک بڑی تاثیر ہے۔

صحابہؓ میں صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر:

اسلام اور نبی کی صحبت سے پہلے صحابہؓ کیا تھے؟ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ و سلم کی صحبت نے ان کے اندر کیسے کیسے کمالات پیدا کر دئے۔ حضرت عمرؓ جو بکریاں نہیں چرا سکتے تھے، اللہ رب العزت نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے جہانبان بنا دیا۔ مرحوم اکبر الٰہ آبادیؒ نے خوب کہا ہے:

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت نے صحابہؓ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اب آپ کے بعد جو اہل اللہ ہیں، انسان نیک نیتی سے ان کی صحبت اختیار کرے گا ان شاء اللہ وہ بھی محروم نہیں رہے گا۔ ان کی صحبت کی برکت سے ہمارے اندر دین آئے گا، بلکہ حضرت مولانا حکیم اختر صاحب دامت برکاتہم نے تو اپنے ایک مضمون میں تحریر فرمایا ہے:

اہل اللہ کی صحبت سے ان شاء اللہ حسن خاتمہ نصیب ہوگا:

اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنے سے اور صرف اللہ کے لئے ان سے محبت رکھنے سے اللہ تعالیٰ اس کو ان شاء اللہ حسن خاتمہ نصیب فرمائیں گے۔ اور اس سلسلہ میں آپ نے دو روایتیں بیان فرمائی ہیں۔

پہلی روایت یہ بیان فرمائی ہے کہ اہل ذکر یعنی صالحین اور اہل اللہ کی شان میں وارد ہے کہ ایک شخص مجلس ذکر میں صالحین اور اہل اللہ کے مجمع میں کسی ضرورت اور حاجت

کے لئے جاتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے ان ذاکرین کی مغفرت فرما دینے کے ساتھ ساتھ اس کی مغفرت کا بھی اعلان فرمایا، تو ایک فرشتہ نے کہا: اے باری تعالیٰ! فلاں شخص ان میں شامل نہیں ہے، وہ تو اپنی کسی ضرورت کے لئے آیا تھا اور ان میں بیٹھ گیا تھا اور وہ خطاوار بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا:

هم القوم لا يشقىٰ بهم جليسهم

[یہ ایسے مقبولان الٰہی ہیں اور ایسے ہمارے محبوب بندے ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم اور شقی نہیں رہ سکتا۔]

سبحان اللہ! کتنی بڑی سعادت مندی ہے اور کیا مقام ہے اہل اللہ کا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

و له قد غفرت

[میں نے اس شخص کو بھی بخش دیا]

حضرت مولانا حکیم اختر صاحب مدظلہ نے دوسری روایت یہ نقل فرمائی: بخاری اور مسلم کی روایت ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس مسلمان شخص میں تین خصائل ہوں گی وہ ان کی برکت سے اپنے دل میں ایمان کی حلاوت پائے گا۔

۱......جس مسلمان کے قلب میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات سے زیادہ محبوب ہوں۔

۲......جو مسلمان کسی مسلمان بندے سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے۔

۳......اور جو ایمان عطا ہونے کے بعد کفر میں جانا اتنا ناگوار سمجھے جیسا کہ آگ میں جلا دیا جانا۔

جب کسی بندۂ مؤمن سے اللہ کے لئے محبت کرنے پر حلاوت ایمانی نصیب ہونے کا وعدہ ہے تو اہل اللہ جو اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہوتے ہیں ان سے للہ فی اللہ محبت کرنے پر ان شاء اللہ یقیناً حلاوت ایمانی نصیب ہوگی۔

اور حلاوت ایمانی کے متعلق ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

وقد ورد ان حلاوة الایمان اذا دخلت قلبا لا تخرج منه ابداً.

(مرقاۃ: ص۴۷)

وارد ہے کہ حلاوت ایمان جب قلب میں داخل ہوتی ہے تو وہ واپس نہیں لی جاتی اور اس قلب سے کبھی نہیں نکلتی۔ یہ شاہی عطیہ ہے، شاہ کریم عطیہ دے کر کبھی واپس نہیں لیا کرتا۔

(مواعظ درد محبت: ص۳۰، ۳۱)

یہاں (یورپ میں) اچھی صحبت انتہائی ضروری ہے:

اس لئے اہل اللہ اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا بہت ضروری ہے اور یہاں کے ماحول میں اپنی اولاد کو سنبھالنا اور اچھی سوسائٹی اور اچھے معاشرہ میں ان کا وقت گذرنے کا انتظام کرنا یہ بہت ضروری ہے۔ اگر اچھی صحبت کے بجائے بری صحبت ان کو مل گئی تو پھر ان کی کیا حالت ہوتی ہے وہ آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ کتنے لوگ بچارے روتے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کی اولاد کو اچھی صحبت نہیں ملی اور جن کو اچھی صحبت مل گئی ان کی زندگی ہی بدل گئی۔ اس یورپ کے ماحول میں بھی الحمدللہ ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے اور میں ایسے ایسے خاندان کو جانتا ہوں کہ جب چھوٹی رات ہوتی ہے، عشاء کی نماز گیارہ بجے اور صبح کی نماز چار سوا چار بجے، ایسی چھوٹی راتوں میں بھی ان کی تہجد کی نماز فوت نہیں ہوتی۔ آپ ڈیوزبری، باٹلی، بولٹن، پریسٹن، بلیک برن کے علاقہ

میں جاؤ تو ماشاء اللہ نوجوانوں کے چہروں پر سنت کے مطابق مکمل نور اور سر پر سنت کے مطابق عمامے نظر آتے ہیں۔ بعض بعض بستیوں کے متعلق پتہ چلا کہ پوری بستی میں ٹی وی نہیں ہے۔ الحمدللہ ان کے بچے اتنے دیندار ہیں کہ ان کو دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے، آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتی ہیں۔ یہ بھی اچھی صحبت کی برکتیں ہیں اور جماعت کے کام کی برکت ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر کسی کے متعلق معلوم کرنا ہو کہ وہ کیسا ہے تو اس کے ساتھیوں کو دیکھ لو کہ اس کا اٹھنا بیٹھنا کس کے ساتھ ہے؟ یہ بات مشہور ہے کہ نمازی کا دوست بھی نمازی اور شرابی کا دوست بھی شرابی، چور کا دوست بھی چور۔ تو جیسوں کے ساتھ رہیں گے ویسے بن جائیں گے۔ شیخ ابوتراب ؒ فرماتے ہیں:

صحبة الاشرار توجب بغض الاخیار

[اشرار (بروں) کی صحبت اخیار (نیک) لوگوں سے بغض پیدا کرنے والی چیز ہے۔]

اگر تم برے لوگوں کی مجلس اختیار کروگے تو یقیناً تمہارے اندر نیک لوگوں کے لئے نفرت پیدا ہوگی، اگر تم نیک لوگوں سے بدظن ہوجاؤ گے تو ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔

حضرت نوح ؑ کا بیٹا:

حضرت نوح ؑ کس قدر جلیل القدر پیغمبر ہیں، دین کے لئے کتنی تکلیفیں اٹھائیں، ساڑھے نوسو سال تک تبلیغ کرتے رہے، دعوت دیتے رہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّنَهَارًا.

[حضرت نوح ؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں نے دن رات اپنی قوم کو

دعوت دی، لیکن لوگ مجھ سے بھاگتے رہے۔]

وَاِنِّیْ کُلَّمَا دَعَوْتُھُمْ لِتَغْفِرَ لَھُمْ جَعَلُوْا اَصَابِعَھُمْ فِیْ اٰذَانِھِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَھُمْ (سورۂ نوح: ۷)

[اور جب جب میں دعوت دیتا ہوں تو انگلیاں کانوں میں ڈال لیتے ہیں، چہرے پر کپڑا ڈال لیتے ہیں]

بات تک سننے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے اور آپ کی قوم حضرت نوحؑ پر پتھراؤ کرتے تھی یہاں تک کہ حضرت نوحؑ پتھروں میں دب جاتے تھے۔ حضرت جبرئیلؑ آ کر پتھر ہٹاتے تھے تب آپ نکلتے تھے۔ آپ پھر جا کر قوم کو دعوت دیتے تھے۔ علانیہ بھی دعوت دیتے اور مخفی بھی دعوت دیتے۔ قوم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی۔ حضرت نوحؑ کا ایک بیٹا تھا، اس کو بروں کی صحبت مل گئی۔ نوحؑ نے اس کو بہت سمجھایا، اس کو بلایا کہ توبہ کر لے۔ جب طوفان آیا تو حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ توبہ کر کے کشتی میں آ جاؤ، آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ ﴿لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ﴾ [مگر جس پر اللہ رحم کرے۔] بیٹے نے کہا: ﴿قَالَ سَاٰوِیْ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَاءِ﴾ [میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا وہ مجھے پانی اور طوفان سے بچالیگا۔] اپنے والد کی بات نہیں مانی اور پہاڑ پر چڑھ گیا۔ ﴿وَحَالَ بَیْنَھُمَا الْمَوْجُ فَکَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ.﴾ (سورۂ ہود: ۴۳) [اتنے میں دونوں باپ بیٹے کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی، وہ بیٹا ڈوبنے والوں میں ہو گیا۔]

اسی طرح ایک دو آدمی ایک پہاڑ میں گھس گئے اور پتھر سے اس کا سوراخ بند کر لیا

کہ یہاں پانی نہیں آئے گا۔نوحؑ نے اپنے تمام ماننے والوں کو کشتی پر سوار کرلیا تھا۔البتہ ایک ایمان والے کو کشتی میں بٹھانا بھول گئے تھے۔طوفان آیا، اللہ کی قدرت جو ایمان والا تھا وہاں اللہ نے اپنا عذاب نہیں بھیجا، وہ اپنی جھونپڑی میں محفوظ رہا اور جو غار میں چھپ گئے تھے ان کی پیشاب اتنی جاری ہوگئی کہ اس میں وہ لوگ ڈوب گئے اور اسی پیشاب میں وہ لوگ مر گئے۔اتنا پیشاب ہوا کہ پورا غار پیشاب سے بھر گیا۔اور آپ کا بیٹا جو پہاڑ پر چڑھا تھا ایک موج آئی اور وہ بھی غرق ہوگیا۔﴿وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ.﴾ (سورۂ ہود:۴۳)

حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں عرض کیا اے میرے رب! آپ نے میرے اہل کو بچانے کا وعدہ فرمایا تھا یہ تو میرا بیٹا ہے، میرے اہل خانہ سے ہے، تو اللہ تعالیٰ کو کیسا جلال آیا، قرآن میں ہے:

يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ

[اے نوح! یہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے عمل خراب ہیں]

فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (سورۂ ھود:)

[اب آئندہ ایسا سوال نہ کرنا جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔]

تو دیکھو! نوحؑ کا بیٹا بروں کی صحبت میں رہا، نبوت کا خاندان گم ہوگیا، نبوت کی برکتوں سے محروم ہوگیا۔

پسر نوح با بداں بنشست خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف چند روز پئے نیکاں رفت مردم شد

اصحاب کہف کا کتا:

اصحاب کہف کا کتا چند روز نیک اور سچوں کے ساتھ رہا تو جہاں قرآن میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اس کتے کا ذکر بھی فرمایا۔ کہ ان کا کتا غار کے دہانہ پر بیٹھ گیا۔ ﴿وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ﴾ (سورۂ کہف:۱۸) اور مفسرین نے لکھا ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت کی برکت سے یہ کتا بھی جنت میں جائے گا۔ تو صالحین کی اور نیک لوگوں کی صحبت کا اثر ہوتا ہے۔

بری صحبت کا نتیجہ، ایک واقعہ:

میں نے شروع بیان میں جو آیت تلاوت کی ہے اس میں ایک واقعہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص قیامت کے دن مارے حسرت اور افسوس کے اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور پچھتائے گا، روئے گا کہ ہائے افسوس میں نے اس آدمی سے دوستی کی تھی، اس کی دوستی کی وجہ سے میں جہنم میں پہنچ گیا۔ اس دن افسوس کرے گا اور کہے گا:

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا.

[کاش! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست بنایا ہوتا، اور آپ کے ساتھ رہا ہوتا۔]

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا. (سورۂ فرقان: ۲۶، ۲۷)

[ہائے میری کم بختی! میں نے فلاں شخص کو کیوں دوست بنایا؟]

یہ آیت عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ دشمنان اسلام میں سے تھا۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے تو اونٹ کی اوجھ لا کر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر پر رکھ دی تھی۔ یہ بڑا مالدار تھا، جب کسی سفر سے واپس آتا تو لوگوں

کو دعوت دیتا۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دعوت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے سے ہاتھ روک لئے تو عقبہ بن ابی معیط نے کہا: کیا بات ہے آپ ہمارا کھانا نہیں کھا رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جب کھانا کھاؤں گا جب کہ تو ایمان قبول کرلے۔ تو پہلے ایمان قبول کرے گا تو اس کے بعد میں کھانا کھاؤں گا۔ عقبہ بن ابی معیط نے سب کے سامنے کلمہ پڑھ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہو گئے۔ آپ کی تمنا تھی کہ ایک ایک شخص جہنم سے بچ جائے اس لئے جب بھی موقعہ ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی دعوت پیش فرماتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھا کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ عقبہ کا ایک دوست تھا ابی بن خلف، اس کو جب معلوم ہوا کہ عقبہ بن ابی معیط نے کلمہ پڑھ لیا ہے تو فوراً آدمی بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اگر تو نے ایمان قبول کرلیا ہے تو میرا تیرا کوئی تعلق نہیں۔ عقبہ بن ابی معیط نے کہا میں دل سے ایمان نہیں لایا ہوں، زبانی کلمہ پڑھا ہے۔ اور اصل میں بات یہ تھی کہ محمد بن عبد اللہ میرے دستر خوان پر تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھانے سے کھینچ لیا تھا، اگر وہ کھائے بغیر ہی چلے جاتے تو میرے دستر خوان کی بے عزتی ہوتی اور بھی بہت سے سردار تھے وہ بھی بغیر کھائے چلے جاتے تو اور زیادہ میری رسوائی ہوتی۔ تو اپنی عزت کی خاطر میں نے کلمہ پڑھ لیا تھا، میں ایمان نہیں لایا ہوں۔

عربوں کی مہمان نوازی:

زمانہ اسلام سے پہلے بھی عرب حضرات مہمان نواز تھے۔ اس مہمان نوازی پر

ایک واقعہ سناتا ہوں۔عرب میں ایک بازار لگتا تھا جس کا نام ’’سوق الناقہ‘‘ یعنی اونٹوں کا بازار تھا۔اس کا ایک دن مقرر تھا، لوگ اونٹ خریدنے کے لئے وہاں جاتے تھے۔ایک شخص کو ایک اونٹنی بہت پسند آئی، سواری کے بھی لائق تھی اور دودھ کے بھی قابل تھی۔ مالک نے دام لگایا۔مثال کے طور پر پانچ ہزار درہم اس کی قیمت لگائی۔اس نے کم کرنے کے لئے کہا: مگر اونٹنی کا مالک کم کرنے پر راضی نہ ہوا۔ یہ شخص یہ کہہ کر واپس آ گیا، ضرورت ہوگی تو لے جاؤں گا۔رات کو دوستوں میں بات چیت ہوئی، اس اونٹنی کا بھی تذکرہ آ گیا۔اس نے اونٹنی کے اوصاف بتائے اور قیمت بتائی تو دوستوں نے کہا: آج کل اونٹوں کے دام بہت تیز ہیں، اتنے دام پر وہ اونٹنی بہت مناسب ہے۔دوسرے دن یہ شخص اس کی تلاش میں نکلا اور تلاش کرتے کرتے اس شخص کی رہائش کی جگہ پہنچا۔اس شخص نے ان کی خاطر تواضع کی اور کہا کہ پہلے آپ ہماری دعوت کھالو پھر جو کام ہوگا کر دوں گا۔خیر اس شخص نے کھانا تیار کیا اور ان کو کھانا کھلایا۔اس کے بعد اس شخص نے کہا: بتلایئے آپ کے تشریف آوری کا کیا مقصد ہے؟ تو اس شخص نے کہا کل میں نے آپ سے آپ کی اونٹنی کے متعلق خریدنے کی بات کی تھی، آپ نے پانچ ہزار درہم کہے تھے، میں نے کم کرانا چاہا تو آپ نے انکار کیا تھا۔ میں وہی اونٹنی خریدنے کے ارادہ سے حاضر ہوا ہوں۔ مالک نے کہا: افسوس! اب تو وہ اونٹنی نہیں رہی۔اس شخص نے کہا کیوں کیا ہوا؟ وہ کہاں چلی گئی؟ تو مالک نے کہا: آپ میرے گھر تشریف لائے، آپ کی مہمان نوازی کے لئے میرے پاس اس اونٹنی کے سوا دوسرا جانور نہ تھا، صرف وہی اونٹنی تھی اسی کو ذبح کر کے تمہاری مہمان نوازی کی۔اللہ اکبر! یہ تھے مہمان نواز۔عجیب اوصاف سے اللہ نے ان کو نوازا تھا۔آج بھی جو

اصل عرب ہیں بڑے مہمان نواز ہیں۔ سنا ہے کہ رمضان المبارک میں افطاری کے وقت عجیب وغریب منظر ہوتا ہے۔ آپ نے بھی سنا ہوگا اور بہت سوں نے دیکھا بھی ہوگا۔

کاش میں اس کو دوست نہ بناتا:

تو عقبہ بن ابی معیط کافر تھا، مگر مہمان نواز تھا۔ اس لئے اپنی عزت کی خاطر اس نے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ تو عقبہ کے دوست ابی بن خلف نے کہا: میں تیری بات کا اعتبار نہیں کر سکتا جب تک کہ تو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر جا کر تھوک نہ دے۔ تو عقبہ بن ابی معیط گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پر (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) تھوکا۔ اس گستاخی کی اللہ نے سزا دی کہ غزوۂ بدر میں یہ عقبہ بن ابی معیط، ابی بن خلف، عتبہ، شیبہ سب قتل ہوئے۔ یہ تو دنیا کی سزا ہوئی اور آخرت میں جب اللہ تعالیٰ جہنم کا فیصلہ کریں گے عقبہ بن ابی معیط کے لئے تو اس وقت یہ ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کر کہے گا:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا. يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا.

[جس روز ظالم اپنے ہاتھ کاٹنے لگے گا اور کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول کے ساتھ دین کی راہ پر لگ لیتا اور ہائے میری شامت کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔]

لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ

(سورۂ فرقان: ۲۶، ۲۷، ۲۸)

[اس کم بخت نے میرے پاس نصیحت آجانے کے بعد مجھ کو اس سے بہکا دیا اور

اس دولت ایمان سے مجھے ہٹا دیا۔] کاش میں اس کو اپنا دوست نہ بناتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی مجھے دعوت دی تھی اور جو ایمان میں نے قبول کیا تھا اس پر قائم رہتا۔

جنت کب ملے گی؟

تو بھائی سچی بات یہ ہے کہ آخرت کا منظر ہمارے سامنے نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے، جنت اور جہنم سب دیکھ کر آئے اور آ کر اپنی امت کو بتلایا اور ان تمام چیزوں کی خبر دی۔ اب جس نے آپ کی بات کو مانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر یقین کیا ان شاء اللہ اس کو جنت ملے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانے اور ان پر عمل کئے بغیر جنت نہیں مل سکتی۔

ایک کارآمد تمثیل:

ایک قافلہ جا رہا تھا سفر کرتے کرتے ایک جنگل سے گذرا، ریگستانی علاقہ تھا، وہاں پر پڑاؤ ڈالا تو ایک بوڑھے شخص نے اس قافلہ والوں سے کہا کہ دیکھو اس جگہ جہاں تم نے پڑاؤ کیا ہے یہ بہت قیمتی جگہ ہے، یہاں جو پتھر ہیں ان میں ہیرے، جواہرات، الماس، یشب، فیروزہ، عقیق، صدف اور قیمتی قیمتی ہیرے ہیں۔ ابھی رات ہے اور تمہیں نظر نہیں آتے، لیکن میرا تجربہ ہے، لہٰذا جو شخص جتنا چاہے ان پتھروں کو اٹھاتے جائے، جب تم آگے بڑھو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ان پتھروں میں کوئی لعل ہوگا، کوئی لؤلؤ ہوگا، کوئی مرجان ہوگا، کوئی زبرجد ہوگا، کوئی ہیرا ہوگا، کوئی الماس ہوگا، کوئی فیروزہ ہوگا، کوئی یشب ہوگا، کوئی عقیق ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔ اگر ایک بھی تمہارے ہاتھ لگ گیا تو تم مالا مال ہو

جاؤ گے۔ اب کچھ لوگوں نے ان کی بات کو مانا اور یہ سمجھا کہ یہ تجربہ کار ہیں، جہاں دیدہ ہیں، جو کچھ کہہ رہے ہیں دیکھ کر اور تجربہ کی بنیاد پر کہہ رہے ہیں تو انہوں نے اپنے تھیلوں میں اور اپنے بیگ میں پتھر بھر لئے۔ اس کے بالمقابل دوسرے کچھ لوگوں نے کہا: بابا کی بات میں کوئی دم نہیں ہے، جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے تو بس اسی طرح بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے، ہمارے پاس سامان کا بوجھ ہے، ان پتھروں کو اٹھا کر اپنے بوجھ کو کیوں بڑھائیں۔ کچھ دوسرے لوگ بھی ان کی باتوں میں آ گئے اور جو پتھر اٹھائے تھے وہ بھی پھینک دئے۔ اب صبح ہوئی اور سفر شروع ہوا، سورج کی شعائیں ان پر پڑیں، آگے چل کر ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالا۔ اب جب ان لوگوں نے جنہوں نے اس بوڑھے تجربہ کار اور جہاں دیدہ شخص کی بات پر بھروسہ کر کے پتھر اٹھا کر اپنے تھیلے میں رکھ دئے تھے، اپنا تھیلا کھولا اور ان پتھروں پر سورج کی شعائیں پڑیں تو وہ پتھر چمکنے لگے، کوئی قیمتی ہیرا نکلا، کسی کے پاس الماس آیا، کسی کو لعل ملا، کسی کو مرجان ملا کسی کو زبرجد ملا۔ اب وہ تو خوشی کے مارے نہیں سماتے۔ اور کہہ رہے ہیں دیکھو ہم نے ان کی بات پر اعتماد کیا اور پتھر اٹھانے میں تکلیف تھی، بوجھ زیادہ ہو گیا تھا مگر ہم نے اس کو برداشت کیا تو اللہ نے اس کا صلہ ہم کو عنایت فرمایا۔ ہم تو مالا مال ہو گئے۔ اور دوسرے وہ لوگ جنہوں نے بابا کی بات کو ٹھکرایا تھا، ان کا مذاق اڑایا تھا، اب وہ پچھتا رہے ہیں، ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہوئے ہیں مگر اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا ہے، وقت نکل چکا ہے، موقع ہاتھ سے جا چکا ہے۔ یہ واقعہ بطور تمثیل کے عرض کر دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت دوزخ کا مشاہدہ کر کے بیان فرمایا:

بزرگو! اسی طرح سرورِ کونین تاجدارِ مدینہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جنت اور دوزخ دیکھ آئے ہیں، جنت کی لازوال اور بے مثال نعمتوں کو دیکھا ہے اور جہنم کا دردناک عذاب بھی دیکھا ہے اور ان تمام باتوں سے اپنی امت کو آگاہ کیا کہ جنت میں ایسی ایسی نعمتیں ہیں کہ تمہارے تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ وہاں تم کو وہ سب کچھ ملے گا جس کا تمہارا جی چاہے گا۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِیْ اَنْفُسُكُمْ

اور کہیں ارشاد فرمایا:

وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَاَنْتُمْ فِيهَا خٰلِدُوْن.
(سورۂ زخرف:۷۱)

[اور وہاں ہر وہ چیز جس کی دل خواہش کرے اور جس سے آنکھیں لذت محسوس کرتی ہوں موجود ہوگی اور تم اس جنت میں ہمیشہ رہو گے۔]

اور کہیں قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُم مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (سورۂ سجدہ: ۱۷)

[کسی شخص کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے کیسی کیسی نعمتیں چھپا کر رکھی ہیں]

ان کے لئے کیا کیا سامان اپنے خزانہ غیب میں تیار کئے ہیں۔ ﴿جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْن﴾ [یہ ان کو ان کے نیک اعمال کا صلہ ملے گا۔]

ایک جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت میں نیک بندوں کے

لئے ایسی ایسی نعمتیں تیار کی گئی ہیں کہ:

ما لا عين رأت و لا اذن سمعت و لا خطر على قلب بشر. او كما قال عليه الصلوٰة و السلام.

(متفق علیہ،مشکوٰۃ:۲/۴۹۵)

[جنت جنت میں ایسی ایسی نعمتیں ہیں کہ کسی آنکھ نے دیکھا نہیں اور کسی کان نے ان نعمتوں کا تذکرہ سنا نہیں اور کسی انسان کے دل میں ان کی حقیقت کا خیال بھی نہیں گذرا ہوگا۔]

ذرا سوچو تو سہی، حضرت آدمؑ سے لے کر اب تک اور قیامت تک کتنے انسان دنیا میں آئے، ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں دی ہیں، دو کان دئے ہیں، ہر ایک کو ایک دل دیا ہے۔تو اندازہ لگایئے کتنے اربوں کھربوں آنکھیں ہوئی، کتنے اربوں کھربوں کان ہوئے، کتنے اربوں کھربوں دل ہوئے، مگر کسی آنکھ نے ان نعمتوں کو دیکھا تک نہیں، کسی کان نے ان نعمتوں کا ذکر بھی نہیں سنا، اور کسی کے دل میں اس نعمت کا خیال بھی نہیں گذرا۔تو جنت میں کیسی کیسی نعمتیں ہوں گی۔

دوستو! دنیا میں رہتے ہوئے انسان وہاں کی نعمتوں کا اندازہ لگا ہی نہیں سکتا، اس کے دل و دماغ سے باہر کی چیز ہے۔تو ان نعمتوں کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ ہمارے لئے دلیل ہے۔اسی پر ہم ایمان لائیں اور قرآن وحدیث کی باتوں کو مانیں۔لہذا اب جو شخص قرآن وحدیث کی باتوں کو مانے گا اور اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام کرنے کے لئے فرمایا ہے ان کاموں کو کرتا رہے گا تو ان شاء اللہ قیامت کے دن اس کو اس کا صلہ ملے گا اور اس وقت چین وسکون ملے گا اور

بے حد فرحاں وشاداں ہوگا۔

بزرگو اور دوستو! تو وہ لوگ جنھوں نے اس بوڑھے بابا کی بات مان کر پتھر اٹھا لئے تھے، مجاہدہ کیا تھا وہ لوگ کامیاب ہو گئے، بعد میں ان کو خوشیاں ملیں، یاقوت ملے، لعل و جواہر ملے۔ اسی طرح جس نے اللہ و رسول کی باتوں کو مانا اور ان پر عمل کیا اس کو جنت ملے گی، جنت کی لازوال اور بے مثال نعمتیں ملیں گی اور جس نے دنیا میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو نہیں مانا، جیسے کہ عقبہ بن ابی معیط نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانی اور ابی بن خلف کی بات مانی تو قیامت کے دن اپنے ہاتھ دانتوں سے کاٹے گا، مارے حسرت کے انگلیاں چبائے گا۔ میرے دوستو! وہاں کتنا ہی روئے گا، پچھتائے گا، حسرت کرے گا مگر کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ آنکھوں کے آنسو ختم ہو جائیں گے، خون بہے گا، پیپ نکلے گا لیکن وہاں پچھتانا کچھ کام نہ آئیگا۔ جو یہاں ڈرا، خوف کیا وہ وہاں خوش ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی توفیق عطا فرمائے۔ اے اللہ! اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی تو ہم کو توفیق اور سعادت عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆☆